بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ المیزان

قرآن وسنت کو سمجھنے کا معیار اور خلل وتفرقہ کو دور کرنے کا ذریعہ

فقہ میزان کا جدید اصولی تجزیاتی مطالعہ اور شریعت کے معاصرانہ

اجتہادات کی سمجھ پر اس کا اثر، اسی کے ساتھ زیادہ تر اختلافی مسائل پر اس کی عملی تطبیق

دار النداء

کتاب کا نام	:	فقہ المیزان
مطبوعات کی فہرست میں اس کا نمبر	:	۱۱۰
تحریر	:	محمد کرشونلو
فنی ڈزائن	:	یوسف سیحان
انٹرنیشنل کوڈ ننگ	:	978-605-7565-26-6
طبع	:	طبع اول، نومبر ۲۰۱۸
ڈپازٹ نمبر	:	27580
ناشر	:	دار النداء، فاتح/استنبول، ترکی
مطبع	:	Step Ajans Malbaa Ltd.Sti

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

یہ کتاب ہدیہ ہے بیچی نہیں جاسکتی

ناشر: دار النداء استنبول- ترکیا ۲۰۱۸

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ دوبارہ شائع کرنے، کتاب یا اس کے کسی حصہ کو پروڈیوس کرنے الیکٹرانک آلات میں محفوظ کرنے، یا کسی بھی طرح نقل کرنے یا اس کو کہیں درج کرنے کی کسی طور پر اجازت نہیں سوائے اس کے کہ مؤلف سے پہلے مکتوب اجازت نہ لی جائے

فِقْهُ المِيْزَانِ

قرآن وسنت کو سمجھنے کا معیار اور خلل وتفرقہ کو دور کرنے کا ذریعہ
فقہ میزان کا جدید اصولی تجزیاتی مطالعہ اور شریعت کے معاصرانہ
اجتہادات کی سمجھ پر اس کا اثر، اسی کے ساتھ زیادہ تر اختلافی مسائل پر اس کی عملی تطبیق

تألیف

أ.د.علی محی الدین قرہ داغی

اتحاد عالمی برائے مسلم اسکالرس کے جنرل سکریٹری
پروفیسر ایمریٹس، قطر یونیورسٹی
ہیومن ریسورسیز یونیورسٹی کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے صدر
مختلف شرعی بورڈوں کے صدر
حکومتی ملکی ایوارڈ کے حامل، مختلف فقہی اکیڈیمیوں کے ایکسپرٹ
یورپی مجلس برائے افتاء وتحقیق کے ممبر

مترجم

مولانا پروفیسر محمد حسان خان

امیر دار العلوم تاج المساجد، بھوپال، ہندوستان
ممبر: اتحاد عالمی برائے علماء اسلام، قطر
سابق پروفیسر عربی برکۃ اللہ یونیورسٹی، بھوپال، ہندوستان
مدعو خصوصی: مسلم پرسنل لا بورڈ، ہندوستان
ممبر رابطہ اساتذہ عربی برائے ہند، دہلی
صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ برائے عربی خدمات ۲۰۱۵ء
ممبر رابطہ ادب اسلامی لکھنؤ، ہندوستان / ریاض سعودی عرب
رسرچ فیلو: عرب انسٹی ٹیوٹ واسلامی مطالعہ ایکسیٹر یونیورسٹی، ایکسیٹر یو کے

دار النداء

مترجم اور ترجمۂ کتاب "فقه الميزان" پر مصنف کے تاثرات

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على المبعوث رحمة للعالمين سيدنا محمد و على آله و صحبه و من تبع هداه الى يوم الدين

(بعد حمد وثناء وصلاۃ وسلام ودرود) علماء ومفکرین وعام لوگوں میں اگر کوئی خاص کتاب مقبولیت ومحبوبیت حاصل کرتی ہے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی ایک نشانی ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ یہ کوشش عنداللہ بھی مقبول ومحبوب ہے۔

مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اہل علم وفضل واصحاب بحث وتحقیق اور عام مسلمانوں میں میری ایک کتاب فقہ المیزان کو بہت دلچسپی اور محبوبیت سے دیکھا جارہا ہے، اور یہ کتاب مقبول عام وخاص ہوگئی ہے (یہ کتاب دراصل کتاب وسنت کو جاننے اور سمجھنے کا معیار مقرر کرتی ہے اختلافات اور اعتراضات کا اس میں مسکت جواب ہے، فقہ المیزان بنیادی اور تجزیاتی جدید مطالعہ پر مشتمل ہے اس کے ذریعہ معاصرانہ اجتہادات اور فقہی مسائل میں علمی تطبیق کو شرعی وفقہی طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

مجھے اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم پر بڑی خوشی اور مسرت ہے "قل بفضل الله و برحمته فبذلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون "ترجمہ: (کہہ دیجئے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے سو اسی پر انہیں خوش ہونا چاہئے یہ ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں) مجھے اس کی بھی خوشی ہے کہ اس سے علم کی نشر واشاعت ہوئی جو کہ تألیف وتصنیف وتحقیق کا اصل مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے یہ کتاب بہت مشہور ہوئی اور عام وخاص کے مطالعہ میں آئی اور دو سال کے اندر اندر دنیا کی کئی عالمی اور علاقائی زبانوں میں اس کے بہترین ترجمے بھی منظر عام پر آگئے۔

ہمارے عزیز بھائی مولانا پروفیسر محمد حسان خان امیر دار العلوم تاج المساجد بھوپال نے اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کے میزانِ حسنات کو بھاری کردے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اردو زبان دنیا کی زندہ زبانوں میں سے ہے، وہ علمی وتصنیفی زبان ہے اور برصغیر ہندو پاک میں اسلامیات کی ترجمان ہے، اسلامی علوم وفنون کی نشر واشاعت میں اس کا بڑا حصہ رہا ہے۔

اس کتاب کی خاصیت اور اہمیت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی تصنیفی مصروفیت نے میری فکری واجتہادی زندگی کو بہت زیادہ متاثر کیا، میری زندگی کے تقریباً ۲۵ سال اس موضوع پر غور وفکر کرنے، اس کو بنانے سنوارنے اور بار بار ترمیم واضافہ کرنے اور پرانی باتوں کو خیر باد کہہ کر نئی چیزوں کو شامل کرنے میں خرچ ہوئے اور آخر میں اس کتاب نے یہ خوبصورت شکل اختیار کی جس کو ہر جگہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔

ا۔د۔علی محی الدین القرہ داغی

سکریٹری جنرل

عالمی اتحاد برائے علماء اسلام، قطر

مقدمہ مترجم

مولانا پروفیسر محمد حسان خان

موجودہ عہد میں عالمی پیمانہ پر مختلف علوم وفنون کی کتابوں کو پڑھنا اور استفادہ کرنا عام ہوگیا ہے اور ڈیجیٹل ترقی کہ وجہ سے اب علاقائی کوئی چیز نہیں بچی ہے تقریباً سب چیزیں عالمی ہوچکی ہیں، کہیں کوئی کتاب نیٹ پر ڈالی جائے تو وہ ہر ایک کو ہر جگہ دستیاب ہے، بلکہ وہ ان لوگوں کو بھی دستیاب ہے جو کتاب کی زبان بھی نہیں جانتے کیونکہ کئی کمپنیاں اور ویب سائٹ ہیں جو ان کتابوں کو ترجمہ کر کے مختلف زبانوں میں فراہم کررہے ہیں، اور ایسے مترجم فراہم ہیں جن کا کئی زبانوں پر قدرت اور علمی معرفت اور تجربہ پیشہ ورانہ انداز کا ہے جس میں وہ اس ترجمہ کے کام کو انجام دے سکتے ہیں، اگر چہ ان کا معاوضہ بہت زیادہ ہے لیکن علم ومعرفت اور کتابوں کے شوقین علمی خدمت سمجھتے ہوئے بہت کچھ خرچ کرتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔

تین عرب ملکوں کے مترجمین کے ترجمہ کے معاوضہ کا خاکہ پیش کرتا ہوں جس سے ترجموں کے نذرانوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) امارات ایک صفحہ ۱۷ڈالر

(۲) سعودی عرب ایک صفحہ ۸ڈالر

(۳) سلطنت عمان ایک صفحہ ۵عمانی ریال

خود ہندوستان میں ایسی کمپنیاں قائم ہوگئی ہیں جو ترجمہ کا معاوضہ الفاظ کی بنیاد پر دیتی ہیں، ایک لفظ کے دس روپے، دہلی کی یونیورسٹیوں میں کام کرنے والے اساتذہ بتاتے ہیں کہ ایک کتاب کے ترجمہ کے معاوضہ سے لوگ ایک فلیٹ خرید سکتے ہیں۔

ترجمہ کے عمل سے فکری رابطہ اور ثقافتی اور علمی لین دین دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان قائم ہوتا ہے اور ریسرچ اسکالر، مطالعہ کرنے والے طلبہ کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ان ترجمہ شدہ کتابوں کے ذریعہ وہ پوری دنیا سے علمی وفکری طور پر مربوط ہوجاتے ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ کتابوں کا ترجمہ باریک بینی اور پیشہ ورانہ انداز میں کیا جائے تاکہ مؤلف کتاب نے جو لفظ ومفہوم قاری تک پہنچانے کا قصد کیا ہے وہ اس تک مکمل طریقے سے پہنچے اور کسی بھی طرح کی محرومی کا شکار نہ ہو۔

میری نظر میں درج ذیل اصولوں کا لحاظ مترجم کو رکھنا چاہئے:

(۱) دونوں زبانوں کے لغوی قواعد وآداب فنیہ سے مکمل واقفیت پیدا کی جائے۔

(۲) دونوں زبانوں کی ثقافت سے واقفیت نہایت ضروری ہے تاکہ مصنف یا مؤلف کے معنی ومفہوم میں مستعملہ اصطلاحات کو صحیح طور سے سمجھا جاسکے پھر اس کو بہترین اسلوب اختیار کر کے پیش کیا جاسکے۔

(۳) ترجمہ کے عالمی اسباب وذرائع کا پاس ولحاظ ہونا ضروری ہے جیسے قاموس اور لغوی مراجع کی دستیابی جن میں معلومات اور الفاظ ومعنی کا خزانہ ہوتا ہے اور انہی کے ذریعہ مترجم پیشہ ورانہ انداز سے ترجمہ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ مختلف میدانوں میں اپنی معلومات و معرفت کا عکس اپنے ترجمہ پر ثبت کرسکتا ہے۔

دینی کتب کا ترجمہ ترجموں میں سب سے مشکل اور دقت آمیز ہے، اس میں مزید اضافی جد وجہد اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اصل کے مطابق صحیح اور کامیاب ترجمہ ہوسکے۔

دینی کتابوں کا ترجمہ کرنا اسلام کی وسیع نشر واشاعت، مختلف ثقافتی روابط اور عجمی ممالک میں عربی کی مقبولیت کی وجہ سے بہت اہم ہوگیا ہے اس لئے مکاتب علم وتحقیق میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ایسے بہترین فاضل وقابل، اہلِ ثقافت وماھرین علم کی تلاش کی جائے جو اہل علم و معرفت اور وسیع المطالعہ ہوں اور دین کی گہری فکر رکھتے ہوں اور دینی اور فقہی نصوص کو مکمل طور سے سمجھ سکتے ہوں، دینی کلمات واصطلاحات کی صحیح سمجھ اور صحیح استعمال کو جانتے ہوں، ایسے ہی فضلاء بالکل صحیح پیشہ ورانہ طریقہ پر ترجمہ کر سکتے ہیں۔

دینی کتب کا ترجمہ یہی ایک بہترین وسیلہ وذریعہ ہے جو دین کا صحیح اور اصل مفہوم غیر عربی داں لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔

دینی کتب کے ترجمہ کے بنیادی اصول:

(۱) جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس کی مکمل واقفیت۔

(۲) غیر جانب داری۔

(۳) علمی موضوعات کی کتب بالخصوص دینی کتابوں کے ترجمے کی بنیادوں اور اسلوبوں کا احاطہ۔

(۴) دینِ اسلام کی عمیق فہم اور مکمل علمی وتحقیقی معرفت۔

خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ میں مندرجہ بالا تمام اصولوں کی پاسداری کی گئی ہے۔

میری عرصۂ دراز سے قطر جانے کی نیت تھی اور پروگرام بنتا رہتا تھا لیکن جب وہاں آمد پر فوری ویزے کی اجازت ہوگئی تو یہ سفر ممکن ہوا، اتحاد عالمی برائے علماء اسلام، قطر کے بارے میں عرصہ دراز سے معلومات تھیں، دل میں زبردست خواہش تھی کہ مجھے اس کا ممبر ہونا چاہئے، ممبری کا فارم بھر کر کئی ممبران سے سفارش لکھنے کی درخواست کی گئی، لیکن کامیابی نہ مل سکی۔

قطر کے ہمارے میزبان اس تنظیم کے سکریٹری جنرل فضیلۃ الشیخ العلامۃ الدکتور علی محی الدین القرہ داغی سے ملاقات کے لئے ہیڈ آفس لے گئے، میں بہت کم عمری یعنی ۱۷ سال کی عمر میں ایک وظیفہ پر لیبیا تعلیم حاصل کرنے چلا گیا تھا اور عربوں کے انداز میں عربی بولنے میں روز ۱۲-۱۴ گھنٹے صرف کرتا تھا، نتیجہ یہ ہوا دو ماہ میں بہترین عربی بولنا آگئی اس تجربہ سے بہت فائدہ ہوا اور عالم اسلام کے جلیل القدر اہلِ علم سے بے تکلف گفتگو ہوتی رہی۔

جب میں نے علامہ قرہ داغی سے برجستہ عربی زبان میں گفتگو کی تو ان کو بہت حیرت ہوئی، انہوں نے میرے سامنے ہی فرمایا کہ میں نے آج تک کسی ہندوستانی کو عربوں کی طرح عربی بولتے نہیں سنا، اسی دوران ندوۃ العلماء لکھنؤ کا، والد صاحب مولانا محمد عمران خاں ندوی ازھریؒ اور خاندان کا تذکرہ ہوا اور جامعہ ازھر کے ذکر میں یہ انکشاف بھی اہم رہا کہ بھوپال کے چاروں ازھری ہمارے ہی گھرانے کے افراد ہیں، وہ بہت متاثر ہوئے، یہ خیال رہے کہ وہ خود باقاعدہ ازھری ہیں، اور فرمایا کہ آج کل اتحاد کے ممبروں کا انتخاب موقوف ہے لیکن میں سکریٹری جنرل کے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے آپ کو ممبر بناتا ہوں، میں تکمیل شدہ فارم لے کر گیا تھا ان کو پیش کیا، ایک سفارش انہوں نے کی، میں نے کہا کہ میں فضیلۃ الامام الشیخ القرضاوی سے ملنے جارہا ہوں دوسری سفارش ان سے کرالوں گا، وہ بہت خوش ہوئے، پھر میں علامہ قرضاوی صاحب سے ملا تو وہ بھی ازھر کے تذکروں اور عربی انداز سے بہت خوش ہوئے، فارم پیش کیا تو انہوں نے رکھ لیا اور بعد میں خود اتحاد کے آفس بھجوادیا، یہ سب میرے لئے فخر ومسرت کا باعث ہوا۔

میرے دل کی خواہش اللہ تعالیٰ نے القرہ داغی صاحب کے ذریعہ اس عجیب وغریب انداز سے پوری کرائی، مجھے ان کی اس نیکی اور

احسان کا بڑا احساس تھا، میں نے طے کیا کہ شیخ کی سب سے مشہور ومقبول کتاب کا بلا معاوضہ اردو میں ترجمہ کروں گا، چند تحریروں اور کتابوں کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوا کہ فقہ المیز ان ان کی سب سے اچھی کتاب ہے جس میں ایک جدت وندرت اور انفرادیت ہے، پرانی مبتذل باتیں نہیں ہیں، اور یہ بات بھی علم میں آئی کہ شیخ کو بھی یہ کتاب سب سے زیادہ محبوب ہے، میں نے ترجمہ کرنے کا ارادہ کرلیا، تقریباً تین سال کا عرصہ لگا، درمیان میں کچھ عرصہ عوارض کا شکار رہا، اب اللہ کا شکر ہے طبیعت بہت اچھی ہے۔

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترجمہ کے اس کام کو پورا کرسکا، اور اب اتحاد کے آفس نیٹ کے ذریعہ ارسال کی جارہی ہے، انشاء اللہ نیٹ کے ذریعہ شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہوگی اور اردو دنیا بھی اس نادر کتاب سے مستفید ہوگی۔

امت مسلمہ جو فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی ہے، فتاویٰ اور گروہی سیاست کا شکار ہوچکی ہے، اجتماعی بے چینی عام ہے، تہذیبی ڈھانچہ تباہ وبرباد ہوچکا ہے، ان ناگفتہ بہ حالات میں علماء شریعت، مربی حضرات، تبلیغ ودعوت میں انبیاء کے وارثین کے لئے یہ عظیم الشان کتاب (فقہ المیز ان) تحریر کی گئی ہے تاکہ وہ استنباط، اجتہاد اور فتوی کو منضبط کرسکیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ امت کو وہ میزان عطا کردے جو عمیق فکر، دقیق وصحیح فہم، مسلمانوں کے درمیان عدل وانصاف، الفت ومحبت واخوت قائم کردے اور وحدت وعزیمت وقوت سے اسے نوازا جائے۔

قرآن کریم میں وارد ''میزان'' (ترازو) کے معنی ومطلب سمجھنے میں شیخ کو ربع صدی تک مشغول ومصروف رہنا پڑا، ایک رات شیخ سورۃ حدید کی تلاوت کررہے تھے تو ایک آیت کریمہ ''لقد أرسلنا رسلنا بالبینٰتِ و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط'' (الحدید:۲۵) ترجمہ: (ہم نے بھیجے اپنے رسول نشانیاں دیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر) (میزان ''ترازو'' سے مراد شریعت ہے جو تمام اعمال ظاہری وباطنی کے حسن وقبح کو جانچ کر تول کر بتلاتی ہے) ان کی توجہ مبذول کی اسی کے ساتھ ان کے ذہن میں دوسری درج ذیل آیت بھی آئی ''الله الذی أنزل الكتاب بالحق و الميزان و ما يدريك لعل الساعة قريب'' (شوریٰ:۱۷) ترجمہ: (اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی، اور تجھ کو کیا خبر ہے کہ وہ گھڑی پاس ہو)۔

ان آیات کریمہ کی تلاوت کے بعد دل ودماغ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ دونوں آیتیں صراحت ووضاحت سے بتلارہی ہیں کہ انصاف کا حصول کتاب اور میزان سے ہوگا، کتاب تو قرآن مجید اور انبیاء پر نازل کردہ کتابیں ہیں، لیکن کتاب کے ساتھ مذکور یہ میزان کیا ہے؟ جس پر انسان کے ظاہر وباطن سے متعلق احکام اور فکر وفہم میں عدل وانصاف کی تحقیق کا انحصار ودارومدار ہے۔

شیخ فرماتے ہیں میں نے کتب تفسیر کا مطالعہ کیا، لیکن مکمل طور پر میری تشفی نہیں ہوسکی لیکن بعض خوش کن روشن پہلو ضرور نمایاں ہوئے، تفسیر ابن کثیر میں مجاہد، قتادہ اور دوسرے علماء کے حوالہ سے میزان کے معنی عدل بیان کئے گئے ہیں یہی معنی طبری، بغوی اور دوسرے مفسرین نے بھی بیان کئے ہیں، یہ وہ معنی ہیں جسے عقول سلیمہ تسلیم کرتی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے "أفمن كان على بينة من ربه و يتلوه شاهد منه" (سورہ ھود:۱۷) ترجمہ: (بھلا ایک شخص جو اپنے رب کے واضح رستہ پر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہے)۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "فطرة الله التی فطر الناس علیها" (سورہ روم:۳۰) ترجمہ: (اللہ کی پیدا کردہ فطرت وساخت جس پر لوگوں کو تراشا)۔

میزان کے معنی عدل کے لینے میں بُعد لازم آتا ہے، کیونکہ میزان کا مقصد عدل کی تحقیق ہے، تو بذریعہ عدل اس کی تفسیر کیسے کی جاسکتی ہے، یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی کہے العدل هو العدل یعنی عدل وہی ہے جو عدل ہے۔

مزید تحقیق وتفتیش کے لئے انہوں نے علم ومعرفت کے خزانہ قرآن کریم، احادیث، سیرت نبوی، سیرت کے اہم واقعات اور خلفاء راشدین کی آراء کا گہرا مطالعہ کیا، تو ان سب کو باہم متحد مکمل اور مطابق واقعہ پایا، لیکن جب اسلامی تحریکوں، مسلم جماعتوں، مختلف مدارس فکر سے تعلق رکھنے والے طلبہ واساتذہ کی آراء وافکار کو دیکھا تو ان کے درمیان شدید اختلاف پایا، باہمی منافرت واختلاف اتنا بڑھتے دیکھا کہ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دیئے جارہے ہیں، اور استدلال ہر ایک قرآن وحدیث سے کر رہا ہے، لیکن یہ استدلال اتحاد کے بجائے اختلاف اور ملاپ کے بجائے جدائی اور ہدایت کے بجائے گمراہی کی طرف لیجاتا ہے، جو جائز وشرعی ہونے کے بجائے معاملات دینیہ میں گمراہ کرنے والا ہے۔

وہ فقہی اختلاف جائز وشرعی ہوتا ہے جو علم وفہم کے بعد ہو، کسی فقہی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے ہو جس کے ذریعہ ایک کے بجائے مختلف ومتعدد حل سامنے آسکیں جس سے شریعت اسلامیہ کی وسعت، عظمت نرمی لچک کا اظہار ہو۔

لیکن (مسلمانوں کے درمیان) آج کا اختلاف مشروعیت وجواز کے دائرے سے باہر ہے، جس کے نتیجے میں اہانت وذلت، دشمنوں سے قربت ورفاقت اپنوں سے دوری ونفرت، مخالف اسلام طاقتوں کے ساتھ مل کر موافق شریعت زندگی گزارنے والوں، اسلامی شریعت کی تطبیق کا مطالبہ کرنے والوں کو نقصان پہنچانے یہاں تک کہ قتل وتباہ وبرباد کرنے تک پہونچانے والا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اصل خرابی وخلل کہاں ہے؟ امور شرعیہ ومسائل دینیہ میں باہمی اختلاف کی یہ شدت دوسروں پر کوئی حکم لگانے میں سختی و قوت کا اہم وبنیادی سبب کسی ایسے پیمانہ کا نہ ہونا ہے جس کے ذریعہ کسی بھی شرعی مقصد کے لئے کسی کو حَکَم یا ثالث بنایا جائے۔

بعض لوگ مذہبی معاملات کو عادات وسیاسیات، جذبات واحساسات کے ساتھ خلط ملط کرنے کو ''فقہ المیزان'' کا نام دیتے ہیں، اجتہاد کی صحت کے لئے سابقہ زمانہ میں اصول فقہ کے مبادی، فقہ اسلامی کے قواعد اور شریعت اسلامیہ کے مقاصد کو صحت وعدم صحت کا معیار بنایا جاتا تھا، علماء وفقہاء نے ان کی طرف خصوصی توجہ دی اور ان کا خاص اہتمام کیا اور اجتہاد کی صحت کے لئے انہیں شرط مانا، لیکن آج ہر شخص مجتہد اور مفتی بنا ہوا ہے جبکہ اسے اصول فقہ، قواعد فقہ، مقاصد شریعت اور فتاوی کے احکام کا کوئی علم اور ان کے نتائج سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔

شیخ اس کے بعد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''بیسویں صدی کے اوائل سے کتاب وسنت کی طرف لوٹنے کی ایک تیز وتند لہر چلی، کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت عام ہوئی، یہ ایک خوش کن بات تھی، لیکن اس میں ایک خرابی اور ایک خلل یہ رہا کہ فقہاء، اہل اصول، مفسرین ومحدثین وشراحِ حدیث کی کاوشوں، کوششوں اور خدمات کو پس پشت ڈال دیا گیا، بلکہ اس سے بڑھ کر ان میں سے بعض کو مبتدع وگمراہ گردانا گیا، بعض اہم اسلامی کتابوں کو جیسے علامہ ابن حجر کی فتح الباری، امام نووی کی شرح مسلم شریف کو اس الزام کے تحت جلایا گیا کہ ان شروح کا تعلق اشاعرہ سے تھا''۔

اس غلط طریقہ نے بعض حضرات کو گمراہ کرتے ہوئے اس راستہ پر گامزن کر دیا کہ وہ قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہوئے آیات واحادیث پر اعتماد کریں اور ان کے درمیان مطابقت واجماع سے گریز کریں، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے جعلوا القرآن عضین (الحجر:۹۱)۔

پھر یہ غلط طریقہ کار دین کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کیا جانے لگا اور اس کے ذریعہ مخالفین کی تکفیر اور ان کو قتل کرنا اور امن کی صورتحال کو دھماکہ خیز بنایا جانے لگا، اگر میری یہ بات درست نہ ہو تو پھر آپ ''جھیمان عتیبی'' کے حالات پڑھئے جس نے سعودی عرب میں

محتسب سلفی جماعت بنائی تھی اور جس کی تائید بڑے بڑے علماء نے بھی کی تھی، اس جماعت کے افراد نے ہزاروں حجاج اور عمرہ کرنے والوں کو حرم شریف میں قتل کیا اور سعودی فرمانروا اور ان کے رفقاء و ساتھیوں کو کافر قرار دیکر ان کے قتل کا منصوبہ بنایا اور یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ میں یہ کارنامہ انجام دیکر اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا۔

اسی طرح کے گناہ و جرم القاعدہ، بوکوحرام اور خاص طور سے داعش نے عراق، شام، یمن اور لیبیا میں انجام دیئے جس سے اہل اسلام اور خاص طور سے اہل سنت کی گردنیں شرم سے جھک گئیں اور عدل وانصاف، رحمت وشفقت پر قائم اسلام کی تصویر مسخ ہوکر رہ گئی۔

یہ تمام فرقے و جماعتیں جھوٹ فریب، جہالت اور بہتان تراشی کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس صورتحال سے ڈراتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگوں کے درمیان سے علمِ حقیقی اٹھ جائیگا، قرآن کریم کے ہوتے ہوئے مسلمان اسی طرح گمراہ ہونگے جیسے کہ یہود ونصاری تورات وانجیل کے ہوتے ہوئے گمراہ ہوئے۔ اس خطرناک غلط طریقہ کا علاج قرآن کریم اور سلف صالحین کے بیان کردہ ان کے سمجھے ہوئے راستہ سے رہبری کے بغیر کبھی متحقق نہیں ہوسکتا، یہی فقہ المیزان ہے جیسا کہ انہوں نے واضح کیا کہ میرے نقطہ نظر اور میری تحقیق کے نتیجہ میں فقہ المیزان صحیح و گہری نظر سے شریعت کو سمجھنے کا اہم معیار ہوگا، اسی طرح باہمی اختلافات کو ختم کرنے، یا کم کرنے، نصوص شرعیہ کو سمجھنے اور بہتر طریقہ سے استیعاب کے ساتھ سمجھنے کا ذریعہ ہوگا۔

شیخ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان اختلافات اور گروہ بندیوں کے نقصانات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''اسی لئے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ خود اس مذہب کے پیروکاروں میں یہ تمام اختلافات پیدا ہوں اور باہم جنگ وجدال کرنے والے، فرقے جماعتیں ملتیں اور مسالک وجود میں آجائیں، اس پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ سب اپنے اعتقادات میں قرآن وحدیث سے ہی استدلال کرتے ہیں!! اس لئے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ توازن وتقابل جسے اللہ تعالی نے حق وحقیقت کی دریافت کے لئے شریعت میں رکھا ہے وہ ختم نہ ہوجائے، آپ نے فرمایا کہ میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ آجکل مسلمانوں، ان کے مسالک ومذاہب اور اسلامی جماعتوں کے درمیان جو شدید اختلاف ہے اس کے اسباب تلاش کروں، یہ اختلاف اہل سنت والجماعت کے درمیان بھی پایا جاتا ہے جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ تمام اہل ایمان کے درمیان جو قرآن کریم اور اس کی شارح سنت نبوی پر ایمان رکھتے ہیں''، اصول ومبادی میں کوئی اختلاف نہ ہو، اور شریعت کے فروعی مسائل میں بھی ایسا اختلاف نہ ہو جو انہیں منتشر و پراگندہ کردے، اور ان کی قوت، شوکت وہیبت جاتی رہے، ورنہ پھر فقہ، علم اور میزان (تقابل وتوازن) کا کیا فائدہ اگر کتاب وسنت کو قیّم فیصلہ کرنے والا، مرکزی ماخذ اور مرجع نہ بنایا جائے۔

محترم شیخ نے اس نئی ونادر تحقیق کے عام کرنے میں کوئی جلد بازی نہیں کی بلکہ ربع صدی تک مختلف اسٹیج پر علماء، ماہرین، طلبہ اور اسکالروں کے سامنے اس کو پیش کرتے رہے اور لوگوں کی رائے اور مشورہ قبول کرتے رہے، آپ فرماتے ہیں ''میں نے چوتھائی صدی تک اپنی تحقیق ورسرچ پر خاص توجہ دی، اور اس کی طباعت میں عجلت نہ کرتے ہوئے کئی علمی سمیناروں میں اسے پیش کیا، ۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۵ء قطر یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے علمی سمینار میں یہ مقالہ پیش کیا گیا، جس میں مفکرین وفقہاء بڑی تعداد میں موجود تھے، میرے مقالہ کو بنظر تحسین وتائید دیکھا گیا، علامہ یوسف القرضاوی نے فرمایا کہ ''یہ مقالہ فیصلہ کن قواعد، قانون سازی اور احکام کلیہ پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ فقہ کے ہر باب میں تقابل کیا جاسکتا ہے''۔

اسی طرح موسم گرما میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے مرکز اسلامی کے تحت منعقد سمیناروں میں مقالہ پڑھا گیا جس میں بڑی تعداد میں

مفکرین واسکالرموجود تھے جنہوں نے میری معروضات کوسراہا۔

۷/اگست ۲۰۰۳ء کوعراق کے شہر موصل کے سمینار میں یہ مقالہ پڑھا، جس میں بڑی تعداد میں علماء نے شرکت کی جن میں موصل کے رابطۃ العلماء کے صدر بھی موجود تھے، اس طرح مفکرین وادباء نے بھی شرکت کی جن میں ڈاکٹر عمادالدین خلیل تھے انہوں نے صرف لفظی تائید ہی نہیں کی بلکہ ایک مفصل خط بھی ارسال کیا جس میں تحریر کیا کہ میں آپ کو رابطہ علماء کے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ پر مبارکباد پیش کرتا ہوں جو اپنے اسلوب، طرز نگارش اور مواد ومعلومات کے اعتبار سے منفرد تھا، اور آخری لمحات تک حاضرین کی توجہ کا مرکز بنا رہا، عام مقالات سے ہٹ کر آپ نے ایک جدید چیز پیش کی، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اللہ تعالی آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے کہ آپ اپنی مجاہدانہ کوششوں میں مزید پیش رفت فرمائیں اور اختراع وایجاد کے کمال دکھائیں۔

انہوں نے دوسرے خط میں تحریر کیا کہ علمی سمیناروں میں پیش کردہ مقالات میں سے دو مقالات نے خاص طور سے مجھے اپنا فریفتہ و گرویدہ بنایا، ان میں ایک دلکش مقالہ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی کا تھا جو انہوں نے آج سے چوتھائی صدی قبل بغداد یونیورسٹی میں تفسیر بیانی سے متعلق پیش کیا تھا، دوسرا مقالہ جو میری توجہ کا مرکز بنا اور مجھے ایک نئے راستے سے روشناس کرایا اور جس میں مجھے وہ کلی قواعد ملے جو گہری فکر کے حامل اور احکامات شرعیہ کے گہرے علم کی سمجھ میں مددگار ہوئے وہ آپ کا مقالہ تھا۔

اسی طرح انہوں نے طلبہ اور اسکالرس کے لئے بھی متعدد تربیتی اجلاس منعقد کئے، ان میں سے ایک اجلاس ۱۱و۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق یکم و۲ رمئی ۲۰۰۴ء کویت میں دورالممیز ان کے موضوع پر دو دن کے لئے منعقد ہوا جس میں ۶۵ اشخاص نے شرکت کی، اس اجلاس میں نصف یوم تطبیق کے لئے خاص کیا گیا تھا، تمام شرکاء مسرت وشادمانی کے ساتھ واپس ہوئے۔

اس کتاب کے اغراض ومقاصد:

کتاب کے اغراض ومقاصد کے ضمن میں محترم شیخ نے درج ذیل تحریر کتاب میں درج کی ہے:

''اس کتاب کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالی کے عطا کردہ علم ومعرفت، فہم وفراست کی صلاحیت اور تربیت، تزکیہ ونصیحت کے ذریعہ، اللہ تعالی کی کتاب اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اس طرح کرنا ہے کہ امت کے لئے خیر وبھلائی کا تحقق اور امت میں اتحاد واتفاق پیدا ہو سکے۔

قرآن وسنت کے ذریعہ اسلام کا پیغام، حق کے بیان اور سابقہ امتوں کے زمانے سے چلے آرہے عقائد وشرعی مسلّمات میں اختلاف ختم کرنے کے لئے آیا ہے، اور یہ پیغام بتلانے کے لئے کہ مسلمانوں میں شریعت سے ثابت چیزوں میں اختلاف فساد کا سبب کس طرح بن سکتا ہے اور یہ اختلاف کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

دقّت نظر اور گہرائی وگیرائی سے کتاب اللہ اور سنت نبویہ کو افراط وتفریط سے دور رکھتے ہوئے، صحیح طریقے سے اس طرح سمجھنا چاہئے کہ اصول وثوابت (مسلّمات) میں اختلاف ختم ہو اور فروع وجزئیات میں بھی اختلاف کم ہو، اگر مخالفین اس راہ کو اختیار کریں تو مطلق وکامل عدل و انصاف اور مکمل وشامل انصاف حاصل ہوسکتا ہے، لیکن لوگوں کے درمیان اختلاف کا ہونا سنت حیات ہے جسے اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں جاری رکھا ہے، ارشاد ربانی ہے: و لو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة و لا يزالون مختلفين الا من رحم ربك و لذلك خلقهم (ھود :۱۱۸تا۱۱۹) ترجمہ: اگر تمہارا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر تمہارا رب رحم کرے اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں فرمایا ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت صحیحہ ایک دوسرے کی تکذیب کے بجائے تصدیق کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سندِ صحیحہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے حجرہ مبارک سے نکل کر صحابہ کرام کے پاس آئے صحابہ مسئلہ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے، ایک شخص کہہ رہا تھا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا، دوسرا بھی یہی کہہ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو یہی حکم دیا گیا ہے، تم سے پہلے لوگ اللہ تعالی کی کتاب میں تضاد و تناقض تلاش کرنے کی پاداش میں ہلاک ہوئے، جبکہ کتاب اللہ کو اس لئے نازل کیا گیا ہے ہے کہ تکذیب وجھٹلانے کے بجائے وہ باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرے، تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس میں غور وخوض کرو اور اسے انجام دو اور جس سے تم کو روکا گیا ہے اس سے اجتناب کرو''۔

خدا کی ذات سے امید ہے کہ اردو کی اسلامی دنیا میں اس عظیم الشان کتاب سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔ و ما ذلك على الله بعزيز

(مولانا) پروفیسر محمد حسان خان
امیر دار العلوم تاج المساجد، بھوپال
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ/۱۰/نومبر ۲۰۲۲ء

دستورِ قرآنی سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُه وَرُسُلَه بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحدید: ۲۵) ترجمہ: البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازوئے (عدل) بھی بھیجی تا کہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں، اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تا کہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے، بے شک اللہ بڑا زور آور غالب ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ تمکین، تہذیب اور اس کے متحقق ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں ایسی امت کا وجود جو نشانیوں سے مقتنع ہے ''بالبینات'' ایک کتاب ''دستور'' جس پر امت متفق ہے اور اس پر ایمان رکھتی ہے ''و أنزلنا معهم الكتاب'' تصورات، حقوق و واجبات کی دقیق میزان، اور کتاب کی اس میزان کی ہر قسم پر دقیق تطبیق تا کہ دینی اختلافات ان کو فرقوں میں نہ بانٹ دیں ''و الميزان'' کتاب اور میزان پر قائم جامع انصاف ''ليقوم الناس بالقسط''۔

ایسی مادی، صنعتی اور فوجی طاقت جو تمام مذکورہ امور کی حفاظت کرے اور ان سب کی خدمت انجام دے ''و أنزلنا الحديد فيه بأس شديد'' سائنسی اور ٹیکنیکل قوت و طاقت جو رحمت للعالمین بن کر سب کی خدمت کرے ''و منافع للناس'' حق کا مددگار اور مظلوموں کی دادرسی کرنے والا اور کتاب میں موجود احکامات کی تنفیذ کرنے والا شرعی اقتدار ''و ليعلم الله من ينصره و رسله بالغيب'' طاقتور عقیدہ عزت و ایمان جو امت کو جمع کر دے اور ایسے اخلاق جو اللہ قادر قوی و عزیز اور آخرت پر ایمان کے ذریعہ ظلم سے باز رکھیں ''بالغيب ان الله قوى عزيز''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الله الذى أنزل الكتاب بالحق و الميزان و ما يدريك لعل الساعة قريب (شوریٰ: ۱۷) ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی اور تجھ کو کیا خبر کہ قیامت قریب ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و الأرض مددناها و ألقينا فيها رواسى و أنبتنا فيها من كل شئ موزون (حجر: ۱۹) ترجمہ: اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر پہاڑ رکھ دیئے اور ہم نے ہی اس زمین میں ہر چیز کو ایک مقدار کے ساتھ اگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و السماء رفعها و وضع الميزان أ لا تطغوا فى الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (الرحمٰن: ۷-۹) ترجمہ: اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں اور انصاف سے سیدھی ترازو تولو اور تول کو مت گھٹاؤ اور اس نے ہر چیز انداز سے اگائی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا مطالعہ جامع انداز سے کرنے اور اس کی آیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنے کا فرمایا ہے جیسا کہ اہل نفاق و اختلاف کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذين جعلوا القرآن عضين (حجر: ۹۱) ترجمہ: جو قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے تھے، جو من مرضی ہوتا اسے لے لیتے اور باقی کو ترک کر دیتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جامع ہے، اس کے بعض حصے ایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتے ہیں، اور اس کو صحیح میزان اور عمیق فہم کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے، جس طرح رؤبۃ بن العجاج نے کہا: اللہ کا دین ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا کہ یہ دین خیر و بھلائی کے تمام اصولوں کا جامع ہے تا کہ امت اس میں اختلاف نہ کرے، ارشاد ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا

تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ:۱۳) ترجمہ: تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور ہم نے آپ کی طرف اسی راستہ کی وحی کی ہے اور ہم نے اسی کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا، کہ اسی دین پر قائم رہو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصولِ دین میں اختلافات دین کو منہدم کر کے اس کے مقاصد عالیہ کو ضائع کر دیتے ہیں۔ (جامعۃ البیان للطبری، تحقیق شیخ احمد شاکر (۱۲/ ۵۱۳)، تفسیر البغوی مطبوعہ، احیاء التراث (۱۴۱/۴)، التحریر والتنویر (۵۴/۲۵)

سنتِ نبوی سے:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ قضاء وقدر میں مناظرہ کر رہے ہیں، ایک شخص کہہ رہا ہے کیا اللہ تعالی نے ایسا نہیں کہا؟ دوسرا کہہ رہا ہے کیا اللہ تعالی نے ایسا نہیں کہا؟ آپ صلعم نے فرمایا: کیا تم کو اس کا حکم دیا گیا تھا، تم سے پہلے امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں، اللہ کی کتاب کے بعض حصوں سے بعض کو ٹکرا دیا، بیشک اللہ تعالی کی کتاب اس لئے اتاری گئی ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرے نا کہ تکذیب کرے، جس بات کا حکم دیا گیا ہے غور کر کے اس کو کرو اور جس بات سے روکا گیا ہے اس سے رک جاؤ (مسند احمد (۲۶/۱۱)، شیخ شاکر نے کہا: اس کی سند صحیح ہے، طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے (۷۹/۲)، ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی میں تذکرہ کیا (۳۱۱/۳)، مشہور ہے بعض حصہ کا مسلم نے ذکر کیا ہے اور پوری حدیث مسند احمد وغیرہ میں ہے) اور انہوں نے صحت کا حکم لگایا (۱۷۱/۲۴) مجموع الفتاوی: (حدیث کی اصل صحیحین میں ہے)، حافظ ابن حجر نے مشکوٰۃ المصابیح میں اس کو حسن بتایا ہے (۱۵۹/۱) شیخ شاکر نے عمدۃ التفاسیر میں اس کو صحیح بتایا ہے (۳۵۴/۱)، البانی نے تخریج المصابیح میں اس کو حسن گردانا ہے (۲۲۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلعم نے آسمان کی طرف اپنی نظریں جمائیں پھر فرمایا: علم کی فقہ اور سمجھ لوگوں سے اٹھائی جا رہی ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے کچھ بھی سمجھ نہیں پائیں گے، زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علم کیسے اٹھایا جا سکتا ہے اللہ کی قسم ہم اس کو پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور والدین کو پڑھاتے رہیں گے، رسول اللہ صلعم نے فرمایا: اے زیاد تجھ کو تیری ماں روئے میں تم کو مدینہ کے سمجھدار لوگوں میں سے سمجھتا تھا، یہ تورات اور انجیل یہود و نصاری کے پاس ہیں ان کے کیا کام آ رہی ہیں۔ (ترمذی نے روایت کی ۲۶۵۳، البانی نے صحیح ترمذی میں اس کو صحیح بتایا ہے ۲۶۵۳، ۲۹۹۰ اور کہا: دوسری صحیح روایت جو عوف بن مالک اشجعی نے کی وہ بھی سابق مذکورہ حدیث کی طرح ہے، اس کے آخر میں یہ بھی درج ہے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں اہل کتاب کی گمراہیاں ذکر فرمائیں حالانکہ ان دونوں کے پاس اللہ کی کتابیں ہیں...) وادعی نے صحیح دلائل النبوۃ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے جس کا نمبر ۵۸۱ ہے اور کہا ہے یہ صحیح میں سے ہے (صحیح مسند میں حدیث کا نمبر ۱۰۳۴ ہے) مذکورہ بالا حدیث مضبوط اور دقیق میزان پر مبنی علم کے حصول پر دلالت کرتی ہے تا کہ قرآن وسنت کی صحیح وعمیق سمجھ حاصل ہو سکے۔

اچھے کلمات:

امام سیوطی فرماتے ہیں بہت ہی اچھے کلمات جو میں نے اس مفہوم میں پائے وہ حجۃ الاسلام امام غزالی کے ہیں: مقاصد شریعت مجتہدین کا قبلہ ہیں، کوئی بھی غور کرے گا تو ہدایت تک پہنچ جائے گا، اور فرمایا فروع میں اجتہاد کرنے والا صحیح جگہ پہنچتا ہے، مسالک کا تفاوت راجح مرجوح اور فاضل ومفضول کے قبیل سے ہے، نا کہ خطا وصواب کی قبیل سے، اجتہاد میں کسی کو غلط نہیں ٹھہرایا جائے گا جب تک نص صریح اور

اجماع کی مخالفت نہ ہواس لئے کہ اس کے ذریعہ حاکم کا حکم ٹوٹ جاتا ہے۔(التحدث بنعمۃ اللہ/ مطبوعہ،ص ۱٦٦)

یہ پیاری بات فقہ میزان پر مبنی ہے: یعنی میزان اجتہاد اور قطعی ثابت شدہ اور اجماع والے میزان دونوں میں فرق ہے، پہلا راجح مرجوح اور فاضل ومفضول پر مشتمل ہے اور یہ قطعاً نہیں کہا جاسکتا کہ یہی صواب ہے، رہا دوسرا پہلو تو وہ ثابت شدہ حق ہے اس کی مخالفت نہیں کی جاسکتی اور اس کی مخالفت گمراہی شمار ہوگی۔

امید وآرزو

یہ کتاب فقہ المیزان جو کچھ ربع صدی میں، میں نے تحریر کیا ہے اس کا نچوڑ اور خلاصہ ہے جسے میں علماء اور محققین کے روبرو پیش کر رہا ہوں تاکہ وہ اپنے ملاحظات اور نوٹس اپنی روشن فکر کے مطابق راقم کو ارسال فرمائیں تاکہ اس پروگرام اور منصوبہ کو ترقی دی جائے اور عمدہ بنایا جائے جس سے اللہ کی مدد اور توفیق کے ذریعہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلعم کا باریک فہم اور اور استنباط کرنا آسان ہو جائے، اور اس سے اختلافات ختم ہو جائیں یا کم ہو جائیں، خلل اور غلطیوں کا ازالہ ممکن ہو سکے اور فہم وتطبیق میں افراط وتفریط سے بچا جاسکے اور متشابہات کو محکم موازین کی طرف لوٹایا جاسکے، اللہ تعالی فرماتا ہے: هُوَ الَّــذِيَ اَنـزَلَ عَـلَيْكَ الْـكِتَـابَ مِـنْـهُ ايَـاتٌ مُّحكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَـابِـهَـاتٌ وَاَمَّـا الَّـذِيْـنَ فِـيُ قُـلُـوُبِـهِـمُ زَيْـغٌ فَيَتَّبِعُوُنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيلَه اِلَّا اللّٰهُ وَالـرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ امَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُو الْاَلْبَابِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّـدُنْكَ رَحْـمَةً اِنَّكَ اَنتَ الْوَهَّابُ (آل عمران:۷-۸) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اُس میں بعض آیتیں محکم ہیں (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں (جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں)، سو جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہیں وہ گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں، اور حالانکہ ان کا مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہی ہیں، اور نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو عقلمند ہیں اے ہمارے رب! جب تو ہم کو ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

مؤمن اپنے بھائی کے لئے آئینہ کے مانند ہے، میں طلب دعا کے بعد آپ سے دو باتوں کا طالب ہوں

اول: کتاب پر کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کا بہت عمیق مطالعہ فرمائیں، اور بالقصد بہت سی تکرار کو معاف فرمائیں کہ موضوع نیا ہے اس کو ثابت کرنے اور راسخ کرنے میں بار بار بہت سی باتیں دھرائی گئی ہیں۔

دوم: اپنے ملاحظات، نوٹس اور آراء میرے ذاتی ای میل پر ارسال فرمائیں، ای میل درج ذیل ہے draliq@hotmail.com
اللہ تعالی مجھے اور آپ کو جو اس کو پسند ہو اور وہ جس سے راضی ہوتا ہو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

انتساب

امت مسلمہ گروپوں اور گروہوں کے اختلاف اور خطرناک تفریق اور ٹوٹ میں مبتلا ہے اور فتوی وسیاست میں بڑا انتشار ہے، اجتماعی بے چینی، تہذیبی، تعمیری اور فطری ڈھانچے کی تباہی عام ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

ان علماء کو جو شریعت کے محافظ، امت کی تربیت ربانی انداز میں کرنے والے، تبلیغ ودعوت میں وارثین انبیاء، صالح قدوہ ونمونہ، حالت خوف وامن میں امت کی مرجعیت حاصل ہے ان کو میں یہ کتاب فقہ المیز ان ہدیہ کرتا ہوں تاکہ وہ استنباط، اجتہاد اور فتوی کے میزان کو منضبط کریں وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَه مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُه لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء:۸۳) ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا ڈر کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو وہ اس کی تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو البتہ تم شیطان کے پیچھے چل پڑتے سوائے چند لوگوں کے۔

سیاسی دانشوران، اسلامی تحریکات جو مختلف ہو کر بٹ گئی ہیں اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ ایک کو دوسرے سے ضرب دی جارہی ہے، ان میں سے بعض ظالموں اور غاصبوں کا تعاون کررہی ہیں اور فائدہ صرف دشمنوں کو پہنچ رہا ہے۔

ان سب کو میں فقہ المیز ان ہدیہ کرتا ہوں شاید کہ اللہ تعالی اس امت کو اس میزان کی طرف لوٹا دے جو سلیم اور عمیق فکر کو متحقق کرے، دقیق اور صحیح فہم، عدل وانصاف، الفت واخوت، وحدت وعزیمت اور قوت سے سرفراز فرمائے اور وہ اس گواہی کی مستحق ٹھہرے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران:۱۱۰) ترجمہ: تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اور یہاں اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعا کرنا نہیں بھولوں گا جنہوں نے مجھے (کردستان کے علاقے میں) کمیونزم کے انتشار اور شرعی معاہد اور کالج کے بند ہونے کے باوجود سرکاری اسکول سے اٹھالیا تاکہ اسلام کی خدمت علوم شرعیہ کے ذریعہ انجام دوں، اور میری والدہ جن کا اللہ کے بعد بہت بڑا احسان ہے کہ قرآن اور علوم شرعیہ حفظ کرائے، میرے چچا نجم الدین بن شیخ علی بن الشیخ عبدالکریم بن الشیخ عبدالرحمٰن قرہ داغی جن کو بنیادی علوم کے حفظ کی بہت فکر رہتی تھی، اور میرے ماموں مصطفیٰ بن الشیخ محمد النجیب بن الشیخ عبداللطیف بن الشیخ الحسن قرہ داغی جنہوں نے میرے سامنے استنباط وترجیح کے جہاں کھول دیئے، اور تمام مشائخ جن کی میں نے شاگردی اختیار کی اور میرا خاندان جس نے میرے لئے بہت مصائب اور تکلیفیں جھیلیں اور علمی کاموں کو پورا کرنے میں مدد کی، سب کو اللہ تعالی جزائے جزیل عطا فرمائے اور خاص طور پر میرے آفس کے لوگ جو اس کتاب کی طباعت کے مراحل میں راتوں کو جاگے۔

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على المبعوث رحمة للعالمين محمد الهادى الأمين و صحابته الغرّ الميامين و من تبعهم باحسان الى يوم الدين و بعد.

قرآن کریم میں وارد ''میزان'' (ترازو) کے معنی ومطلب سمجھنے نے مجھے چوتھائی صدی تک مشغول ومصروف رکھا، ایک رات میں سورۃ ''حدید'' کی تلاوت کررہا تھا تو ایک آیت کریمہ کی تلاوت کے وقت ذہن میں پیدا شدہ ایک سوال نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھدیا، یہی کیفیت سورہ شوریٰ کی آیت ۱۷ کی تلاوت کے وقت پیدا ہوئی۔

لقد أرسلنا رسلنا بالبينٰتِ و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید:۲۵) ترجمہ: ہم نے بھیجے اپنے رسول نشانیاں دیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔(۱) میزان ''ترازو'' سے مراد شریعت ہے جو تمام اعمال قلبیہ وجسمیہ کے حسن وقبح کو جانچ کر تول کر بتلاتی ہے)

الله الذى أنزل الكتاب بالحق و الميزان و ما يدريك لعل الساعة قريب (شوریٰ:۱۷) ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی، اور تجھ کو کیا خبر ہے کہ وہ گھڑی پاس ہو۔

ان آیات کریمہ کی تلاوت کے بعد دل ودماغ میں یہ سوال پیدا ہوا جس سے جسم میں ایک جھرجھری وکپکپی پیدا ہوگئی کہ یہ دونوں آیتیں صراحت ووضاحت سے بتلا رہی ہیں کہ انصاف کا حصول کتاب اور میزان سے ہوگا، کتاب تو قرآن مجید اور انبیاء پر نازل کردہ کتابیں ہیں، لیکن کتاب کے ساتھ مذکور یہ میزان کیا ہے؟ جس پر احکام قلبیہ، جسمیہ اور فکر وفہم میں عدل وانصاف کی تحقیق کا انحصار ومدار ہے۔ میں نے کتب تفسیر کا مطالعہ کیا، لیکن مکمل طور پر میری تشفی نہیں ہوسکی لیکن بعض خوش کن روشن پہلو ضرور نمایاں ہوئے، تفسیر ابن کثیر میں مجاہد قتادہ اور دوسرے علماء کے حوالہ سے میزان کے معنی عدل بیان کئے گئے ہیں یہی معنی طبری، بغوی اور دوسرے مفسرین نے بیان کئے ہیں، یہ وہ معنی ہیں جسے عقول سلیمہ تسلیم کرتی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے أ فمن كان على بينة من ربه و يتلوه شاهد منه (سورہ ھود:۱۷) ترجمہ: بھلا ایک شخص جو اپنے رب کے صاف رستہ پر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے فطرة الله التى فطر الناس عليها (سورہ روم:۳۰) ترجمہ: اللہ کی پیدا کردہ فطرت وساخت جس پر لوگوں کو تراشا۔

میزان کے معنی عدل کے لینے میں بُعد لازم آتا ہے، کیونکہ میزان کا مقصد عدل کی تحقیق ہے، تو بذریعہ عدل اس کی تفسیر کیسے کی جاسکتی ہے، یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی کہے العدل هو العدل یعنی عدل وہی ہے جو عدل ہے۔

مزید تحقیق وتفتیش کے لئے میں نے علم ومعرفت کے خزانہ قرآن کریم، سیرت نبوی، سیرت کے اہم واقعات اور خلفاء راشدین کی آراء کا گہرا مطالعہ کیا، تو ان سب کو باہم مکمل طور سے متحد اور مطابق واقع پایا، لیکن جب میں نے اسلامی تحریکوں، مسلم جماعتوں، مختلف مدارس فکر سے تعلق رکھنے والے طلبہ واساتذہ کی آراء وافکار کو دیکھا تو ان کے درمیان شدید اختلاف پایا، باہمی منافرت واختلاف اتنا بڑھتے دیکھا کہ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دیئے جارہے ہیں، اور استدلال ہر ایک قرآن وحدیث سے کررہا ہے، لیکن یہ استدلال اتحاد کے بجائے اختلاف اور ملاپ کے بجائے جدائی اور ہدایت کے بجائے گمراہی کی طرف لیجاتا ہے، جو جائز وشرعی ہونے کے بجائے معاملات دینیہ میں گمراہ کرنے والا ہے۔

وہ فقہی اختلاف جائز وشرعی ہوتا ہے جو علم وفہم کے بعد ہو، کسی فقہی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے ہو جس کے ذریعہ ایک کے بجائے مختلف ومتعدد حل سامنے آسکیں جس سے شریعت اسلامیہ کی وسعت، عظمت نرمی اور لچک کا اظہار ہو۔

لیکن (مسلمانوں کے درمیان) آج کا اختلاف مشروعیت وجواز کے دائرے سے باہر ہے، جس کے نتیجے میں اہانت وذلت، دشمنوں سے قربت ورفاقت اپنوں سے دوری ونفرت، مخالف اسلام طاقتوں کے ساتھ مل کر موافق شریعت زندگی گزارنے والوں، اسلامی شریعت کی تطبیق کا مطالبہ کرنے والوں کو نقصان پہنچانے یہاں تک کہ قتل وتباہ وبرباد کرنے تک پہونچانے والا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اصل خرابی وخلل کہاں ہے؟ امور شرعیہ ومسائل دینیہ میں باہمی اختلاف کی یہ شدت دوسروں پر کوئی حکم لگانے میں سختی و قوت کا اہم وبنیادی سبب کسی ایسے پیمانہ کا نہ ہونا ہے جس کے ذریعہ کسی بھی شرعی مقصد پر کسی کو حَکم یا ثالث بنایا جائے۔

مذہبی معاملات کو عادات وسیاسیات، جذبات واحساسات کے ساتھ خلط ملط کرنے کو ہم نے ''فقه الميزان '' کا نام دیا ہے، اجتہاد کی صحت کے لئے سابقہ زمانہ میں اصول فقہ کے مبادی، فقہ اسلامی کے قواعد اور شریعت اسلامیہ کے مقاصد کو صحت وعدم صحت کا معیار بنایا جاتا تھا، علماء وفقہاء نے ان کی طرف خصوصی توجہ دی اور ان کا خاص اہتمام رکھا اور اجتہاد کی صحت کے لئے انہیں شرط مانا تھا، لیکن آج ہر شخص مجتہد اور مفتی بنا ہوا ہے جبکہ اسے اصول فقہ، قواعد فقہ، مقاصد شریعت اور فتاوی کے احکام کا کوئی علم اور ان کے نتائج سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔

بیسویں صدی کے اوائل سے کتاب وسنت کی طرف لوٹنے کی ایک تیز وتند لہر چلی، کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت عام ہوئی، یہ ایک خوش کن بات تھی، لیکن اس میں ایک خرابی اور ایک خلل یہ رہا کہ فقہاء، اہل اصول، مفسرین ومحدثین وشراحِ حدیث کی کاوشوں، کوششوں اور خدمات کو پس پشت ڈال دیا گیا، بلکہ اس سے بڑھ کر ان میں سے بعض کو بدعت وگمراہی گردانا گیا، بعض اہم اسلامی کتابوں کو جیسے علامہ ابن حجر کی فتح الباری، امام نووی کی شرح مسلم شریف کو اس الزام کے تحت جلایا گیا کہ ان شروح کا تعلق اشاعرہ سے تھا۔

اس غلط طریقہ نے بعض حضرات کو گمراہ کرتے ہوئے اس راستہ پر گامزن کر دیا کہ وہ قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہوئے آیات واحادیث پر اعتماد کریں اور ان کے درمیان مطابقت واجماع سے گریز کریں، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے جعلوا القرآن عضين (الحجر:۹۱)۔

پھر یہ غلط طریقہ کار دین کو نقصان پہونچانے کے لئے استعمال کیا جانے لگا اور اسے مخالفین کی تکفیر، ان کا قتل اور امن کی صورتحال کو دھماکہ خیز بنایا جانے لگا، اگر میری یہ بات درست نہ ہو تو پھر آپ ''جھیمان عتیبی''، جس نے سعودی عرب میں محتسب سلفی جماعت بنائی تھی اور جس کی تائید بڑے علماء نے بھی کی تھی، اس جماعت کے افراد نے ہزاروں حجاج اور عمرہ کرنے والوں کو حرم شریف میں قتل کیا اور سعودی فرمانروا اور ان کے رفقاء وساتھیوں کو کافر قرار دیکر ان کے قتل کا منصوبہ بنایا اور ۱/۱/۱۴۰۰ھ میں یہ کارنامہ انجام دیکر اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا۔

اسی طرح کے گناہ وجرم القاعدہ، بوکوحرام اور خاص طور سے داعش نے عراق، شام، یمن اور لیبیا میں انجام دیئے جس سے اہل اسلام اور خاص طور سے اہل سنت کی گردنیں شرم سے جھک گئیں اور عدل وانصاف، رحمت شفقت پر قائم اسلام کی تصویر بگڑ گئی۔

یہ تمام فرقے وجماعتیں جھوٹ فریب، جہالت اور بہتان تراشی کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس صورتحال سے ڈراتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگوں کے درمیان سے علمِ حقیقی اٹھ جائیگا، قرآن کریم کے ہوتے ہوئے مسلمان اسی طرح گمراہ ہونگے جیسے کہ یہود ونصاری تورات وانجیل کے ہوتے ہوئے گمراہ ہوئے۔(۱) (ہم نے اس سے متعلق حضرت ابودرداء کی حدیث

ذکر کی ہے)

اس خطرناک غلط طریقہ کا علاج قرآن کریم اور سلف صالح کے بیان کردہ ان کے سمجھے ہوئے راستہ سے رہبری کے بغیر کبھی متحقق نہیں ہوسکتا، یہی فقہ المیز ان ہے جیسا کہ میں واضح کروں گا کہ میرے نقطہ نظر اور میری تحقیق کے نتیجہ میں فقہ المیز ان صحیح و گہری نظر سے شریعت کو سمجھنے کا اہم معیار ہوگا، اسی طرح باہمی اختلافات کو ختم کرنے، یا کم کرنے، نصوص شرعیہ کو سمجھنے اور بہتر طریقہ سے، مکمل استیعاب کے ساتھ سمجھنے کا ذریعہ ہوگا۔

مجھے یقین کامل ہے کہ انبیاء کرام کے ذریعہ اللہ تعالی نے سابقہ امتوں کو اور آخری رسالت کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کے ایمان وعمل سے متعلق ان تمام چیزوں کو بیان فرمادیا ہے جس کی امت محتاج ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے لئلا یکون للناس علی اللہ حجة بعد الرسل و کان اللہ عزیزا حکیما (نساء:۱۶۵) ترجمہ: تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ تعالی پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا

اور ارشاد باری تعالی ہے و نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئ و ھدی و رحمة و بشری للمسلمین (النمل:۸۹) ترجمہ: اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت اور خوش خبری حکم ماننے والوں کے لئے

اللہ تعالی نے اپنی آخری رسالت اور روشن وتابناک حق کو واضح کرنے اور سابقہ امتوں کے درمیان واقع اختلاف کو بیان کرنے اور اس امت مسلمہ کی رفعت وبلندی ظاہر کرنے کے لئے جسے خیر امت بنا کر بھیجا گیا کنتم خیر امة اخرجت للناس (آل عمران:۱۱۰) تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں لوگوں کے لئے اور حق وباطل کے بیان کے لئے لوگوں پر گواہ بنایا۔

ارشاد باری تعالی ہے یرید اللہ لیبین لکم و یھدیکم سنن الذین من قبلکم و یتوب علیکم و اللہ علیم حکیم (نساء:۲۶) ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ ہی سننے والا ہے حکمت والا

اللہ تعالی نے نزول قرآن کی حکمت بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا لیبین لھم الذی یختلفون فیه (النحل:۳۹) ترجمہ: تاکہ ظاہر کرے ان پر اس بات میں کہ جھگڑتے ہیں۔

اسی طرح ارشاد گرامی ہے و ما أنزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیه و ھدی و رحمة لقوم یؤمنون (النحل:۶۴) ترجمہ: اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنائیے تو ان کو وہ چیز کہ جس میں جھگڑ رہے ہیں اور سیدھی راہ سمجھانے کو اور ایمان لانے والوں کی بخشش کے واسطے

یہ اور ان جیسے دوسرے قرآنی نصوص یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس دین کی حقیقت وماہیت، اس کا منہج وطریقہ اور سیدھی راہ بتلادی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو ایک روشن، واضح راہِ راست پر چھوڑا جس کی رات دن کی طرح ہے، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے قرآن کریم نے اس توازن وتقابل کو ملحوظ نہ رکھا ہو جو اصول وثوابت میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو ختم اور جزئیات وفروع میں اختلاف کو کم کرے۔

اللہ تعالی نے تمام مذاہب کے بعد اسلام کو بھیجا، تاکہ ایک بہترین امت لوگوں کے لئے ایجاد کی جائے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس (آل عمران:۱۱۰) ترجمہ: تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں لوگوں کے لئے، جو اپنے اخلاق و

صفات میں نفع بخش، زیادہ بہتر اور رفاہی ہو، حسب ونسب کی وجہ سے بہتر ہو، جو مکمل خیر اور فائدہ پہونچانے والی ہو، جو رحمت، شفا اور تمام عالم کی رہبری کرنے والی ہو، جو سختی وترشی، عدوان وسرکشی سے دور ہو، اللہ تعالی نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ دین کو قائم کریں اور اس میں تفرقہ نہ کریں، ارشاد فرمایا ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئ (انعام:۱۵۹) ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔

قرآن کریم میں ان اقوام کے بیشمار واقعات بھی ہیں جنہوں نے علم ومعرفت اور دلائل وبراہین کے آنے کے بعد باہم اختلاف کیا، ارشاد باری تعالی ہے و ما تفرق الذین أوتوا الکتاب الا من بعد ما جاء تھم البینۃ (البینۃ:۴) ترجمہ: اور جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سو جبکہ آئیں ان کے پاس کھلی بات۔

اسی لئے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ خود اس مذہب کے پیروکاروں میں یہ تمام اختلافات پیدا ہوں اور باہم جنگ وجدال کرنے والے، فرقے جماعتیں ملّتیں اور مسالک وجود میں آئیں، اس پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ سب اپنے اعتقادات میں قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں!! اس لئے یہ ڈر پیدا ہوتا ہے کہ یہ توازن وتقابل جسے اللہ تعالی نے حق وحقیقت کی دریافت کے لئے شریعت میں رکھا ہے وہ ختم نہ ہو جائے، میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ آج مسلمانوں، ان کے مسالک ومذاہب اور اسلامی جماعتوں کے درمیان جو شدید اختلاف ہے اس کے اسباب تلاش کروں، یہ اختلاف اہل سنت والجماعت کے درمیان بھی پایا جاتا ہے جبکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ تمام اہل ایمان کے درمیان جو قرآن کریم اور اس کی شارح سنت نبوی پر ایمان رکھتے ہیں اصول ومبادی میں کوئی اختلاف نہ ہو، اور شریعت کے فروعی مسائل میں بھی ایسا اختلاف نہ ہو جو انہیں منتشر وپراگندہ کردے، اور ان کی قوت، شوکت وہیبت جاتی رہے، ورنہ پھر فقہ، علم اور میزان (تقابل وتوازن) کا کیا فائدہ اگر کتاب وسنت کو جو فیصلہ کرنے والا، پناہ گاہ ہے اس کو مرجع نہ بنایا جائے۔

میں نے چوتھائی صدی تک اپنی تحقیق ورسرچ پر خاص توجہ دی، اور اس کی طباعت میں عجلت نہ کرتے ہوئے کئی علمی سمیناروں میں اسے پیش کیا، ۲۹/جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو قطر یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے علمی سمینار میں یہ مقالہ پیش کیا گیا، جس میں مفکرین وفقہاء بڑی تعداد میں موجود تھے، میرے مقالہ کو بنظر تحسین وتائید دیکھا گیا، علامہ یوسف القرضاوی نے فرمایا کہ ''یہ مقالہ فیصلہ کن قواعد، قانون سازی اور احکام کلیہ پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ فقہ کے ہر باب میں تقابل کیا جاسکتا ہے''۔ اسی طرح موسم گرما میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے مرکز اسلامی کے تحت منعقد سمیناروں میں مقالہ پڑھا گیا جس میں بڑی تعداد میں مفکرین واسکالر موجود تھے۔

۷/اگست ۲۰۰۳ء کو عراق کے شہر موصل کے سمینار میں یہ مقالہ پڑھا، جس میں بڑی تعداد میں علماء نے شرکت کی جن میں موصل کے رابطۃ العلماء کے صدر بھی موجود تھے، اس طرح مفکرین وادباء نے بھی شرکت کی جن میں ڈاکٹر عماد الدین خلیل تھے انہوں نے صرف لفظی تائید ہی نہیں کی بلکہ ایک مفصل خط بھی ارسال کیا جس میں تحریر کیا کہ میں آپ کو رابطہ علماء کے اجلاس میں پیش کردہ مقالہ پر مبارکباد پیش کرتا ہوں جو اپنے اسلوب، طرز نگارش اور مواد ومعلومات کے اعتبار سے منفرد تھا، اور آخری لمحات تک حاضرین کی توجہ کا مرکز بنا رہا، عام مقالات سے ہٹ کر آپ نے ایک جدید چیز پیش کی، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ اللہ تعالی آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے کہ آپ اپنی مجاہدانہ کوششوں میں مزید پیش رفت فرمائیں اور اختراع وایجاد کے کمال دکھائیں۔

انہوں نے دوسرے خط میں تحریر کیا کہ علمی سمیناروں میں پیش کردہ مقالات میں سے دو مقالات نے خاص طور سے مجھے اپنا فریفتہ و

گرویدہ بنایا، ان میں ایک دلکش مقالہ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی کا تھا جو انہوں نے آج سے چوتھائی صدی قبل بغداد یونیورسٹی میں تفسیر بیانی سے متعلق پیش کیا تھا، دوسرا مقالہ جو میری توجہ کا مرکز بنا اور مجھے ایک نئے راستے سے روشناس کرایا اور جس میں مجھے وہ کلی قواعد ملے جو گہری فکر کے حامل اور احکامات شرعیہ کے گہرے علم کی سمجھ میں مددگار ہوئے وہ آپ کا مقالہ تھا۔

میں نے طلبہ اور اسکالرس کے لئے بھی متعدد تربیتی اجلاس منعقد کئے، ان میں سے ایک اجلاس ۱۱ و ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق یکم و ۲ مئی ۲۰۰۴ء کو کویت میں دور المیز ان کے موضوع پر دو دن کے لئے منعقد ہوا جس میں ۶۵ اشخاص نے شرکت کی، اس اجلاس میں نصف یوم تطبیق کے لئے خاص کیا گیا تھا، تمام شرکاء مسرت وشادمانی کے ساتھ واپس ہوئے، اس اجلاس کی مناسبت سے استاذ مصعب الرویشد نے ایک قصیدہ کہا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔ ترجمہ:

(۱) مجھے تمہارے پاس بیٹھ کر اور تمہاری نفع بخش باتیں سن کر خود اپنے آپ سے حسد پیدا ہونے لگا۔

(۲) میں نے اللہ تعالی سے دعاء کی کہ جنت عدن کی وسیع مجلس میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔

(۳) یہ دعاء ہے تمہاری طرح ایک شخص تم سے محبت کرنے والے کی دعاء قبول ہو، میری دعاؤں کی مدد میرے آنسوؤں نے کی۔

ان سابقہ سالوں میں میرا تعلق اپنے اس موضوع سے قائم رہا اور میں نے واقعی صورتحال اور دوسروں کے ملاحظات سے خاص استفادہ کیا۔

فقہ المیز ان سے متعلق اس کتاب میں ہم نے اپنی تفکیر اختصار سے پیش کی، مقاصد واغراض کا ذکر کیا، اور میزان واوزان کو ترتیب سے بیان کیا۔

کتاب کے باب اول میں فقہ المیز ان کی تعریف، مشروعیت کے دلائل، دوسرے علوم میں اس کا مقام ومرتبہ، اس میں جدت کے پہلو، سلف صالحین کے زمانہ میں اس کے وجود کی تحقیق، نصوص شرعیہ کے سمجھنے میں اسکی اہمیت وافادیت، مجتہد اور مفتی کے لئے اس کی ضرورت و حاجت، اس کا اہتمام ونگہداشت اور اس میں خرابی وبگاڑ کے آثار، مبادی علم، تقابل وتوازن، ومقاصد وضوابط اور علمی حقائق سے اس کا تعلق وربط وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں فقہ المیز ان کا واقعی وحقیقی صورتحال سے موازنہ کرتے ہوئے اس کے تطبیقی پہلو کو علمی وعملی ترازو سے تولا گیا ہے، معاملات، افعال وحرکات اور نظریات سے اس کا تقابل اور عبادات، عادات، عالم الغیب وعالم المشاہدہ سے اس کا موازنہ کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں چار عملی تطبیقات کے ذریعہ قرآنی نصوص میں موجود جنگ وامن میں توازن کے موضوع کی عملی تشکیل کی گئی ہے۔

پہلی تطبیق سورہ توبہ (البراءۃ) کے نص قرآنی سے متعلق ہے۔

دوسری تطبیق ان آیات قرآنی پر ہے جن میں جنگ وقتال کا ذکر آیا ہے، ان کو جنگی ترازو سے تولا گیا ہے۔

تیسری تطبیق کا موضوع وہ نصوص قرآنیہ ہیں جن میں لفظ جہاد آیا ہے۔

چوتھی تطبیق میں ان آیات قرآنیہ کو پیش کیا گیا ہے جن میں شدّت سختی اور سنگدلی نظر آتی ہے۔

جہاں تک فقہ المیز ان کو سیاست شرعیہ سے جوڑنے ملانے اور اس موضوع پر تفصیلی بات کرنے کا تعلق ہے تو میں انشاء اللہ اسے ایک الگ مضمون میں بیان کروں گا، اس مضمون کا نام ''فقه الميزان في السياسة الشرعية'' ہوگا۔

اس کتاب کا نام میں نے ''فقه الميزان معياراً لفهم القرآن و السنة و رفعاً لمواطن الخلل و الفتنة '' ترجمہ: اس ترازو کا علم و

معرفت جو قرآن اور سنت کی سمجھ کا معیار اور تفرقہ وفساد کے مواقع کو ختم کرنے والا ہو۔

اسی سے میں نے یہ نیک فال لی ہے کہ اللہ تعالی اس کے ذریعہ امت کو متحد کرے اور بلندی وترقی سے ہمکنار کرے، تاکہ یہ امت علمی و عملی، نظریاتی ومعاملاتی ہر اعتبار سے خیر امت بنے، اخلاق وسلوک میں نمونہ ومثال بن کر عالم کے لئے رحمت بنے۔

میں اللہ تعالی سے دعاء کرتا ہوں کہ میرے اس کام کو اخلاص کا لباس پہنا دے، اور اسے اپنی جناب میں قبولیت کا درجہ عطا فرماتے ہوئے مزین فرمادے، اور ہمیں قول، فعل اور عقیدہ میں غلطی اور لغزش سے محفوظ فرما، اللہ تعالی میرے لئے کافی ہے، کارساز ہے، میرا آقا ہے جو بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ المیزان سے متعلق مختصر رائے

اللہ سبحانہ وتعالی نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے قرآن کے ساتھ میزان (ترازو) بھی اتاری، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید:۲۵) اور اتاری ان کے (رسولوں کے ساتھ) کتاب اور ترازو، تاکہ لوگ انصاف پر سیدھے رہیں۔

اللہ تعالی نے بہ تاکید یہ بتلا دیا ہے کہ یہ عالم میزان پر قائم ہے، اور یہاں کی ہر چیز موزون ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں کے ساتھ دنیا و آخرت میں عدل وانصاف کے موازین (پیمانوں) سے معاملہ کریں گے، شریعت کو سمجھنے کے لئے اس میزان کو بھی سمجھنا ضروری ہے جسے اللہ تعالی نے عدل وانصاف کی تحقیق کے لئے شرط قرار دیا ہے، اس لئے فقہ المیزان مختلف پہلوؤں سے ہماری توجہ کا مستحق ہے۔

اولاً: موضوع سے متعلق ہر خاص میزان کے بارے میں ہمیں یہ علم ہونا ضروری ہے کہ اس حکم شرعی یا نص شرعی کا تعلق کس باب سے ہے تاکہ اس کے مطابق معاملہ کیا جاسکے، کیونکہ عبادات، عادات اور معاملات میں نصوص شرعیہ کو تولنے کے پیمانے مختلف ہیں، عالم غیب یا عالم شہود و حضور، جنگ وجدال یا امن وامان، دعوت وارشاد ہر ایک کو تولنے کی میزان ایک دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے ناپنے تولنے کا کوئی ایسا پختہ معیار ہونا چاہئے تاکہ لبس وانحراف اور خلط ملط نہ ہو، کیونکہ موازین میں خلط کی وجہ سے کوئی حکم لگانے یا نتیجہ نکالنے میں غلطی کا امکان ہے۔

مثلاً ایک لاکھ روپیہ پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ کی ادائیگی بظاہر ایسا نقصان ہے جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے، اس کے بالمقابل سودی لین دین میں ۵% پانچ پرسینٹ فائدہ، ایک ایسی زیادتی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص کرسکتا ہے، لیکن اللہ تعالی زکوٰۃ میں اس مالی نقصان کو زیادتی سے اور سود میں زیادتی کو نقصان سے تعبیر فرماتے ہیں، ارشاد گرامی ہے و ما آتيتم من ربا ليربوا في أموال الناس فلا يربو عند الله و آتيتم من زكوٰة تريدون وجه الله فأولئك هم المضعفون (الروم:۳۹) ترجمہ: اور جو دیتے ہو سود پر کہ بڑھتا ہے کہ بڑھتا ہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو تم زکوٰۃ میں مال دیتے ہو، جس سے اللہ کی رضامندی چاہتے ہو یہ وہی ہیں جن کے اجر دونے ہوئے۔

سورۃ بقرہ کی آیت میں ارشاد ہے يمحق الله الربا و يربي الصدقات و الله لا يحب كل كفار أثيم (بقرہ:۲۷۵) ترجمہ: اللہ تعالی سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

ہمارے لئے اس وقت تک ان جیسی آیات قرآنی کو سمجھنا ممکن نہیں جبتک کہ ہم الگ الگ میزان (ترازو) کے وجود کو تسلیم نہ کریں۔

(۱) ایک معنوی دینی الٰہی ترازو جو زکوٰۃ کا وزن کرکے بتلاتی ہے کہ اپنے اجر وثواب، رحمت وبرکت کے اعتبار سے اللہ تعالی کے نزدیک اس میں زیادتی و بڑھوتری ہوتی رہتی ہے، جبکہ سودی لین دین میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔

(۲) دلائل وبراہین اور موضوعات واحکام میں قوت وضعف کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، جس کی جانکاری بھی ضروری ہے، اس کا نام ہم نے ''معرفة الأوزان'' رکھا ہے۔

(۳) موضوع سے متعلق تمام شرعی دلائل جمع کرکے ان کے درمیان موازنہ کرکے، اور ترازو کے دونوں پلّوں پر تول کر ان پر کوئی حکم لگایا جائے، اس کا نام ہم نے دلائل واحکام کے درمیان موازنہ کرنے والا علم رکھا ہے (فقه الموازنات بين الأدلة و الأحكام)

فقہ الموازنات میں داخل نظریہ الشفع بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہیکہ اللہ تعالی کے علاوہ کائنات کی ہر چیز زوج و جفت ہے، اللہ سبحانہ و تعالی طاق ہیں وتر ہیں، واحد اور احد ہیں، ارشاد ہے: الشفع و الوتر (الفجر:۳) قسم ہے جفت وطاق کی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت اپنے مزاج، ایجاد، پیدائش اور فطری خصائل میں جفت وزوج ہے، اللہ تعالی نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ و جانشین بنایا تا کہ وہ اس کائنات کے ہر ذرّہ کو مسخر وقابو کرے، اللہ تعالی کا یہ قانون انسان اور کائنات کے ساتھ اس کی زوج وشفع فطرت کے ساتھ منسجم ہے۔

(۴) اس کائنات میں جہاں ہر چیز کا ایک وزن ہے، احکام شرعیہ کے فیصلہ کے لئے انتہائی دقت و باریکی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، تا کہ مناسب حل نکل سکے اور درست فیصلہ تک پہنچا جا سکے، جیسا کہ اللہ تعالی کی مخلوقات میں انتہائی دقیق و باریک توازن ہے ارشاد باری تعالی ہے و أنبتنا فيها من كل شئ موزون (الحجر:۱۹) ترجمہ: اور اگائی (زمین میں) ہر چیز اندازہ سے۔

مخلوقات کی طرح اللہ کے بنائے ہوئے قانون وشریعت میں بھی تمام انسانیت کے لئے پوری وضاحت اور بلا کسی اشتباہ والتباس کے ایک مناسب توازن ہے۔

سابقہ پیش کردہ مثالوں سے ہم نے جو نتائج اخذ کئے ان میں پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر چیز کو تولنے اور وزن کرنے کی ایک خاص ترازو ہے، دوسرا یہ کہ ہر چیز کا ایک وزن ہے، اور وزن کا درجہ دین، نفس، عقل اور نسل کے بعد ہے، تیسرے ہم نے اس موضوع سے متعلق آیات واحادیث کو ذکر کیا پھر ہم نے ضوابط وقواعد کا لحاظ رکھنے والوں کی دلائل سے تعریف وتوصیف کی اور ضوابط کو ملحوظ نہ رکھنے والوں کی دلائل سے مذمت کی، اس طرح ہم مناسب شکل وخیال اور علم ومعرفت تک پہونچنے لگے، چوتھے ہم نے یہ بتلایا کہ مناسب نتیجہ تک پہونچنے کے لئے اس تسلسل کا لحاظ وخیال ضروری ہے، اگر موزونیت اور رائے میں پختگی حاصل نہ ہو تو فقیہ کو دلائل پر دوبارہ غور کرنا ان میں تسلسل کو ملحوظ رکھنا چاہئے تا کہ سابقہ تینوں حلقات میں واقع حسن دریافت ہو سکے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے سورہ رحمٰن کی ۵ تا ۹ آیات میں اشارتاً ان چاروں انواع کا ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: و السماء رفعها و وضع الميزان ألا تطغوا فى الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (رحمٰن:۵ تا ۹) ترجمہ: آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو (یعنی وہ آلہ وسیلہ رکھا جس سے تولا اور وزن کیا جا سکے) ترازو میں زیادتی نہ کرو (وزن واوزان میں زیادتی سے منع کیا گیا) انصاف سے سیدھی ترازو تولو، اور تول کو مت گھٹاؤ (یعنی تول میں کمی بیشی نہ کرو)۔

وضع میزان کی غرض وغایت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو اور نہ دیتے وقت کم۔

اللہ تعالی نے ان تین اقسام کا ذکر میزان کے تحت فرمایا ہے، پہلی قسم میں میزان اسم آلہ ہے، دوسری میں مصدر ہے یعنی تولنا، اور تیسری قسم میں وزن کی جانے والی چیز کے معنی میں ہے اور چوتھے توازن ہے، وہ نتیجہ ہے جس کے ذریعہ یہ تینوں اقسام متحقق ہوتی ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے و الأرض مددناها و ألقينا فيها رواسى و أنبتنا فيها من كل شئ موزون (حجر:۱۹) ترجمہ: اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھدیئے اس پر بوجھ، اور اگائی اس میں ہر چیز اندازہ سے۔

خلاصۂ کلام:

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے قیامت کے دن عدالت مطلقہ کو ''جمع کثرۃ'' یعنی مختلف ترازوؤں سے تعبیر کیا ہے، اللہ تعالی مؤمن ہونے کے لحاظ سے ہر مؤمن کا حساب اس کی مخصوص ترازو سے، اور کافر، ظالم اور سرکش کا حساب اس کے کفر وظلم اور دین کی دعوت پہونچنے کے بعد سرکشی و

نافرمانی کرنے کا حساب اس کی خاص ترازو سے کرے گا، اور وہ کافر جسے دعوت نہ پہونچی ہوگی اس کا حساب الگ ترازو سے ہوگا، لفظ میزان جمع کے بجائے اگر مفرد آئے گا تو اس سے جنسِ میزان مراد ہوگی، جس کا اطلاق جمع ومفرد دونوں پر ہوگا، ہر حکم شرعی کا ایک خاص وزن ہوگا، جیسا کہ ہر مکلّف کے فعل کا وزن ہوگا، بلکہ ہر شخص کا، ہر زمانہ کا، ہر جگہ کا الگ وزن ہوگا، قُدوہ ونمونہ علماء ربانیین کی برائیوں کا وزن، عوام الناس کی سیئات سے زیادہ ہوگا، مثلاً ماہ رمضان میں عبادت یا حرم شریف میں عبادت کا وزن، ان دونوں کے علاوہ دوسری جگہ یا دوسرے زمانے میں عبادت سے بڑھ کر ہوگا۔

اگر ہر چیز کو اس کا خاص وزن نہیں دیا جائے گا تو ترازو کا نظام گڑبڑا جائے گا، جس کے نتیجہ میں حکم اور نتیجہ میں بھی خلل واقع ہوگا، عقیدہ کو تولنے والی ترازو، دوسرے احکام شرعیہ کو تولنے والی ترازو سے مختلف ہوگی، اسی طرح غیب کو تولنے والی ترازو مشاہدہ کو تولنے والی ترازو سے، عبادات کو تولنے والی ترازو عادات کو تولنے والی ترازو سے، جہاد کا وزن کرنے والی ترازو دعوت وتبلیغ کا وزن کرنے والی ترازو سے، اسی طرح ہر اسلامی عمل کو تولنے والی ترازو مختلف ہوگی۔

غیر مادی اشیاء کے وزن کرنے اور تولنے میں یہ اختلاف اسی طرح ہوگا جس طرح مادی اشیاء کے تولنے کے پیمانے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً ریاضیات کو تولنے کا پیمانہ، علم طبقات الارض کے پیمانہ سے، اور بجلی تولنے کا پیمانہ پانی تولنے والے پیمانے سے الگ و مختلف ہوتا ہے۔

اگر ہم دوسرے پہلو سے دیکھیں تو کلیات کا وزن کرنے کا پیمانہ جزئیات کے پیمانہ سے، مقاصد کا وزن کرنے والا پیمانہ وسائل کے وزن کرنے والے پیمانہ سے الگ ہوگا، زنا کا وزن صرف دیکھنے اور خلوت کے وزن سے جدا ہوگا، اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنے کا وزن دوسرے کبائر سے، کبائر کا وزن دوسرے محرمات سے، نصوص شرعیہ سے ثابت کبائر کا وزن مکروہات سے، اور فرض کا وزن واجب سے اور واجب کا وزن مستحب کے وزن سے مختلف ہوگا۔

میزان (ترازو وآلہ) کا علم موازنات (تقابل وتوازن) اور اولیات کے علم سے الگ ہے، جبکہ دونوں کے درمیان مضبوط وپختہ روابط و تعلقات ہیں (جیسا کہ آگے آئیگا)، اسلام میں میزان کی معرفت، دین کے دروازے چوپٹ کھول دیتی ہے، ورنہ میری تحقیق ورسرچ کی روشنی میں بلا اس معرفت کے سب خلط ملط اور مضطرب رہے گا۔

موازین اور اوزان کی تحقیق:

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علم فقہ، عدل وانصاف پر قائم مختلف موازین پر مشتمل ہے، جیسا کہ قرآن میں اس کو سات مرتبہ جمع کے صیغے کے ساتھ (موازین) اور نو مرتبہ اسم جنس مفرد (میزان) کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق مفرد وغیر مفرد دونوں پر ہوتا ہے، ہماری تحقیق کی مناط واصل سورہ الحدید کی آیت کریمہ (أنزلنا معهم الكتاب و الميزان) بھی انہی میں سے ہے۔

اسی طرح اوزان بھی متعدد ہیں، لیکن مصدر میں اصل یہ ہے کہ اسے مفرد لایا جاتا ہے، جمع نہیں لایا جاتا، کیونکہ وزن کی جنس اس میں داخل وشامل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تمام آیات میں جہاں لفظ وزن وارد ہوا ہے معرفہ ونکرہ دونوں صورتوں میں مفرد ہی استعمال ہوا ہے۔

اس کتاب کے اغراض ومقاصد

اس کتاب کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالی کے عطا کردہ علم ومعرفت جہد ومحنت کی طاقت، سمجھ بوجھ کی صلاحیت اور تربیت وتزکیہ ونصیحت کے ذریعہ، اللہ تعالی کی کتاب اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اس طرح کرنا ہے کہ امت کے لئے خیر وبھلائی کا تحقق اور امت میں اتحاد و

اتفاق پیدا ہو سکے۔

قرآن وسنت کے ذریعہ اسلام کا پیغام، حق کے بیان اور سابقہ امتوں کے زمانے سے چلے آرہے عقائد وثوابت میں اختلاف ختم کرنے کے لئے آیا ہے اور اسلامی شریعت وقانون عقائد وثوابت میں اختلاف ختم کرنے کے لئے آیا ہے، اور یہ بتلانے کے لئے کہ مسلمانوں میں شریعت سے ثابت چیزوں میں اختلاف فساد کا سبب کس طرح بن سکتا اور یہ پھر اختلاف کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

دقت وباریکی، گہرائی وگیرائی سے کتاب اللہ اور سنت نبویہ کو افراط وتفریط سے دور رکھتے ہوئے، صحیح طریقے سے اس طرح سمجھنا کہ اصول ثوابت میں اختلاف ختم ہو اور فروع وجزئیات میں اختلاف کم ہو، اگر مخالفین اس راہ کو اختیار کریں تو مطلق وکامل عدل وانصاف اور مکمل و شامل انصاف حاصل ہوسکتا ہے، لیکن لوگوں کے درمیان اختلاف کا ہونا سنت حیات ہے جسے اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں جاری رکھا ہے، ارشاد ربانی ہے: و لو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة و لا يزالون مختلفين الا من رحم ربك و لذلك خلقهم (ھود:۱۱۸تا۱۱۹)

ترجمہ: اگر تمہارا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر تمہارا رب رحم کرے اور اسی لئے اس نے ان کو کو پیدا کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں فرمایا ہے کہ اللہ کی کتاب اور سنت صحیحہ ایک دوسرے کی تکذیب کے بجائے تصدیق کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سندِ صحیحہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے حجرہ مبارک سے نکل کر صحابہ کرام کے پاس آئے صحابہ مسئلہ تقدیر میں جھگڑ رہے تھے، ایک شخص کہہ رہا تھا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا، دوسرا بھی یہی کہہ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو یہی حکم دیا گیا ہے، تم سے پہلے لوگ اللہ تعالی کی کتاب میں تضاد وتناقض تلاش کرنے کی پاداش میں ہلاک ہوئے، جبکہ کتاب اللہ کو اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ تکذیب وجھٹلانے کے بجائے وہ باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرے، تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس میں غور وخوض کرو اور اسے انجام دو اور جس سے تم کو روکا گیا ہے اس سے اجتناب کرو۔(۱) اوسط طبرانی میں (۲/۷۹) سے بیان کیا ہے، امام احمد نے اپنی مسند (۱۱/۷۴) اور مسند احمد کی تحقیق کرنے والے شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کی سند کو صحیح بتلایا ہے اور البانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے (فقہ المسئلۃ)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے درج ذیل الفاظ میں نقل فرمایا ہے: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس آئے وہ تقدیر کے مسئلہ میں مناظرہ کر رہے تھے، ایک شخص کہہ رہا تھا کیا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا اور دوسرا کہہ رہا تھا کیا اللہ تعالی کا یہ ارشاد نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارکہ غصہ سے تمتما اٹھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کے چہرہ مبارکہ پر انار نچوڑ دیا گیا ہے، آپ نے فرمایا: کیا اس کا تم کو حکم دیا گیا ہے، تم سے پہلے لوگ قدر کے مسئلہ میں جھگڑے کی وجہ سے ہلاک ہوئے، انہوں نے کتاب اللہ کی آیات میں جھگڑا کیا، جبکہ اللہ تعالی کی کتاب کو اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کی آیات کی باہم تکذیب کے بجائے ایک دوسرے کی تصدیق کریں، تم دیکھو کہ تم کو کیا حکم دیا گیا ہے، اسے کرو، اور جس سے تم کو روکا گیا ہے اس سے اجتناب کرو۔(۱) ترمذی میں اسے مفصل ومختصر دونوں طرح سے روایت کیا گیا ہے ۲/۳۲ بزار نے ۱۰/۶۲، مسند احمد ۱۱/۷۴، ابویعلی ۱۰/۴۵، اوسط طبرانی ۶/۷۹، علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ حدیث مشہور ہے، مسلم شریف میں اس کا ایک حصہ بیان کیا گیا ہے اور پوری حدیث مسند احمد اور دوسری کتب حدیث میں منقول ہے، ومجموع الفتاوی ۱۳/۱۱۷۱، دار المعارف ۱/۴۹۔

کتاب کا مقصد ثابت اور عادل میزان تک پہنچنا

یہ کتاب اللہ تعالی کے اس فرمان کی تشریح کرتی ہے ارشاد ہے لقد أرسلنا رسلنا بالبینٰتِ و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط و أنزلنا الحديد فيه بأس شديد و منافع للناس و ليعلم الله من ينصره و رسله بالغيب ان الله قوى عزيز (الحدید:۲۵) ترجمہ: البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازوئے (عدل) بھی بھیجی تا کہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں، اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تا کہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے، بے شک اللہ بڑا زور آور غالب ہے۔

آیت کریمہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں فہم، غور وخوض، سلوک وطرز عمل اور قدوہ ونمونہ بننے کے ذیل میں عدل وانصاف کس طرح متحقق ہو، اور اہل ایمان ان چیزوں کی طرف واپسی ورجوع کس طرح کریں۔

اللہ تعالی نے اپنی تمام نازل کردہ آسمانی کتابوں میں جو حقیقت میں ایک ہی کتاب کا حکم رکھتی ہیں، ایک عادلانہ ہمیشہ باقی رکھنے والی میزان (ترازو) رکھی ہے جو کسی پر کوئی ظلم وستم نہیں کرتی، اور جو انسانیت کے تصورات، احکام، اشخاص وحیات کے سدھار واصلاح کا کام، فطرت، مزاج اور مصالح میں ٹکراؤ سے بچتے ہوئے کرتی ہے۔

اس حیثیت سے یہ میزان کتاب اللہ کی روشنی ورہنمائی میں اہل ایمان کو کارزار حیات اور خواہشات وجذبات کی آندھیوں میں محفوظ رکھنے کی تنہا ضامن ہوتی ہے، اس کی موجودگی میں اختلافات ان کو دائیں بائیں، مشرق ومغرب کی طرف مائل نہیں کر سکتے کیونکہ یہ میزان انہیں اپنی جانشینی، استخلاف، آبادکاری اور تہذیبی اطلاع یابی کے پیغام ومشن کو پورا کرنے پر اکساتی رہتی ہے۔

جب ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، پھر یہ میزان انہیں حق وعدل اور نفع بخش چیزوں سے واقف کراتی ہے اور انتشار عداوت واختلاف اور فراق سے بچاتی ہے، اس طرح لوگوں کی خدمت گزار، حق کی شہادت دینے والی خیر امت کا ظہور ہوتا ہے جو اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتی ہے ارشاد باری تعالی ہے: فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا و ان تولوا فانما هم فى شقاق (البقرۃ:۱۳۷) ترجمہ: سو اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے، اور اگر وہ نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ چنیدہ، ہدایت یافتہ، پرہیزگار امت کبھی بھی تفرقہ، انتشار، مخالفت وعداوت اور ناکامی کا شکار نہیں ہو سکتی۔

باب اول

فقہ المیزان کی تعریف، اہمیت اس کے آثار، ضوابط اور قواعد

فصل اول

فقہ اور میزان کی لغوی واصطلاحی تعریف

لغت میں فقہ فہم کو کہتے ہیں، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ فقہ کامل و دقیق اور مستحکم فہم کو کہتے ہیں (۱) (لسان العرب، القاموس المحیط، مختار الصحاح، المصباح المنیر، مادہ فقہ) اسی وجہ سے فقہ عام فہم کے مقابلہ میں ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے، اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ آسمان میرے اوپر اور زمین میرے نیچے ہے تو اس کے لئے " فقهتُ " کے بجائے "علمتُ" کہا جائے گا اور بجائے فقہ، علم کا استعمال ہوگا۔

لغت میں لفظ فقہ دین و دنیا، کائنات اس کے اسرار و رموز کی کامل، مستحکم اور دقیق و باریک فہم کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی اس کا استعمال انہی معانی میں ہوتا تھا، احکام شریعت کے عملی، عقائدی، نظری و اخلاقی امور کے ساتھ طور طریقوں، حوادث و حقائق، کائنات، انسان اور اولیات و موازنات اور موازین وغیرہ کے لئے فقہ کا استعمال ہوتا تھا۔

فقہ اور اس کے مشتقات کی تکرار قرآن کریم میں بیس مرتبہ ہوئی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حق تعالی کے بنائے ہوئے ضوابط، حقائق، مصالح و مفاسد کی کامل و دقیق سمجھ ہی فقہ سے مراد ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (انعام: ۶۵) ترجمہ: کہہ دو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف فرقے کر کے ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم کس طرح مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ جائیں۔

ان آیات کی غرض و مقصد یہی ہے کہ لوگ انہیں سمجھیں، غور و خوض کریں، اور بیان کردہ مصائب و پریشانیوں کے ذکر کی غرض و غایت کا ادراک کریں، آزمائشوں، مصیبتوں اور آفات و مصائب میں اللہ تعالی کے مقرر کردہ طریقوں اور ضابطوں کو سمجھیں، مفسرین نے یہ معنی تحریر فرمائے ہیں "نصیحت حاصل کریں اور برائیوں سے اجتناب کریں اور باز رہیں (۱) تفسیر ماوردی، کویت ۱/۵۳۲۔

اسی طرح ارشاد گرامی ہے وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ (الانعام: ۱۷۹) ترجمہ: اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور آدمی پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔

یہاں بھی مراد یہی ہے کہ یہ جن و انس اپنے قلوب و نفوس کو کائنات کی نشانیاں اور اللہ تعالی کے وجود اور اس کی الوہیت و ربوبیت کو سمجھنے میں استعمال نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (الانفال: ۶۵) ترجمہ: اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو، اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ سو پر غالب آئیں گے، اور اگر تم میں سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔

یعنی وہ اللہ تعالی کے ضابطوں، طریقوں کو، فتح و شکست کے پیمانوں کو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنے اولیاء کی

مدد ونصرت فرماتے ہیں اور نہ یہ علم رکھتے ہیں قوت مادیہ کے پیمانے ،قوت معنویہ کے پیمانوں سے قوی نہیں بلکہ اس کے برعکس ضعیف وکمزور ہیں۔اللہ تعالی کا ارشادگرامی ہے فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (التوبۃ:۸۱) ترجمہ: جولوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہا کہ گرمی میں مت نکلو، کہہ دو کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے، کاش یہ سمجھ سکتے۔

یعنی اگر وہ حقائق کو سمجھتے اور قیامت کی حقیقت اور اس کی ہولناکیوں کو جانتے تو یہ ہرگز نہیں کہتے۔ارشاد خداوندی ہے رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (التوبة:۸۷) ترجمہ: وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر کردی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (توبہ:۱۲۲) ترجمہ: سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ایک حصہ تا کہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تا کہ وہ بچتے رہیں۔

مقصود یہ ہے کہ عقیدہ، شریعت، نظام اور میزان ہر اعتبار سے دین کی سمجھ حاصل کریں، صرف عملی پہلو پر اکتفانہ کریں۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم میں وارد لفظ فقہ، اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی کامل وصحیح فہم وسمجھ، تمام کائنات اور اس کے طور طریقے، انسان اور اس کی پوری زندگی کے راستے اور پیمانے ہی فقہ کا مدلول ومفہوم ہیں۔

اسی طرح سنت نبوی میں وارد لفظ فقہ اور اسکے مشتقات کا اطلاق بھی ہمہ گیر، ہمہ جہت اور وسیع تر فقہی پیمانوں پر ہوتا ہے۔مثلاً من يرد الله به خيرا يفقه في الدين ترجمہ: اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر وبھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔(۱) صحیح بخاری ،حدیث رقم ۷۱-۳۱۱۶-۷۳۱۲، وسھل الحدیث رقم ۱۰۳۷

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو دعاء دیتے ہوئے فرمایا: اللهم فقه في الدين و علمه التأويل ترجمہ: اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما، اور اسے تأویل سکھادے (۱) احمد بن حنبل نے انہی الفاظ کے ساتھ صحیح سند سے اسے روایت کیا ہے ۴، ۳۱۶، ۱۲۷، ۱۵۰۵، ۴۱۲۰۴، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۰۴۴ وغیرہ

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خياركم في الجاهلية خياركم في الاسلام اذا فقهوا ترجمہ: جاہلیت کے زمانہ میں تمہارے اچھے لوگ اسلام میں بھی اچھے ہیں اگر دین کی سمجھ حاصل کریں (۲) صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۳۷۴-۴۶۴۹

امام ترمذی اور دارمی نے ابوالدرداء سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے فرماتے ہیں: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فشخص بصره إلى السماء فقال: هذا أوان يختلس العلم من الناس حتى لا يقدرون على شيء منه، فقال زياد بن لبيد: يا رسول الله كيف يختلس منا وقد قرأنا القرآن؟ فقال: ثكلتك أمك يا زياد، إن كنت لأعدك من فقهاء أهل المدينة، هذه التوراة والإنجيل عند اليهود والنصارى، فماذا تغني عنهم (۳) الترمذی حدیث رقم ۲۶۴۲ والدارمی حدیث ۲۱۴ ترجمہ: ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اتنے میں حضور نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی پھر فرمایا، یہ وہ گھڑیاں ہیں کہ (ان کے بعد) لوگوں سے

علم چھین لیا جائے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ علم کا کوئی حصہ ان کے پاس باقی نہیں رہے گا (وہ بالکل جاہل رہ جائیں گے، علم کے ایک ذرہ پر ان کا قبضہ نہ رہے گا) اس پر زیاد بن لبید انصاری نے عرض کیا ہم میں سے علم کیسے جاتا رہے گا، جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں حضور نے فرمایا زیاد تیری ماں تجھے روئے میں تو تجھے مدینہ کے فقیہوں اور دانا لوگوں میں شمار کرتا تھا، یہ تورات وانجیل یہودیوں عیسائیوں کے پاس موجود ہے پھر ان لوگوں کو ان سے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے۔(۱) یعنی آخری زمانہ میں علماء حق اور علماء سوء میں کوئی فرق نہیں رہے گا، لوگ عالم نما جاہلوں کو اپنا خلیفہ، قاضی لیڈر اور اسوہ بنائیں گے۔

اس حدیث سے بوضاحت پتہ چلتا ہے کہ فقیہ وہ ہے جو دینی اور دنیاوی معاملات میں عواقب ودقائق کو سمجھنے والا ہو۔

بعض تابعین کا قول ہے انما الفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الآخرة، البصیر بأمر دینه و المداوم علی عبادة ربه (الدرامی:۱/۷۶) ترجمہ: بیشک فقیہ دنیا سے بے رغبت، آخرت کی رغبت رکھنے والا، دینی معاملات واوامر کا جانکار اور اپنے رب کی عبادت دوام وپابندی سے کرنے والا ہوتا ہے

امام مجاہد کہتے ہیں: انما الفقیه من یخاف الله (الدارمی:۱/۷۹) ترجمہ: بیشک فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ان الفقیه حق الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة الله و لم یرخص لهم فی معاصی الله و لم یؤمنهم من عذاب الله و لم یدع القرآن رغبة عنه الی غیره و انه لا خیر فی عبادة لا علم فیها،و لا علم لا فهم فیه و لا قراءة لا تدبر فیها (سنن الدارمی:۱/۴۷۱) ترجمہ: صحیح ومکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور اللہ تعالی کی معصیت میں ان کے ساتھ نرمی نہ کرے اللہ تعالی کے عذاب سے انہیں امن میں نہ ہونے دے، قرآن سے بے رغبتی اور دوسری کتاب کی طرف رغبت کیوجہ سے قرآن کو نہ چھوڑے، بے علم ومعرفت عبادت میں اور بلا سمجھ بوجھ علم میں اور بلا تدبر قرائت میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے

اس بیان وتشریح کی روشنی میں فقہ کا اطلاق مکمل دین پر ہی نہیں بلکہ ساری کائنات اور اللہ تعالی کے طریقوں وضابطوں پر ہوتا تھا، لیکن تیسری صدی ہجری سے لے کر آج تک فقہ ایک محدود دائرہ اور ایک مدلول پر منحصر ہوگیا، اور فقہ دلائل تفصیلیہ سے حاصل شدہ عملی احکام شرعیہ کو کہا جانے لگا۔

فقہ کی یہ تخصیص اس کے اصطلاحی پہلو کے ساتھ خاص، یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ایکیڈیمک تقسیم ہے، اسی وجہ سے قرآن ولغت میں لفظ فقہ اپنے جامع وشامل معنی کے اعتبار سے دین ودنیا کی ہر دقیق فہم وسمجھ کے لئے استعمال ہوگا۔

یہاں فقہ سے ہمارا مقصود ایسی گہری فہم اور دقیق تصور ہے جو ماضی، حال اور مستقبل پر محیط اور بقدر امکان میزان اور متعلقات میزان کو شامل ہو۔

میزان کی تعریف

لغت میں میزان اس آلہ، ترازو، بانٹ یا کانٹے کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے، وَزَنَ یَزِنُ وَزْناً اس کا ماخذ ہے، میزان سے کسی چیز کے وزن یا بوجھ کو اس جیسی کسی دوسری چیز سے معلوم کیا جاتا ہے جیسے دراھم کا وزن کرنے والے اوزان و پیمانے۔

ابو منصور نے کہا ہے کہ عرب پتھر یا لوہے سے بنے ان اوزان کو جن سے کھجور وغیرہ کا وزن کیا جاتا ہے، موازین کہتے ہیں جس کا مفرد میزان ہے، علامہ ثعلب کا ارشاد ہے کہ فرمان الٰہی أما من ثقلت موازینه و أما من خفت موازینه (جس کی تولیں بھاری ہوئیں اور جس کی تولیں ہلکی ہوئیں) آیات میں موازین سے مراد میزان ہے، اسم کو مصدر کی جگہ رکھا گیا ہے۔

دو چیزوں کے درمیان مقارنہ و معادلہ کو موازنہ کہتے ہیں، کہا جاتا ہے میں نے دو چیزوں کے درمیان موازنہ کیا، یہ چیز فلاں دوسری چیز کے موازن و معادل ہے، کسی کی خفت و بے وزنی بتلانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، اور کسی کے ہم وزن، بالمقابل اور برابر ہونے کے لئے ''وازن''، یعنی فلاں چیز کا وزن کیا، اور اعتدال اور استقامت کو اتزَّنَ کہتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میزان کے دو معنی ہیں:

۱۔ گرام، مثقال، کلو وغیرہ وہ اوزان جن سے وزن کیا جاتا ہے۔

۲۔ وہ آلات جن سے چیزوں کی مقدار، وزن، خفت، ثقل اور قدر و منزلت کو ناپا جاتا ہے، یہ دوسرے معنی استعمال کے اعتبار سے زیادہ مشہور ہیں، ہم اپنی تحقیق میں انہی دوسرے معنی پر اپنی توجیہ زیادہ مرکوز کریں گے، پہلے معنی کا ذکر بھی حسب ضرورت ہوتا رہے گا۔

امام غزالیؒ نے اپنی تفسیر اور دوسرے رسائل میں میزان سے متعلق بہت نفیس گفتگو کی ہے ''و السماء رفعها و وضع المیزان'' (رحمٰن: ۷) (اور آسمان کو اس نے بلند کیا اور اور میزان بھی اتاری) سورہ رحمٰن کی ساتویں آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ وہ میزان ہے جس سے ذات باری تعالی، ملائکہ، آسمانی کتابوں، اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسولوں، اللہ تعالی کی حکومت و اقتدار اور ملک عظیم و ملکوت کی معرفت حاصل ہوتی ہے، ہم انبیاء کرام سے ان کا وزن کرنے کا طریقہ و کیفیت معلوم کریں جیسا کہ انبیاء کرام نے، ملائکہ سے ان کا علم حاصل کیا'' (۱) (القسطاس المستقیم للغزالی: مکتبہ جعفر الحدیثۃ، القاھرۃ، ص ۱۴)

امام غزالی نے مزید فرمایا کہ: ''میزان سے حقائق اشیاء کا علم، اور صحیح و فاسد کے درمیان امتیاز و فرق حاصل ہوتا ہے، اور میزان میں یہی امتیاز و فرق آسمان و زمین کے درمیان واسطہ کا کام کرتا ہے، یہ میزان اللہ تعالی کی ربوبیت کے اسرار و رموز میں سے ہے جسے راسخ اور پختہ اہل علم کے سوا کوئی نہیں جانتا (۱) رسائل الغزالی: ص ۱۴۶

امام فخر الرازی نے اللہ تعالی کے فرمان: الله الذی أنزل الکتاب بالحق و المیزان ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور میزان بھی اتاری کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ یہ میزان فیصلہ کرنے والی مستقیم ترازو ہے (۲) (تفسیر الرازی، آیت کی شرح)

میزان قرآن میں:

قرآن کریم میں میزان اور اس کے مشتقات کی تکرار ۲۳ مرتبہ ہوئی ہے، میزان کا مطلب چیزوں کا وزن کرنے والی مادی ترازو کا بھی ہوسکتا ہے اور وہ معنوی پیمانہ بھی ہوسکتا ہے جس سے حقائق، اعمال، نظریات و معاملات اور افعال و حرکات کا وزن کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: و أوفوا الکیل و المیزان بالقسط لا یکلف الله نفسا الا وسعها و اذا قلتم فاعدلوا و لو کان ذا قربی

(الانعام ۱۵۲) ترجمہ:اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے، ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہو اور جب بات کرو تو حق کی کہو، اگر چہ وہ اپنا قریب ہی ہو۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی زبان سے ارشاد ہے فأوفوا الكيل و الميزان و لا تبخسوا الناس أشياء هم و تفسدوا فی الأرض بعد اصلاحها ذلكم خير لكم ان كنتم مؤمنين (الأعراف: ۸۵) ترجمہ:سو پوری کرو ناپ اور تول اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی یہ بھی ارشاد گرامی ہے: قال يا قوم اعبدوا الله ما لكم من اله غيره و لا تنقصوا المكيال و الميزان انی أراكم بخير و انی أخاف عليكم عذاب يوم محيط و يا قوم أوفوا المكيال و الميزان بالقسط و لا تبخسوا الناس أشياء هم و لا تعثوا فی الأرض مفسدين (هود: ۸۵) ترجمہ: کہا:اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اسکے سوائے، اور نہ گھٹاؤ ناپ اور تول کو، میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال، اور ڈرتا ہوں تم پر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے اور نہ گھٹاؤ لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت مچاؤ زمین میں فساد۔

ان آیات میں میزان دونوں معنوں کو شامل ہے، وہ میزان (ترازو) جس سے اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے، اور وہ میزان جس سے حقوق و واجبات کو تولا جاتا ہے۔

سورہ شوریٰ اور سورہ حدید میں اللہ سبحانہ وتعالی نے بتلایا ہے کہ میزان کو بھی کتاب کی طرح اتارا گیا ہے، سورہ شوری میں ہے اللہ الذی أنزل الكتاب بالحق و الميزان و ما يدريك لعل الساعة قريب (الشوریٰ: ۷) ترجمہ:اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر، اور ترازو بھی اور تجھ کو کیا خبر کہ قیامت پاس ہو۔

سورہ حدید میں ارشاد فرمایا لقد أرسلنا رسلنا بالبينات و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید: ۲۵) ترجمہ:اور ہم نے بھیجے ہیں رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

یہاں میزان سے مراد مادی ترازو نہیں ہے کیونکہ انبیاء کرام پر کتاب کے ساتھ مادی ترازو (میزان) نہیں اتری، لیکن یہاں مقصود وہ مقاییس اور پیمانے ہیں جن کے ذریعہ حقائق کا وزن نصوص شرعیہ کی فہم اور ترازو کے دونوں پلوں پر رکھ کر ان کو صحیح طریقہ سے سلجھایا جاسکتا ہے، پھر ان سے نوازل وحوادث، مختلف اشیاء، طور طریقوں، افعال وحرکات، چال چلن اور طرز عمل کا وزن کیا جاسکتا ہے تا کہ مکمل عدل متحقق ہو سکے۔

اللہ تعالی نے تمام کائناتی نظام، آسمان، زمین، افلاک، چاند، سورج اور ستاروں کے مرتب نظام میں میزان کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے: و السماء رفعها و وضع الميزان (رحمن: ۷-۹) ترجمہ:اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں۔

ارشاد گرامی ہے و الأرض مددناها و ألقينا فيها رواسی و انبتنا فيها من كل شئ موزون (الحجر: ۱۹) ترجمہ:اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ، اور اگائی اس میں ہر چیز اندازہ سے۔

باوجود اس کے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے افعال واعمال سے بخوبی واقف ہے اور ملائکہ بندوں کے افعال کو لکھتے رہتے ہیں، ارشاد ہے ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد (قٓ: ۱۸) ترجمہ:نہیں بولتا کچھ بات مگر ہوتا ہے اس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار (یعنی لکھنے کو تیار ہے)

اورفرمایا و نضع الموازين القسط ليوم القيامة (الانبياء: ٤٧) ترجمہ:اوررکھیں گےہم انصاف کی ترازوئیں قیامت کے دن۔

اسی طرح بیان فرمایا فمن ثقلت موازينه فاؤلئك هم المفلحون و من خفت موازينه فأؤلئك الذين خسروا أنفسهم فی جهنم خالدون (المؤمنون: ١٠٢-١٠٣) ترجمہ:سوجس کی بھاری ہوئی تول تووہی لوگ کام کے نکلےاورجس کی ہلکی نکلی تول سووہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان، دوزخ میں ہی رہا کریں گے۔

اس موضوع سے متعلق بعض آیات کی تشریح ہم چند مفسرین کے اقوال سے کرتے ہیں علامہ سید قطب نے سورہ حجر کی آیت و ألقينا فيها رواسی و انبتنا فيها من كل شئ موزون ترجمہ:اوررکھدئے اس پر بوجھ اوراگائی اس میں ہر چیز اندازہ سے کی تشریح کرتے ہوئے ظلال القرآن ج۴ میں ارشادفرمایاہے: سیاق کلام سے آسمان میں زبردست و بھاری بھرکم گنبدوں کی ضخامت کا اندازہ لفظ ''بروج'' میں موجود موسیقی سے بخوبی ہوتا ہےاورزمین کے پہاڑوں اورنباتات کا یہ وصف کہ وہ موزون ہیں یہاں لفظ موزون میں ایک ثقل و بھاری پن ہے، جبکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس زمین پر پائی جانے والی نبات اپنی خلقت کی باریکی، پختگی اور مقدار میں وزن کی ہوتی ہے(موزون ہے)۔(۱) ظلال القرآن۴/۲۱۳۲-۲۱۳۴

۱۔ امام رازی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''موزون'' کی مراد ومقصود میں علماء کا اختلاف ہے، اختلاف چند وجوہات کی وجہ سے ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ بعض علماء لفظ موزون سے اندازہ اور قیاس مراد لیتے ہیں کیونکہ وزن، مقدار معلوم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، مقدار معلوم کرنے کے لئے لفظ وزن کا استعمال، سبب بول کر مسبب مراد لینا ہے، اس معنی کی تاکید سورہ رعد اور سورہ حجر کی آیات سے بھی ہوتی ہے، سورہ رعد آیت ۸ میں ارشاد ہے:و كل شئ عنده بمقدار (رعد: ٨) ترجمہ:اور ہر چیز کا اس کے یہاں اندازہ ہے۔

سورہ الحجر آیت ۲۲ میں ارشادفرمایا گیاہے و ان من شئ الا عندنا خزائنه و ما ننزله الا بقدر معلوم ترجمہ:ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اوراتارتے ہیں ہم اندازہ متعین پر۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عالم، عالم الاسباب ہے، اللہ تعالی نے اپنی قدرت علم وحکمت سے اسے مقدر فرمایا ہے، یعنی حکمت کی ترازو سے اس کا وزن کیا ہےاور یہ انواع وجود میں آئی ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عالم کی ہر چیز علم وحکمت کی ترازو سے وزن کی ہوئی ہے، علماء نے لفظ موزون کو حسن و جمال، لطافت وتناسب اور مطابق مصلحت ہونے کے لئے کنایۃً استعمال کیا ہے۔

۴۔ کائنات میں موجود ہر چیز کا ایک وزن ہے، معدنیات، نباتات حتی کے میوہ جات ہر چیز کا ایک وزن ہے(۱)(تفسیر کبیر للرازی بیروت ودار الأحیاء۱۹/۱۷۱-۱۷۲، والمفردات فی غریب القرآن للأصفہانی دار المعرفۃ، بیروت)

اللہ تعالی کا فرمان:و السماء رفعها و وضع الميزان ألا تطغوا فی الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (رحمن: ٧-٩) ترجمہ:اورآسمان کواونچا کیااوررکھی ترازو کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں اورسیدھی ترازو تولو انصاف سے اورمت گھٹاؤ تول کو

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ترازو رکھنے سے اشارہ ''عدل'' کی طرف ہے، یعنی اللہ تعالی نے عدل کو شریعت وقانون بنایا، تاکہ اس ترازو میں زیادتی نہ کیجائے جو عدل کا پیمانہ ہے، یہاں معنی برعکس لینا زیادہ مناسب ہے، یہ کہا جائے کہ پہلی میزان سے مراد آلہ یعنی ناپنے کا پیمانہ ہے، دوسری میزان مصدری معنی میں ہو اور کہا جائے کہ اللہ تعالی نے میزان کو اس لئے رکھا ہے کہ وزن کرنے میں زیادتی نہ کی جائے،

تیسرے میزان سے مراد عدل ہے یعنی ہر مستحق کو اس کا حق انصاف سے دیا جائے۔

امام رازیؒ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے لفظ میزان کو تین مرتبہ الگ الگ معنی میں استعمال کیا ہے:

۱۔ آلہ یعنی ترازو کے معنی میں وضع المیزان (ترازو رکھی)

۲۔ دوسرے مصدر کے معنی میں ألا تطغوا فی المیزان (زیادتی نہ کرو ترازو میں یعنی وزن کرنے میں زیادتی نہ کرو)

۳۔ اور تیسرے معنوں میں و لا تخسروا المیزان یعنی موزون میں تول کو نہ گھٹاؤ، اللہ تعالی نے تینوں معنی کو لفظ میزان سے بیان فرمایا ہے۔

یہاں اس طرح بیان فرمایا جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کو فاتبع قرآنه (اور تو ساتھ رہ اس کے (یعنی فرشتہ کے) پڑھنے میں) آیت میں مصدر اور آیت کریمہ ان علینا جمعه و قرآنه (ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے) مقرء و کے معنی میں۔

اور و لو أن قرآنا سیرت به الجبال أو قطعت به الأرض (اور اگر کوئی قرآن ہوا ہو، تا کہ چلیں اس سے پہاڑ اور ٹکڑے ہو اس سے زمین) میں کتاب کے معنی میں ذکر فرمایا ہے۔

سید قطب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حق کی، ثابت، راسخ اور مستقر ترازو کو وضع فرمایا، تا کہ انسانی اخلاق و عادات اور حوادث و اشیاء کی تحدید و تدبیر اس طرح ہو سکے کہ اس کی تعدیل و تعیین میں خلل اور اس کے وزن میں اضطراب نہ پیدا ہو، اللہ تعالی نے فطرت انسانی اور انبیاء کے ذریعہ مرسلہ شریعت میں میزان کو نصب فرما کر حکم دیا کہ الا تطغوا فی المیزان کہ ترازو سے وزن کرنے میں غلو و زیادتی نہ کرو، سیدھی ترازو سے تولو اور تول میں مت گھٹاؤ، و أقیموا الوزن بالقسط و لا تخسروا المیزان اس طرح بلا کمی و زیادتی کے وزن ہوگا، زمین میں حق کا بول بالا ہوگا، انسانی زندگی میں سدھار ہوگا اور کائنات کا نظم و نسق درست ہوگا (۱) فی ظلال القرآن ج ۶، ص ۳۴۵۰

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبینات و أنزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و أنزلنا الحدید فیه بأس شدید (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ہی اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے۔

اور سورہ شوریٰ میں کتاب کے ساتھ میزان کے اتارنے کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا: الله الذی أنزل الکتاب بالحق و المیزان و ما یدریك لعل الساعة قریب (الشوریٰ: ۱۷) ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر، اور ترازو بھی اور تجھ کو کیا خبر کہ قیامت پاس ہو۔

سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ پر میری نوٹنگ: لقد أرسلنا رسلنا بالبینات و أنزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و أنزلنا الحدید فیه بأس شدید و منافع للناس و لیعلم الله من ینصره و رسله بالغیب ان الله قوی عزیز (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ہی اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تا کہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بے دیکھے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست

ان آیات میں انتہائی وضاحت کے ساتھ دلالت ہے کہ زمین پر ملکیت و حکومت، عدل و انصاف، تہذیب و تمدن، لوگوں کے درمیان خیر و بھلائی کی ترویج و اشاعت کے درج ذیل اسباب ہیں:

اللہ تعالی پر پختہ ایمان وکامل یقین، محبت ولگن سے کام، عمل صالح، اسباب کا اختیار، زندگی کے تمام میدانوں میں کامیابی کی امید زندگی کوخوبصورت بنانے کے اہم عناصر ہیں۔

روشن دلائل و براہین سے معاشرہ میں حق کی وضاحت ہو، آزادی وحریت کی نشر واشاعت ہواورلوگ اپنی مرضی، خوشی اورارادہ سے اسلام قبول کریں، اور یہ بات واضح ہوجائے کہ خیر وبھلائی، عدل وانصاف اور مہذب وصالح معاشرہ کا حصول اس طریقہ سے ہوسکتا ہے، تشدد، استبداد، ڈکٹیٹرشپ اور ذلت کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

بنیادی واساسی ایسے مراجع کا ہونا بھی ضروری ہے جن پر تمام اہل ایمان کا اجماع ہو، سورہ حدید کی آیت کریمہ میں اسے لفظ کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ کتاب امت کے لئے ایک جامع دستور وقانون کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ان کے حقوق وواجبات اور ذمہ داریوں کو وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے، کتاب کے مفہوم میں قرآن کریم کے ساتھ سنت نبویہ بھی داخل ہے جوقرآن کی شارح ہے۔

اللہ تعالی کی کتاب کی توضیح وتشریح اوراس میں بیان کردہ حقوق وواجبات کا ذکراور یہ وضاحت وبیان کہ وہ روشن وتابناک دین کے کلیات وفطرت سلیمہ کے رہنما اصول کیا ہیں جن میں اختلاف اوران سے دستبرداری کسی طرح جائز نہیں ہے، البتہ وہ جزئیات جن میں تھوڑے بہت ہلکے پھلکے اختلافات ہوں ان میں اختلاف کی گنجائش ہے لیکن اس اختلاف میں بھی تنوع اور تہذیب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، قرآن کریم کے نزول اورانبیاء کرام کی بعثت کی اصل غرض وغایت یہی ہے کہ عدل وانصاف متحقق ہو۔

ہم یہاں آیت الحدید کی روشنی میں کتاب، میزان اور حدید کے ایک ساتھ ذکر کی وجہ مناسبت بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ تعالی نے انسان کولوہے سے استفادہ کرنے کی تعلیم دی، تاکہ اہل اسلام مادی، معنوی، عسکری، اقتصادی، علمی اورفنی قوتوں کا حصول لوہے کی مدد سے کر سکیں اوردواہم مقاصد کا حصول ہوسکے:

۱۔ امت کی اسٹراٹیجی کا دفاع وحفاظت ہوسکے۔

۲۔ اورتمام لوگوں کوعلمی، فنی، صناعتی وتجارتی منافع کا حصول ہو۔

امام رازیؒ نے آیت حدید کی تفسیر بہت مفصل کی ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم یہاں اس کا ایک حصہ بیان کرتے ہیں، امام صاحب نے تفسیر میں سات مسائل ذکر فرمائے ہیں ان میں:

پہلا مسئلہ: کتاب میزان اور حدید میں وجہ مناسبت سے متعلق ہے ان تینوں کے درمیان جو مناسبت ہے اسے امام صاحب نے سات طریقے سے بیان کیا ہے

۱۔ ان تینوں کے درمیان مناسبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کام کا کرنا اور کسی تکلیف، پابندی یا حکم کا دارومدار دو چیزوں پر ہے مطلوبہ کام کرنا اور غیر مطلوبہ کام نہ کرنا پہلی قسم مقصود بالذات ہے کیونکہ اگر ترک کرنا مقصود بالذات ہوتا تو ترک کا وجود توازل سے ہے، اس سے یہ لازم آتا کہ کوئی کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔

وہ کام جس کا کرنا مطلوب ہے اس کا تعلق یا تو نفس سے ہوگا یا بدن سے اگر تعلق نفس سے ہے تو وہ معارف ہیں اور اگر تعلق بدن سے ہے تو وہ اعضاء وجوارح سے صادر افعال ہیں، کتاب کے ذریعہ ان افعال نفسانیہ تک پہنچا جاسکتا ہے جن کا کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس طرح حق وباطل اور دلائل وشبہات میں تمیز ہوگی اور ''میزان'' کے ذریعہ ضروری ولازمی افعال بدنیہ تک رسائی ہوگی جن کا تعلق مخلوق سے ہے، ان افعال و

اعمال بدنیہ میں میزان کے ذریعہ عدل وظلم اور زائد وناقص کے درمیان تمیز ہوگی اور ''حدید'' میں زبردست طاقت ہے اس کے ذریعہ مخلوق کو غیر مناسب اعمال سے روکا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ''کتاب'' سے اشارہ قوت نظریہ کی طرف اور میزان سے قوت عملیہ کی طرف اور ''حدید'' کے ذریعہ غیر مناسب اور غیر فطری چیزوں سے روکنے کی طرف اشارہ ہوگا، ''آیت حدید'' میں انہی تین چیزوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

دوسرا طریقہ: کتاب، میزان اور حدید میں مناسبت کے اثبات کے دوسرے طریقہ میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اعمال وافعال جن کا مکلّف بندہ ہوتا ہے، ان کا دارومدار معاملات پر ہوتا ہے، اگر یہ معاملات خالق کے ساتھ ہوں گے تو اس کا راستہ کتاب ہے، اور اگر معاملات کا تعلق مخلوقات کے ساتھ ہے، تو یہ دیکھنا ہوگا وہ مخلوقات دوست ہے یا دشمن، اگر دوست ہے تو معاملہ برابری کے ساتھ ہوگا، یہ ''میزان'' ہے اور اگر دشمن ہے تو معاملہ حدید وتلوار سے ہوگا، تاکہ دشمن کو غیر مناسب عمل سے روکا جاسکے۔

تیسرا طریقہ: کتاب، میزان اور حدید تینوں میں مناسبت کا تیسرا طریقہ امام رازیؒ نے یہ بیان فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

۱۔ السابقون: وہ لوگ جو مخلوق کے ساتھ کتاب کے مطابق معاملہ کرتے، دشمنی سے بچتے اور شبہات ومواقع شبہات سے دور رہتے ہیں۔

۲۔ المقتصدون: یہ لوگ درمیانی راہ چلتے، انصاف کرتے اور طالب انصاف ہوتے ہیں، ان کے لئے ترازو کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ الطاغون: یہ لوگ انصاف تو چاہتے ہیں لیکن انصاف نہیں کرتے ان کے لئے حدید وتلوار ہے۔

چوتھا طریقہ: مطابقت کا تیسرا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ انسان یا تو مقام حقیقت پر ہوگا، جو نفس مطمئنہ اور مقربین کا مقام ہے، ایسے شخص کو ذات باری تعالی کے علاوہ کسی اور سے سکون نہیں ملتا اور وہ کتاب اللہ کے علاوہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتا، ارشاد ہے ألا بذكر الله تطمئن القلوب (الرعد: ۲۸) ترجمہ: سن لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے،

یا انسان مقام طریقت پر ہوگا، جو نفس لوامہ اور اصحاب یمین کا مقام ہے ایسے شخص کے لئے میزان کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اخلاق کی معرفت حاصل ہو، اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر باقی رہا جاسکے۔

یا پھر انسان مقامِ شریعت پر ہوگا، یہ نفس امارہ کا مقام ہے، اس مقام پر مجاہدہ اور دشوار گزار محنت وریاضت کی ضرورت ہوتی ہے جسے حدید، سیف سے بیان کیا گیا ہے۔

پانچواں طریقہ: تطبیق کا پانچواں طریقہ یہ ارشاد فرمایا کہ انسان یا تو صاحب کشف ووصل ہوگا، ایسے شخص کو کتاب کا علاوہ کسی اور سے انسیت نہ ہوگی، یا انسان صاحب طلب واستدلال ہوگا، اس کے لئے دلائل وبراہین یعنی میزان کی ضرورت ہوگی۔

یا وہ شخص سرکش، نافرمان اور ضدی ہوگا، اسے بذریعہ حدید وسیف درست کرنا یا جلاوطن کرنا ہوگا۔

چھٹا طریقہ: دین ومذہب یا تو اصول پر مشتمل ہوگا یا فروع پر، یوں بھی کہہ سکتے ہیں یا تو معارف ہوں گے یا اعمال، اصول ومعارف کا تعلق کتاب سے ہوگا اور فروع واعمال سے مقصود اگر ایسے اعمال وافعال ہوں جن میں عدل اور شخصی مصالح کا لحاظ ہو تو وہ ''میزان'' ہے، اور جو ان دونوں راستوں کا تارک ہوگا اس کے لئے حدید وتلوار ہے۔

ساتواں طریقہ: فرمایا کہ کتاب سے ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو عدل وانصاف کے متقاضی ہوں اور میزان سے اشارہ، عدل و انصاف پر مشتمل احکام شرعیہ پر لوگوں کو چلانے کی طرف ہے اور سرکش ونافرمانوں کو، حدید وتلوار سے قابو میں کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علماء کرام جو صاحب کتاب ہیں ان کا مرتبہ ومقام صاحب سیف ملوک وحاکموں سے مقدم واعلیٰ ہے۔

امام رازیؒ نے فرمایا کہ کتاب، میزان اور حدید میں مطابقت ثابت کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے اور وجوہات ہیں، ہماری بیان کردہ وجوہات اور طریقوں میں ان پر تنبیہ موجود ہے۔

امام رازیؒ نے آیت حدید کی تفسیر میں بیان کردہ پہلے مسئلہ کو انتہائی شرح وبسط کے ساتھ، سات طریقے سے بیان فرما کر اب دوسرا مسئلہ بیان کررہے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: فرماتے ہیں کہ علماء تفسیر نے میزان اور انزال حدید سے متعلق دو قول نقل کئے ہیں، پہلا قول یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں کو اللہ تعالی نے آسمان سے زمین پر اتارا، پہلی روایت یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میزان لے کر آئے اور اسے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکر فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دیجئے کہ وہ اس سے وزن کرے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے پانچ چیزیں لے کر زمین پر اترے:

نہانی، چیمٹا، چھری، ہتھوڑا، سوئی

اس حدیث کی صحت پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے چار برکت والی چیزیں آسمان سے زمین پر نازل فرمائیں (۱) لوہا (۲) آگ (۳) پانی (۴) نمک

علماء تفسیر کا دوسرا قول یہ ہے کہ میزان وحدید کے انزال کے معنی پیدا کرنے، بتانے اور تیار کرنے کے لئے ہیں ارشاد ہے: و أنزل لكم من الأنعام ثمانية أزواج (زمر: ٦) ترجمہ: اور اتارے تمہارے واسطے چوپایوں سے آٹھ نر و مادہ۔

سید قطب نے فرمایا ہے کہ انزلناها ،" نُزُل" کے معنی میں ہے یعنی تمہارے لئے تیار کیا، اتارا، عرب کہتے ہیں: امیر فلاں شخص کے یہاں اترا بہت اچھی طرح اترا، اور بعض علماء کا قول ہے، ہم نے اس کو چارا کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا، اور کہتے ہیں میں نے روٹی کھائی اور دودھ پیا۔

تیسرا مسئلہ: امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے میزان کے منافع میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، قسط اور اقساط کے معنی انصاف کے ہیں، انصاف یہ ہے کہ تم دوسرے کے ساتھ انصاف کرو اور اپنے لئے انصاف حاصل کرو، عادل کے معنی ''قاسط'' انصاف کرنے والے کے ہیں ارشاد ہے ان الله يحب المقسطين (ممتحنة: ٩) ترجمہ: بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

اور قاسط کے معنی ظالم وجابر کے ہیں، ارشاد ہے و أما القاسطون فكانوا لجهنم حطباً (الجن: ١٥) ترجمہ: اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے جہنم کے ایندھن۔

اسی طرح حدید میں سخت طاقت وقوت ہے، جنگ کا سارا سامان اسی سے بنتا ہے، اسکے علاوہ لوہے میں بہت سے دوسرے منافع بھی ہیں، ارشاد ہے و علمناه صنعة لبوس لكم (الأنبياء: ٨) ترجمہ: اور اس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس (۱)

حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کو موم کی طرح موڑ کر زرہیں بناتے تھے جو لڑائی میں کام آتی تھیں۔

دنیا کے مصالح یا تو اصول ہیں یا فروع: اصول چار ہیں: زراعت، بُنائی، معماری، اور سلطنت وحکومت

انسان اپنی زندگی میں کھانے، کپڑے اور گھر کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے اس لئے اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ وہ اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ مل کر رہے، اور ہر شخص کسی نہ کسی مہم وذمہ داری کو انجام دے، اور تمام لوگ مل کر معاشرہ کی ضرورت کی

تکمیل کریں۔

لیکن اس اجتماعی نظام میں مزاحمت کا پایا جانا بھی ناگزیر ہے، اس لئے کسی ایسے سلطان یا حاکم کا ہونا بھی ضروری ہے جو امن ونظم کو برقرار رکھے اور ضرر ونقصان سے حفاظت کرے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ اوپر مذکور چاروں اصولوں کے بغیر دنیا میں انسانی مصالح کی نگہداشت نہیں ہوسکتی (۱) التفسیر الکبیر للرازی: ۲۹/۲۴۰، ۲۴۲

قسط اور عدل کا فرق

اللہ تعالی نے کتاب ومیزان نازل کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ لیقوم الناس بالقسط (الحجر: ۲۵) تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔ کیا قسط وعدل میں اختلاف ہے؟

ہم جواب میں کہیں گے کہ قسط کے معنی عدل کے تو ہیں لیکن اس سے مراد وہ ظاہر وواضح عدل ہے جس کے ذریعہ ہر شخص انصاف کا حصول کر سکے اپنا حق پا سکے، اور خود اس پر واجب حقوق کی ادائیگی کر سکے۔

قسط لغت میں عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قسط یقسط قسطا انصاف کرنا، اور قسط کا استعمال ظلم وجور کے معنی میں بھی ہوتا ہے، قسط ایسے کلمات مشترکہ میں سے ہے جو دو متضاد معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، قرآن کریم میں عدل کا استعمال انصاف کے معنی میں ارشاد ہے: لیقوم الناس بالقسط ترجمہ: تاکہ لوگ انصاف پر سیدھی رہیں۔

اور جور وظلم کے معنی میں ارشاد ہے: و أما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا ترجمہ: اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کا ایندھن۔

آیت میں قاسطون سے مراد ظالمین ہیں

دوسری آیت میں قاسطین کو مسلمین کے ساتھ لایا گیا ہے ارشاد ہے و انا منا المسلمون و منا القاسطون فمن أسلم فأولئك تحروا رشدا و أما القاسطون فكانو لجهنم حطبا (الجن: ١٤-١٥) ترجمہ: اور ہم میں کچھ حکم بردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف، سو جو لوگ اسلام لے ائے (حکم میں آ گئے) تو انہوں نے اختیار کر لی نیک راہ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن۔ (۱) یعنی نزول قرآن کے بعد دو طرح کے لوگ ہوئے ایک وہ جنہوں نے احکام الٰہی کو مانا اور نیکی کے راستہ پر پہونچے، اور دوسرے گروہ نے کجروی اختیار کی احکام کو جھٹلایا وہ درزخ کا ایندھن بنے۔

أقسط اور اسکے مشتقات قرآن میں ''عدل'' کے معنی میں مستعمل ہیں، علماء صرف کا قول ہے کہ ہمزہ ازالہ کے لئے ہوتا ہے، أقسط کے معنی ہوں گے کہ اس سے قسط یعنی ظلم ختم ہوگیا، ارشاد ہے فان فاء ت فأصلحوا بينهما بالعدل و أقسطوا ان الله يحب المقسطين (حجرات: ٩) ترجمہ: یعنی ان کے درمیان فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف کو پیش نظر رکھو اور ظلم اگر موجود ہے یا اس کا اندیشہ ہو تو اسے ختم کرو (۲) تفسیر کبیر للرازی دار الاحیاء، التراث العربی ۲۸/۱۲۸۔

اس طرح اقساط عدل کی تکمیل کے لئے ہوگا، اور عدل کے معنی فیصلہ کرنے میں ایجابی پہلو اختیار کرنے کے ہوں گے اور اسقاط کے معنی ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور مشاکل وپریشانیوں تک پہونچنے کے تمام اسباب کو ختم کرنے کے لئے ہوں گے تاکہ ظلم کا اعادہ وتکرار نہ ہو۔

آیت سابقہ کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں اقساط ظلم وجور کے ختم کرنے کو کہتے ہیں (ازالۃ القسط)

اور قاسط ظالم کو کہتے ہیں (۱) تفسیر کبیر للرازی دارالاحیاء، التراث العربی ۱۲۸/۲۸

میرے بیان کردہ معانی کے اس فرق کے مطابق آگے آنے والی آیات سے ان اسباب کی نشاندہی ہوتی ہے جن کے ذریعہ اہل ایمان کے درمیان ظلم کا ازالہ ہوتا ہے، ارشاد ہے انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون (حجرات: ۱۰)

ترجمہ: بیشک مسلمان بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت کریمہ لوگوں کے درمیان ازالہ ظلم کے پانچ اسباب کی طرف اشارہ کرتی ہے:

۱۔ ایسی حقیقی اخوت و بھائی چارگی جس کا دارومدار اللہ تعالی پر ایمان خالص ہو جس کے نتیجہ میں برابری کے حقوق حاصل ہوں، اور اس کے ذریعہ ایسی محبت، الفت اور اخوت تک پہنچا جا سکے، جہاں اہل ایمان ایک جسم اور جان کی شکل اختیار کر لیں۔

۲۔ متخاصم دونوں اطراف کے درمیان، صلح صفائی، باہمی رضامندی، حقوق کی ادائیگی یا معافی تلافی سے ہو۔

۳۔ مسلمانوں کے درمیان ایسے اشخاص ہوں یا محاسبہ کرنے والی اور دائمی اصلاح کرنے والی تنظیمیں ہوں جو باہمی صلح صفائی کے بعد حفاظت ونگہداشت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

۴۔ دلوں میں صفائی اور خوفِ خدا اور تقوی کا دائمی احساس ہو۔

۵۔ لوگوں کے ساتھ رحمت وشفقت، الفت ومحبت کا معاملہ اس بنیاد پر ہو کہ اگر ہم نے اہل زمین کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا تو اللہ تعالی ہمارے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ کرے گا، ارشاد نبوی ہے: ارحموا من فی الأرض يرحمكم من فی السماء (كتاب الترمذی ٦-٥١

ترجمہ: تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا

یہاں یہ اشارہ کرتے چلنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''قسط'' کا ذکر قرآن کریم میں پندرہ مرتبہ ''عدل'' کے معنی میں آیا ہے (۱) آل عمران-۱۸-۲۱۲/النساء ۸-۴۲/المائدۃ ۵۲/الأنعام ۲۴/الأعراف ۴-۴۷/یونس ۵۸/ھود ۴۷/الانبیاء/رحمٰن ۹/الحدید ۲۵) اور لفظ اقسطوا ایک جگہ سورہ الحجرات آیت ۲ میں اور لفظ تقسطوا دو آیتوں نساء ۱۳ اور ممتحنہ ۸ میں

ان تمام آیات میں لفظ ''قسط'' عدل وانصاف اور ظلم وجور وازالۂ اسباب ظلم کے بارے میں ہے۔

القاسطون ظالمین کے معنی میں ہے سورہ جن کی دو آیتوں ۱۴ اور ۱۵ میں

أقسط ازالۂ ظلم کے معنی میں، دو آیتوں بقرہ ۲۸۲ اور احزاب ۵ میں آیا ہے

مقسطین عادلین کے معنی میں تین آیتوں میں آیا ہے المائدہ ۴۲، الحجرات ۹، الممتحنہ ۸

اسی طرح لفظ قسط اور اس کے مشتقات کا ذکر قرآن مجید میں ۲۵ مرتبہ آیا ہے

اس میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اگر لفظ قسط سے مراد عادلانہ حصہ ونصیب ہو تو قسط کا ذکر اس میزان کے ساتھ مناسب ہوگا، جسے حصہ و نصیب کے بیان کے لئے وضع کیا گیا ہے کیونکہ میزان کے اسماء میں ایک اسم قسطاس بمعنی ترازو بھی ہے۔

اور اگر ہم دوسرے پہلو سے دیکھیں تو ''عدل'' ایک بنیادی واصولی قانون ہوگا تا کہ عملی تطبیق کے ذریعہ صاحب حق کو اسکا حق دلوایا جا سکے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے عدل کے بعد قسط کا ذکر قرآن کریم میں مسلمانوں کے درمیان جنگ وقتال کے وقت کیا ہے، ارشاد ہے: فان فاء ت فاصلحوا بينهما بالعدل و أقسطوا ان الله يحب المقسطين (الحجرات: ۹) ترجمہ: پھر اگر پھر آئے تو ملاپ کرا دو ان میں

برابر، اور انصاف کرو بیشک اللہ خوش ہوتے ہیں انصاف کرنے والوں سے۔

یعنی عدل وانصاف کے اصول وقاعدہ کو لازم پکڑو، انصاف کے ساتھ اسے نافذ کرو، اور بلاظلم وتشدد ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کرو۔

یہاں یہ ذکر مناسب ہوگا کہ قسط اور عدل ان کلمات میں سے ہیں اگر ان کا ذکر ایک ساتھ آئے تو معانی جدا جدا ہوتے ہیں اور اگر ان کا ذکر الگ الگ آئے تو ان میں عموم کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔

اگر انفرادی حیثیت سے قسط کا ذکر ہوگا تو اس سے عدل مطلق مراد ہوگا جو مظالم کے ازالہ کے ساتھ ہر صاحب حق کو اس کا حصہ دیئے جانے کے معنی میں ہوگا، اور قسط کا ذکر عدل کے ساتھ ہوگا تو اس سے صرف ازالہ ظلم مراد ہوگا لیکن اگر عدل کو الگ وجدا ذکر کیا گیا تو وہ تحقیق اور ازالۂ ظلم کے معنی پر مشتمل ہوگا لیکن قسط کے ساتھ مل کر ذکر کرنے میں صرف ازالۂ ظلم کے معنی مراد لئے جائیں گے۔

قرنِ اول سے آج تک میزان کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

میزان سے متعلق علماء تفسیر کے بیان کردہ اقوال کا جائزہ لینے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ان بزرگوں نے میزان کے چھ معانی بیان کئے ہیں، ان اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ہم بعض علماء تفسیر کے اسماء گرامی بھی ذکر کریں گے۔

۱۔ عدل کے معنی میں میزان کا استعمال:

جن علماء نے میزان سے عدل مراد لیا ہے ان میں:

۱۔	مقاتل	متوفی ۱۵۰ھ	۲۔	ابن ابی زمنین	متوفی ۳۹۹ھ
۳۔	طبری	متوفی ۳۱۰ھ	۴۔	سمرقندی	متوفی ۳۷۳ھ
۵۔	ثعلبی	متوفی ۴۲۷ھ	۶۔	ماوردی	متوفی ۴۵۰ھ
۷۔	قشیری	متوفی ۴۶۵ھ	۸۔	الواحدی	متوفی ۴۶۸ھ
۹۔	السمعانی	متوفی ۴۸۹ھ	۱۰۔	الرازی	متوفی ۶۰۶ھ
۱۱۔	ابن جزی متوفی ۷۴۱ھ				

ان تمام مفسرین نے سورہ حدید آیت ۲۵ لقد أرسلنا رسلنا بالبينات و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر کے بارے میں فرمایا کہ کتاب سے جنس کتاب مراد ہے اور میزان کے معنی ''عدل'' کے ہیں (۱) موسوعۃ الجامع التاریخی، تفسیر قرآن کریم تالیف متعدد علماء۔

ابوحیان متوفی ۷۴۵ھ نے سورہ رحمٰن کی آیت رقم ۷-۹ و السماء رفعها و وضع الميزان ألا تطغوا في الميزان (رحمن: ۷-۹) ترجمہ: اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں۔ کی تفسیر میں مجاہد، طبری اور دوسرے مفسرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میزان کے معنی عدل کے ہیں، اور ناپ تول کے آلات بھی میزان میں داخل سمجھے جائیں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ نے فرمایا کہ ''تمام اہل عقل وخرد کے نزدیک میزان عدل کے معنی میں ہے اس کی مخالفت چند بے عقل اور بیمار ذہنیت رکھنے والوں نے کی ہے۔

محی الدین ایجیؒ متوفی ۹۰۵ھ اور علامہ سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ کی بھی یہی رائے ہے، ان دونوں نے قتادہ، زکریا انصاری متوفی ۹۲۶ھ اعقم متوفی ۹۹۹ھ، قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ، علامہ رشید رضا متوفی ۱۳۵۴ھ مراغی متوفی ۱۳۷۱ھ ان علماء کی آراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اللہ تعالی نے ''عدل'' کا نزول اس لئے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ اللہ تعالی کے نازل کردہ فرمان میں مذکور حکم کے مطابق کیا جائے۔

سید قطب متوفی ۱۳۸۷ھ نے عدل کو میزان کا نتیجہ بتلایا ہے، ابن عاشور متوفی ۱۳۹۳ھ نے سورہ حدید کی آیت ۲۵ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''میزان'' کو عدل وہدایت کے معنی میں استعارتاً استعمال کیا گیا ہے۔

جواد مغنیہ متوفی ۱۴۰۰ھ، الطبطبائی متوفی ۱۴۱۲ھ، مکی الناصری متوفی ۱۴۱۵ھ ان علماء نے فرمایا کہ آیت حدید ۲۵ میں مذکور میزان کو رمزاً عدل الٰہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اور میزان کو کتاب پر عطف کرنے میں یہ معنی ہوئے کہ عدل ہی بلند مقصد اور آخری غایت ہے۔

امام شعراوی متوفی ۱۴۱۹ھ اور ابن عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ نے سورہ رحمٰن کی آیت ۷ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ میزان سے مراد دو پلے والی ترازو نہیں ہے بلکہ یہاں مراد عدل ہے، ان دونوں مفسرین نے سورہ حدید کی آیت ۲۵ کی شرح میں بھی یہی فرمایا ہے کہ اس آیت میں بھی میزان سے مراد عدل ہے، اور تمام معاملات میں قیاس واندازہ کرنا ہے۔

جمہور مفسرین نے سورہ شوریٰ، حدید اور رحمٰن میں مذکور میزان کی تفسیر ''عدل'' سے کی ہے، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، میزان کی تفسیر عدل سے کرنے میں ''بعد'' لازم آتا ہے، خاص طور پر سورہ حدید میں کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے کتاب اور عدل کو نازل کیا تا کہ لوگ ''قسط'' یعنی عدل پر قائم ہوں۔

۲۔ حکمت کے معنی میں میزان کا استعمال

امام ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے میزان کے معنی حکمت بیان کئے ہیں فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ میزان کو حکمت کے معنی میں استعمال کیا جائے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ میں و یعلمهم الکتاب و الحکمة ارشاد فرمایا ہے، کتاب کے ذریعہ افعال واقوال کی حدود کا تحفظ اور حکمت سے لوگوں کے درمیان انصاف، امام ماتریدی نے یہ بھی فرمایا کہ حکمت سے مراد کتاب اللہ میں ودیعت کئے گئے معانی بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ مادی ترازو کے معنی میں میزان کا استعمال

جن علماء کرام نے میزان سے مادی ترازو مراد لیا ہے ان میں امام ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ بھی ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ومحتمل ہے کہ میزان سے مراد مادی ترازو ہو، جس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی، اموال کی حفاظت اور حد بندی ہو، یہ معنی لینے میں اللہ تعالی کے فرمان و أنزلنا معهم الکتاب (اور ہم نے انبیاء کے ساتھ کتاب اتاری) جس سے دین اور اس کے حدود کی حفاظت ہوتی ہے ''والمیزان'' اور ترازو اتاری جس سے اموال کی حد بندی ونگہداشت ہوتی اور حقوق میں کمی وزیادتی نہیں ہوتی، واللہ أعلم!

امام ماوردی متوفی ۴۵۰ھ اور امام غزالی متوفی ۵۵۰ھ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تین چیزوں کتاب، میزان اور حدید کو نازل فرمایا، لوگ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں، بعض لوگوں کی اصلاح کتاب سے ہوتی ہے، ایسے اشخاص کے لئے میزان اور حدید کی ضرورت نہیں ہوتی، دوسری قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کی اصلاح میزان سے ہوتی ہے، ان کے لئے حدید یعنی قوت وطاقت کی حاجت نہیں ہوتی، تیسرے وہ لوگ

جن کا علاج صرف حدید سے ہوتا ہے، قوت وطاقت کے استعمال کے بغیر وہ اپنے پر واجب حقوق کو ادا نہیں کرتے۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں کہ ''پھر اللہ تعالی نے عدل کا ذکر کیا اور عدل کے لئے اہم چیز میزان کو بیان فرمایا تا کہ لوگ کتاب پر عمل کریں، اور کتاب میں دیئے گئے احکام پر بذریعہ میزان عمل پیرا ہوں، امام رازی نے سورہ حدید اور سورہ رحمٰن کی آیتوں سے استدلال کیا اس سے پہلے بھی اس کا بیان آچکا ہے۔

مجاہد متوفی ۱۰۴ھ اور مقاتل متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے کہ میزان وہ آلہ جس کے ذریعہ وزن کیا جائے اور أنزل الميزان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بذریعہ الہام مخلوق کو میزان کے بارے میں بتلایا تا کہ سمجھ کر اس کے مطابق وزن کریں۔

تفسیر قرطبی میں سورہ شوریٰ کی آیت ۱۷ اور ابن جزی متوفی ۷۴۱ھ نے سورہ حدید کی آیت ۲۵ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس سے وزن کیا جائے اسے میزان کہتے ہیں، حضرت جبرئیلؑ میزان لے کر اترے اور حضرت نوح علیہ السلام کو وہ میزان دی اور کہا کہ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس سے وزن کریں۔

امام نیساپوری متوفی ۸۵۰ھ، امام محی الدین ایجی متوفی ۹۰۵ھ، امام زکریا انصاری متوفی ۹۲۶ھ، امام ابن عاشور متوفی ۱۳۹۳ھ ان علماء کرام نے اللہ تعالی کے فرمان و نضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا (الأنبياء:٤٧) ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ موازین کی مراد کے بارے میں علماء سلف میں اختلاف رہا ہے کہ اس سے میزان حقیقی مراد ہے یا میزان مجازی، جمہور علماء کا قول ہے کہ یہاں میزان سے حقیقی ترازو مراد ہے، اللہ تعالی حشر کے دن بندوں کے ایمان کا وزن کرنے کے لئے دنیاوی ترازو کی طرح متعدد ترازوئیں قائم کریں گے۔

بعض علماء سلف کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کے لئے ہر شخص کی الگ الگ ترازو قائم کریں گے سورہ انبیاء کی آیت: و نضع الموازين القسط (الأنبياء:٤٧) ترجمہ اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور فأما من ثقلت موازينه فهو في عيشة راضية (القارعة:٦-٧) ترجمہ: جس کا پلّہ بھاری ہوگا وہ خاطر خواہ اکرام میں ہوگا۔

دونوں آیتوں میں موازین جمع کے صیغہ کے ساتھ آنے سے یہی معنی ظاہر ہوتے ہیں، علماء سلف میں بعض کا یہ بھی قول ہے کہ بندوں کے عمل کا وزن کرنے کے لئے ایک ہی ترازو ہوگی، اور ہر بندہ کے ایمان کا وزن علیحدہ کیا جائے گا، اور وہ ترازو حضرت جبرئیلؑ کے ہاتھ میں ہو گی اور موازین بصیغہ جمع کا یہ مطلب ہوگا میزان تو ایک ہی ہوگی لیکن اس پر مختلف اعمال کا وزن کیا جائے گا، اس سے متعلق آثار میں میزان عام کہا گیا ہے اس لئے یہ کہنا ضروری ہے۔

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آخرت کی میزان، دنیاوی میزان سے مختلف ہوگی صرف ظاہر میں مشابہت ہوگی۔

۴۔ باقی وثابت معنوی میزان:

سید قطب شہید متوفی ۱۳۸۷ھ ظلال القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء ورسولوں نے یہ بتلایا ہے کہ ہماری رسالت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ زمین اور لوگوں کی زندگی میں ایک ایسا باقی وثابت میزان پہونچائیں کہ انسانیت اس کی مدد سے خواہشات نفسانی، باہمی اختلافات، مصالح کے تصادم اور زندگی کی پر پیچ راہوں میں لوگوں کی رہنمائی کر سکے، لوگوں تک اللہ تعالی کا برحق پیغام پہونچائے، کسی پر ظلم وستم نہ ہونے دے، اور بتلائے کہ اللہ تعالی سب کا برحق رب ہے۔(۱) فی ظلال القرآن سید قطب

۵۔ کتاب ومیزان ہم معنی

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کتاب ومیزان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں (۲) الجامع تفسیر القرآن الکریم آیت ۲۵ سورہ حدید)

۶۔ میزان کی تفسیر عقل یا اس سے جس کی گواہی عقل سلیم دے

شیخ زکریا انصاری متوفی ۹۲۶ھ اور شیخ قاسمی متوفی ۱۳۳۶ھ دونوں نے کہا کہ میزان کے معنی ''عقل'' اور ایک ایسے حق کے ہیں کہ ہر عقل سلیم رکھنے والا اسے جانتا اور تسلیم کرتا ہے۔

قیامت کے دن موازین قسط سے متعلق مفسرین کے اقوال

قرآن کریم میں لفظ موازین کی سات مرتبہ تکرار ہے: و نضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا و ان كان مثقال حبَّةٍ من خردل أتينا بها و كفى بنا حاسبين (الأنبياء: ٤٧) ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

و الوزن يومئذ الحق فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون و من خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم بما كانوا بآياتنا يظلمون (الأعراف: ٨-٩) ترجمہ: اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا، پھر جس کا پلہ بھاری ہوگا تو وہی لوگ کامیاب ہیں، اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا سو وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

فاذا نفخ فى الصور فلا أنساب بينهم يومئذ و لا يتسآء لون فمن ثلقت موازينه فألئك هم المفلحون و من خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم فى جهم خالدون (المؤمنون: ١٠١-١٠٣) ترجمہ: پھر جب قیامت میں صور پھونکا جائے گا تو باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کسی کو کوئی پوچھے گا جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ لوگ کامیاب ہوں گے اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا تو وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

فأما من ثقلت موازينه فهو فى عيشة راضية و أما من خفت موازينه فأمه هاوية (القارعة: ٦-٩) ترجمہ: (پھر وزن اعمال کے بعد) جس کا پلہ بھاری ہوگا وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہوگا دہکتی ہوئی آگ۔

مقاتل متوفی ۱۵۰ھ نے فرمایا کہ اعمال کو موازین قسط میں تولنے کے لئے رکھیں گے۔

یحی بن سلام متوفی ۲۱۰ھ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ نضع الموازين القسط میں قسط کے معنی عدل کے ہیں پھر میزان سے متعلق یہ حدیث بیان کی کہ حماد نے ان سے ثابت البنانی نے، ان سے ابوعثمان نہدی نے وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میزان کو بروز قیامت نصب کیا جائے گا، وہ اتنی بھاری ہوگی کہ اگر اس کو آسمانوں اور زمین کے ساتھ پلّے میں رکھ دیا جائے تو دونوں کو کافی ہو جائے، ملائکہ اللہ تعالی سے پوچھیں گے کہ اے پروردگار یہ کیا ہے؟ اللہ تعالی فرمائے گا کہ اپنے بندوں میں سے میں جس کا چاہوں کا وزن کروں گا (۱) تفسیر مقاتل آیت ۲۵ الحدید آیت ۴۷ الانبیاء

عبدالرزاق صغانی متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی تفسیر میں قسط کے معنی عدل بیان کئے ہیں مجاہد نے عبدالصمد سے انہوں نے وہب سے روایت کیا ہے کہ موازین سے خواتم اعمال کا وزن کیا جائے گا، لیکن جمہور علماء کا قول راجح ہے کہ تمام اعمال کا وزن کیا جائے گا ارشاد ہے: فلا تظلم نفس شيئا و ان كان مثقال حبَّةٍ من خردل أتينا بها و كفى بنا حاسبين (الأنبياء: ٤٧) ترجمہ: اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر کسی کا

عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کردیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

یہ آیت اور ہماری ذکر کردہ دوسری آیات سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے، علامہ طبری اپنی تفسیر میں سورہ انبیاء کی مذکورہ آیات سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے روشنی میں فرماتے ہیں کہ: اچھے اور برے تمام اعمال کا فیصلہ حق وانصاف سے ہوگا، جس کی حسنات نے سیئات کو ڈھاک لیا اس کی میزان بھاری ہوگی، کہا جاتا ہے کہ اس کی اچھائیوں نے برائیوں کو ختم کردیا، اور جس کی برائیوں نے حسنات کو ڈھاک لیا تو اس کی ترازو ہلکی ہوگی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا و أمه هاوية ۔

امام ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ، حسن بصری کے قول کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ترازو کے دو پلے ہوں گے جن میں حسنات اور سیئات کو تولا جائے گا جس کی تولیں بھاری ہوں گی (فمن ثقلت موازينه) جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی تولیں ہلکی ہوں گی وہ دوزخ میں داخل ہوگا، اور حسن بصریؒ کے علاوہ اہل تاویل کا قول ہے کہ موازین سے مراد بذات خود حسنات اور سیئات ہیں جس کی اچھائیاں برائیوں پر غالب ہوئیں وہ جنت میں اور جس کی برائیاں اچھائیوں سے زیادہ ہوئیں وہ دوزخ میں جائے گا (۲) تفسیر الماتریدی آیت ۸ سورہ اعراف

پھر امام ماتریدیؒ نے دونوں اقوال کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ: حسن بصریؒ کا قول اس لئے راجح نہیں ہے کیونکہ خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے: پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانے والے (فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون (اعراف:۸) جب ترازو کا ایک پلہ بھاری ہوگا تو دوسرا ہلکا ہوگا اور اگر ایک ہلکا ہوگا تو دوسرا بھاری ہوگا، تو ہر ایک کی ترازو کے دو پلوں میں سے ایک بھاری ہوگا اور ایک ہلکا و من خفت موازينه فأئلك الذين خسروا أنفسهم بما كانوا بآياتنا يظلمون (الاعراف:۹) اور جس کی تولیں ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

امام ماتریدیؒ نے اہل تاویل کے قول پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اہل تاویل کا قول بھی راجح نہیں ہے کیونکہ آیت قرآنی اہل ایمان اور کفار کے درمیان ہے، مؤمن کے ساتھ کوئی برائی اور کافر کے ساتھ کوئی نیکی راجح نہیں ہوسکتی، یہ کہا جاسکتا ہے کہ مؤمن کی حسنات کا وزن کیا جائے گا اور حسنات وسیئات میں تقابل ہوگا، ایمان کے ساتھ تقابل نہیں ہوگا، اسی طرح کافر کی سیئات کا حسنات سے تقابل ہوگا، یہ تقابل شرک و مشرک میں نہیں ہوگا، اور کفار کی دنیا میں کی گئی حسنات دنیا میں اس پر کئے گئے انعامات کے بدلے میں ختم ہوجائیں گی۔

ان اقوال کے علاوہ امام ماتریدیؒ تیسرا قول نقل کرتے ہیں کہ ''میزان سے مراد وہ کتاب بھی ہوسکتی ہے جسے اہل ایمان کے سیدھے ہاتھ میں اور غیر مؤمنوں کے بائیں ہاتھ یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا، یہ وہی کتاب ہوسکتی ہے جسے عدل وانصاف سے وزن کیا جائے گا۔(۱) تفسیر الماتریدی

چوتھا قول امام ماتریدی یہ نقل کرتے ہیں کہ میزان سے مراد عدل کا قائم کرنا ہے، اسلئے کہ اللہ تعالی نے موازین قسط فرمایا ہے القسط نہیں فرمایا۔

امام ماتریدی نے اللہ تعالی کے فرمان و الوزن يومئذ الحق کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس دن بدلہ ملنا بالکل برحق ہوگا، ایک قول یہ بھی ذکر کیا کہ وزن سے مراد حد بندی کرنا اور اندازہ لگانا اور قیاس کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

مکی بن ابی طالب قیسی متوفی ۴۳۷ھ نے فرمان الٰہی و نضع الموازين القسط کی شرح میں سابقہ مذکور اقوال کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حزم متوفی ۴۳۷ھ نے فرمایا کہ جن کی ترازوئیں برابر ہوں گی وہ اہل اعراف ہوں گے۔

امام رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ نے و نضع الموازين القسط کی تفسیر میں متعدد مسائل بیان کئے ہیں۔

پہلا مسئلہ: میزان کو وضع کرنے سے مراد انہیں حاضر کرنا ہے، فراء نے کہا ہے کہ قسط موازین کی صفت ہے۔

دوسرا مسئلہ: وضع موازین سے متعلق دو قول ہیں:

پہلا قول: مجاہد نے کہا کہ یہ ایک مثال ہے اور اس سے مراد عدل ہے۔

دوسرا قول: ائمہ سلف کا ہے، اللہ تعالی حقیقی موازین رکھیں گے، جن سے اعمال کا وزن ہوگا، حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک ترازو ہو گی اس کے دو پلے ہوں گے، ایک زبان ہوگی، وہ ترازو حضرت جبرئیل کے ہاتھ میں ہوگی۔

امام قرطبی متوفی ۶۷۱ھ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ موازین میزان کی جمع ہے پھر چند اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) کہا گیا ہے کہ ہر مکلّف بندہ کی ایک ترازو ہوگی جس سے اس کے اعمال تولے جائیں گے، ایک پلہ میں اس کی حسنات کو اور دوسرے پلے میں اس کی سیئات کو رکھا جائیگا۔

(۲) ہر شخص کے عمل کو تولنے کے لئے مختلف ترازوئیں ہوں گی اور ہر ترازو سے اس کے اعمال کی ایک صنف کو تولا جائے گا۔

(۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترازو ایک ہی ہوگی لیکن اسے لفظ جمع سے بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد قرطبیؒ نے اور بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے اکثر کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے۔

علامہ ابن جزی متوفی ۷۴۱ھ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ قیامت کے دن ایک حقیقی ترازو ہوگی، اس کے دو پلے ایک زبان اور ایک ستون و پایہ ہوگا، اس ترازو سے اعمال کی صفت وثقل کا اسطرح وزن کیا جائے گا جیسے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے، یا صحف اعمال کا وزن ہوگا، جس چیز کا وزن اللہ تعالی کرنا چاہیں، معتزلہ کہتے ہیں کہ بروز قیامت میزان سے مراد بدلہ دینے میں عدل کا لحاظ وخیال رکھنا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ موازین کے معانی میں علماء تفسیر کا اختلاف ہے، راجح قول یہی لگتا ہے کہ میزان حقیقی ہوگی لیکن اس کی کیفیت کا ذکر نہ تو قرآن کریم میں ہے اور نہ صحیح احادیث میں، ہمیں اس کی حقیقت کا کوئی یقینی علم نہیں، اس لئے ہم اسے اللہ تعالی کے علم حقیقی کے سپرد کرتے ہیں، موازین سے متعلق آیات کریمہ سے جو قطعی ویقینی بات سمجھ میں آتی ہے وہ ان موازین کو عدل وانصاف کی تحقیق کے لئے اس طرح رکھنا ہے کہ رائی کے دانے کے برابر بھی کسی پر کوئی ظلم نہ ہو۔

سنت نبویؐ میں میزان کا تذکرہ

احادیث نبویہ میں بار بار میزان اس کے مشتقات کا ذکر ہے، تمام احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ میزان سے یا تو مادی چیزوں کا یا معنوی چیزوں کا وزن ہوگا، اور میزان دنیوی ہوگی یا اخروی، میزان مکیال یعنی ناپنے یا وزن کرنے کے پیمانہ کے مقابلہ میں بھی احادیث میں آیا ہے، یا میزان آخرت والی ترازو یا وہ میزان ہے جو اللہ تعالی کے پاس ہے۔

امام بخاری اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے محدثین نے اپنی اپنی سند سے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے ہاتھ میں ترازو ہوگی جو جھکے گی اور بلند ہوگی (۱) صحیح البخاری مع الفتح کتاب التفسیر ۳۵۲/۸

و المیزان بید الرحمن ترازو اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہوگی

امام بخاری نے اپنی صحیح کا آخری باب و نضع الموازین القسط لیوم القیامة باندھ کر آخری حدیث رقم ۷۵۶۳ بیان فرمائی ہے۔

(۱) امام بخاریؒ نے یہ باب باندھ کر اور اس حدیث کو ذکر کر کے یہ نیک فال لیا ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی ترازو بھی بھاری ہوگی اور

انہوں نے کتاب کو تسبیح تنزیہ وتحمید پر ختم فرمایا ہے، یہ براعۃ الاختتام ہے کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم (البخاری ۳ /۵۳۷) ترجمہ: دو کلمے ہیں جو اللہ تعالی کو پیارے، زبان پر ہلکے اور میزان میں بحیثیت ثواب زیادہ ہیں اور وہ سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم ہیں

لفظ میزان کی تکرار احادیث نبویہ ان کی شارح کتابوں میں کبھی نکرہ کبھی معرفہ، کبھی مفرد کبھی جمع ۱۵۰۰ بار ہوئی ہے (۲) موسوعۃ الحدیث النبوی الشریف

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی میں میزان کبھی عدل کبھی مادی ترازو جس سے اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے، یا کبھی میزان معنوی جس سے اخلاق وقیم کو جانچا پرکھا جاتا ہے، کبھی میزان سے بروز قیامت اعمال، اشخاص، نامۂ اعمال کا وزن کرنا مراد لیا جاتا ہے، اور کبھی جیسا کہ لغت میں اس کے معنی آتے ہیں چیزوں کے اوزان معلوم کرنے کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے، اسی طرح میزان کو فطرت سلیمہ اور عقل مستقیم کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

اکثر مفسرین نے اوپر مذکور معانی کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، اور جنہوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے بھی تفصیل وتشریح نہیں کی ہے۔

میزان پر اور قیامت کے دن اعمال کے وزن کئے جانے پر ایمان اسلامی عقیدہ کا جزء ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: و نضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا و ان كان مثقال حبَّةٍ من خردل أتينا بها و كفى بنا حاسبين (الأنبياء:٤٧) ترجمہ: اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر اور کسی پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کردیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے: فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون و من خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم فى جهنم خالدون (المؤمنون: ۱۰۲-۱۰۳) ترجمہ: جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا تو وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

علماء کرام نے فرمایا کہ جب حساب کا مطالبہ ہوگا تو اس کے بعد اعمال کا وزن ہوگا، اس لئے کہ وزن محاسبہ کے بعد ہوگا، جو اعمال کی جزا وسزا کے لئے ضروری ہے، محاسبہ اثبات اعمال کے لئے اور وزن مقادیر کے بیان کے لئے تاکہ مقادیر کے مطابق جزا وسزا ہو سکے اور عدل کا اظہار ہو سکے (۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ، صدرالدین الحنفی السعودیۃ ۱۹۹۴ء

شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے کہ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا وزن کرنے والی ترازو کے دو حسی پلے ہوں گے جن میں اعمال کا وزن ہوگا، تاکہ اللہ تعالی کے کامل وشامل عدل کا اظہار ہو سکے (۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ صدرالدین حنفی احمد شاکر سوریہ ۴۴۷

سابقہ بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بروز قیامت میزان کا ہونا برحق، اس پر ایمان لانا واجب ہے، امت کا اسی پر اجماع ہے، میزان کے بارے میں علماء کا جو اختلاف ہے وہ اس کے تعدد اور نوعیت کے بارے میں ہے، ابتک ہم نے بہت سے مفسرین کے اقوال بیان کئے ہیں اگر ان میں مزید مفسرین کے اقوال کا اضافہ کردیا جائے تو علماء کی آراء کا خلاصہ درج ذیل مسائل میں ہوگا:

اول مسئلہ: علماء میں اختلاف ہے کہ میزان ایک ہوگی یا مختلف موازین ہوں گی۔

الف: علماء کی جماعت کی رائے ہے کہ تمام لوگوں کے اعمال کا وزن کرنے کے لئے ایک ہی ترازو ہوگی، اور جمع کے صیغہ کے ساتھ موازین آنے کے یہ معنی ہوں گے کہ اس میزان میں مختلف اشخاص کے متعدد اعمال تولے جائیں گے، حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ فرمان الٰہی و من خفت موازینه سے مراد متعدد اعمال ہیں۔

ب: دوسرے علماء کا قول ہے کہ متعدد موازین ہوں گی، اس کی شرح پہلے گذر چکی ہے۔

دوم مسئلہ: علماء کے درمیان موازین کی نوعیت میں بھی اختلاف ہے۔

الف: اہل سنت کا یہ قول ہے کہ قیامت کے دن میزان حقیقی ہوگی، اس کے دو پلے اور زبان ہوگی اس سے اعمال کا وزن کیا جائے گا، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے مطالعہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اس کی تفصیلات میں بھی علماء کا اختلاف ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

ب: معتزلہ نے حسی و معنوی میزان سے، اعمال کا وزن کرنا مستحیل قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ میزان سے مراد عدل الٰہی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اعمال اعراض ہیں، اور عرض کا قیام بلا جسم کے متحمل ہے۔

معتزلہ کی یہ تفصیل فقہ المیزان کے مخالف ہے، اس لئے کہ قیامت کی موازین، دنیاوی موازین سے مختلف ہوں گی، غائب کا قیاس موجود پر کرنا عموماً قیاس باطل ہوتا ہے، البتہ میزان کی تفسیر عدل الٰہی اور قضاء الٰہی سے کرنا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ یہ بعض علماء سلف کا قول ہے۔

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ بعض علماء سلف نے میزان کو عدل و قضاء کے معنی میں لیا ہے، طبریؒ نے ابن ابی نجیح کی سند سے امام مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالی کے فرمان و نضع الموازين القسط ليوم القيامة میں موازین ایک تمثیل ہے، جس طرح اعمال کا وزن کرنا جائز ہے اسی طرح ان میں کمی کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح امام طبریؒ نے لیث بن ابی سلیم کی سند سے امام مجاہد سے جو روایت بیان کی ہے اس میں موازین سے عدل مراد لیا ہے، راجح قول حفاظ حدیث کے قول کے مطابق جمہور کا ہے۔

سوم مسئلہ: قیامت کے دن میزان میں رکھ کر جس چیز کو تولا جائے گا اس میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں

۱۔ میزان میں اعمال کو تولا جائے گا، اعمال اجسام نہیں اعراض ہیں لیکن اللہ تعالی بروز قیامت ان کو اجسام میں تبدیل فرما دے گا، امام بغویؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ قول نقل فرمایا ہے، بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ: ان البقرة و آل عمران تأتيان يوم القيامة كأنهما غمامتان أو غيايتان أو فرخان من طير صواف (فتح الباری ط، ملئية القاهرة، ۳۸۹/۳-۳۹۰) ترجمہ: سورہ بقرہ اور آل عمران دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی گویا کہ وہ دو بادل، دو سائبان یا پر کھلے پرندوں کے بازوؤں کی طرح ہوں گی۔

اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ قیامت کے دن قرآن کریم ایک نوجوان کی شکل میں بندہ کے پاس آئے گا، بندہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں قرآن ہوں جس نے تجھے رات میں جگایا اور دن میں پیاسا رکھا''۔

سوال قبر سے متعلق حدیث میں ہے کہ مؤمن کے پاس ایک حسین و جمیل، خوشبو میں بسا ایک نوجوان آئے گا وہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں تیرا نیک عمل ہوں، کافر اور منافق کے بارے میں اس کے برعکس آیا ہے۔ (فتح الباری السلفیۃ ۱۳۰-۲۰۸)

علامہ حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ اعمال کا اجسام میں تبدیل ہونا برحق ہے، بروز قیامت اعمال، میزان کے وقت اجسام میں تبدیل ہو

جائیں گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ صحیفہ اعمال کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث البطاقہ میں آیا ہے پہلے اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ صاحب اعمال کا وزن کیا جائے گا، حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک موٹے تازے شخص کو لایا جائے گا، اللہ تعالی کے یہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، پھر حضورﷺ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا کہ کیا تم ان کی پتلی پنڈلیوں پر تعجب کرتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، ترازو میں ان پنڈلیوں کا وزن احد پہاڑ سے زیادہ ہوگا۔ (ابن کثیر ۳۲۰/۳)

علامہ حافظ ابن کثیر نے ان احادیث کے ذکر کے بعد فرمایا کہ ان احادیث وآثار میں جو کچھ آیا ہے سب صحیح ہے، کبھی اعمال کا وزن، کبھی صحیفہ اعمال کا وزن ہوگا، اور کبھی خود عمل کرنے والا کا وزن ہوگا۔

محقق علماء کی ایک بڑی جماعت نے اعمال کے وزن کئے جانے والے قول کو ترجیح دی ہے، علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ''صحیح یہی ہے کہ وزن اعمال کا ہوگا''

ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری کسی چیز کو ترازو میں نہیں رکھا جائے گا۔ (ترمذی: ج ۲، ص ۲۰۰ اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہے)

حضرت جابرؓ نے فرمایا اور اسے مرفوع بیان کیا کہ قیامت کے دن ترازوئیں رکھی جائیں گی اور ان میں اچھائیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے گا، جس کی اچھائیاں برائیوں پر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی زیادہ ہوں گی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور اگر برائیاں اچھائیوں پر ایک رائی کی دانہ کے بقدر کم ہوں گی تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا، حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اگر دونوں برابر ہوئیں تو فرمایا کہ وہ لوگ اعراف میں ہوں گے۔ (حافظ فی الفتح: ۵۳۹/۱۳)

دوسری بہت سی صحیح وحسن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن کرنے کے لئے میزان ہوگی اور اس کے دو پلے ہوں گے (البخاری الأدب المفرد ۵۴۸)

امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے بہت سے نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں اعمال کا وزن کیا جائے گا، اور موازین بھاری بھی ہوں گی اور ہلکی بھی ہوں گی (مسلم جلد ۲، ص ۴۵۶-۴۵۷)

علامہ ابن حجر کا قول ہے کہ دو جماعتوں کو بلا حساب اور بلا وزن جنت میں اور دوزخ میں داخل کیا جائے گا، کفار میں سے وہ شخص بلا حساب کتاب اور اعمال کے وزن کے دوزخ میں داخل ہوگا جس نے کفر کے علاوہ کوئی اور گناہ نہ کیا ہوگا، اور مومنین میں سے وہ شخص جس نے کوئی برائی نہ کی ہوگی اور خالص ایمان کے علاوہ اس کی بہت سی نیکیاں ہوں گی، وہ بلا حساب وبلا وزن جنت میں داخل ہوگا، جیسا کہ ستر ہزار کے قصے میں ہے اور اللہ تعالی جس کو چاہے گا ان کے ساتھ شامل کرے گا۔ (فتح الباری ۵۳۷/۲)

میزان کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال:

علامہ ابن تیمیہؒ نے میزان کے معنی، صحیح قیاس، عدل اور وزن کئے جانے والے پیمانہ کے بتلائے ہیں، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اس نے کتاب اور میزان کو نازل فرمایا ہے'' اسلاف امت کی ایک بڑی جماعت کا قول ہے کہ میزان کے معنی عدل کے ہیں، بعض فقہاء کا یہ

بھی قول ہے کہ میزان وہ پیمانہ ہے جس سے وزن کیا جاتا ہے، اس سے مقصود عدل ہے، اللہ تعالی نے میزان کے نازل کرنے کی غرض وغایت یہی بیان فرمائی ہے کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں (لیقوم الناس بالقسط) اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ دلوں میں میزان کو نازل کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ میزان سے واقف ہوں یعنی کسی چیز کا اعتبار، اسی کی نظیر دوسری چیز سے کیا جائے۔(۱) جامع المسائل، ابن تیمیہ

علامہ ابن تیمیہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ کتاب اور میزان دو منزلیں ہیں تو نہ یہ جائز ہوسکتا ہے کہ میزان میں تناقض سے کتاب میں تناقض ہو اور نہ ہی یہ جائز ہوسکتا ہے کہ کتاب اور میزان میں تناقض ہو، کیونکہ نصوص صحیحہ اور صحیح قیاس کی دلالت میں کبھی تناقض نہیں ہوسکتا۔(جامع المسائل: ابن تیمیہ)

علامہ ابن قیمؒ نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے درمیان تناقض ممکن نہیں اسی طرح کتاب اور میزان صحیح کے درمیان تناقض نہیں ہوسکتا۔(اعلام الموقعین :۱/ ۳۳)

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں تحریر کیا ہے کہ قرآن کریم میں میزان کے اتارنے کا تذکرہ ہے جمہور مفسرین نے میزان کے معنی عدل کے لئے ہیں۔

امام مجاہد کا قول ہے کہ: میزان وہ پیمانہ ہے جس سے وزن کیا جاتا ہے۔

ان دونوں اقوال میں کوئی تناقض نہیں ہے، اس لئے کہ عدل اور جس کے ذریعہ عدل کی معرفت حاصل ہو وہ قلوب انسان میں نازل کردہ چیز ہے۔(مجموع الفتاوی:۱/ ۳۳)

علامہ ابن تیمیہؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وہ میزان جسے اللہ تعالی اپنے بندوں کے قلوب میں نازل فرماتا ہے، حضورﷺ کے ارشاد سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے، حضورﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو عہدۂ قضا کو نہ تو طلب کرے اور نہ ہی اس کی طلب میں کسی کی مدد لے، تو فرشتہ اسے صحیح راستہ دکھلاتا ہے''۔

یہی معنی صحیحین میں حضرت حذیفہؓ کی روایت سے معلوم ہوتے ہیں کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں نازل کی گئی ہے، پھر لوگ کتاب اللہ اور سنت سے، جانکاری حاصل کرتے ہیں۔(بخاری مع الفتح ۱۱/ ۳۳۲، مسلم حدیث ۱۴۲)

علامہ ابن تیمیہؒ فرقہ ظاہریہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میزان کے صحیح معنی کی معرفت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے، یہ فرقہ غلطی کا شکار ہوا، ان میں سے بہت سے لوگوں نے ظاہری نص پر حکم لگایا، لیکن اس نص کی دلالت کیا ہے اسے وہ سمجھ نہ سکے، اس طرح انہوں نے کتاب اور میزان کی معرفت میں تقصیر کی ہے۔(جامع المسائل ۲/ ۲۴۲)

علامہ ابن تیمیہؒ کے اس قول پر کہ میزان کے معنی ''عدل'' کے ہیں، ہماری تعلیق ہے کہ میزان کے معنی عدل کے کرنے سے بعد لازم آتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے نزول میزان کا مقصد یہ بتلایا کہ اسی سے عدل متحقق ہو، اور جب میزان خود عدل ہے، تو اس کے ذریعہ عدل کا حصول تحصیل حاصل ہوگا۔

اسی طرح میزان کی تفسیر قیاس سے کرنا بھی مناسب نہیں لگتا، کیونکہ اللہ تعالی نے تحقیق عدل کو، کتاب میزان اور حدید تینوں سے مربوط ذکر فرمایا ہے، اس لئے صرف ایک چیز سے اس کی تفسیر کرنا درست نہیں لگتا، لیکن مطلوب ومقصود عدالت کا تحقق کتاب اور اس سے متعلق چیزوں سے ہوسکتا ہے، صرف قیاس کے ذریعہ اس کا وقوع نہیں ہوگا، اسی طرح میزان کی تفسیر قیاس سے کرنا بھی درست نہ ہوگا، اس لئے کہ میزان کو

کتاب کے ساتھ نازل فرمایا گیا ہے، کتاب اللہ شرعی اور قیاس دلیل عقلی ہے جسے احکام شرعیہ پر سند مانا جاتا ہے۔

البتہ علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ قول کہ میزان کا نزول اللہ تعالی کے نیک وصالح بندوں پر ہوتا ہے، یہ ایک معقول بات ہے، ہم اس پر یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ میزان کا ادراک فطرت سلیمہ اور عقول سلیمہ کے ذریعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

فقہ المیزان کی تعریف کا خلاصہ اور بحث کا اصل مقصود:

قرآن کریم، حدیث نبوی اور کتب لغت کے مطالعہ سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''میزان'' کا استعمال متعدد معنی میں ہوتا ہے، ان میں سے اہم حسب ذیل ہیں:

اشیاء کو تولنے اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے میزان کا استعمال جیسے گرام، کلو، ٹن، مثقال اور وہ تمام پیمانے جن سے دوسری چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے، سونا، چاندی، بجلی اور پانی وغیرہ۔

میزان کے معنی عدل وانصاف کے بھی ہیں، جس سے زندگی میں استقامت حاصل ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ میزان اور اوزان کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف ہو، لوگوں کے درمیان اگر وزن میں اختلاف ہو تو میزان ان کے درمیان فیصلہ کرے، مثلاً اگر بائع کہے کہ میرے گیہوں کا وزن دس کلو ہے اور مشتری وزن سات کلو بتلائے تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے ترازو سے وزن کریں گے اور صحیح وزن معلوم ہو جائے گا، یا بائع کہے کہ میرا کپڑا تمہاری تلوار سے قیمتی ہے، اور مشتری کہے کہ میری تلوار کپڑے سے زیادہ قیمت کی ہے، اس اختلاف کی صورت میں دونوں کسی ماہر جانکار کی طرف رجوع کریں گے، یا بازار میں اصل قیمت معلوم کریں گے، اس طرح میزان کے ذریعہ کپڑے اور تلوار کی اصل قیمت دریافت ہو جائے گی، مثلاً کپڑا دس درھم اور تلوار پندرہ درھم قیمت رکھتی ہے، اسی طرح بجلی اور پانی وغیرہ ناپنے کے پیمانوں کے ذریعہ علیحدہ علیحدہ ارقام کا علم ہو جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ موازین و پیمانے مختلف ہوتے ہیں، اور ہر پیمانہ یا میزان سے اس کے دائرہ میں کام لیا جاتا ہے، دوسرے دائرہ میں وہ کام نہیں کرے گا۔

اس طرح شریعت اسلامیہ کے احکام کو جانچنے کے موازین و پیمانے ہیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے ایک معنوی میزان بھی ہوتی ہے جس سے قیم واخلاق کو جانچا اور وزن کیا جاتا ہے، آیات قرآنی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سارا عالم انتہائی دقیق وباریک موازین پر قائم ہے اور ان عالمی پیمانوں میں ادنی خلل کائنات کی ہلاکت اور قیامت کی آمد کا سبب ہوسکتا ہے، تمام آسمان زمینیں، کواکب، نجوم، سورج وچاند اور کائنات کی ہر چیز ایک خاص وزن ونظام پر قائم ہے، ہر ایک کی ایک خاص میزان ہے، اس طرح یہ عالم مکمل موزوں ومتزن ہے، ارشاد ہے و أنبتنا فيها من كل شئ موزون (الحجر: ۱۹) ترجمہ: اور ہم نے اس میں ہر چیز ایک اندازہ سے اگائی۔

خلاصۂ کلام فقہ المیزان سے مراد وہ موازین ہیں جن سے اسلام کے تمام ابواب کا وزن کیا جاتا ہے، عقیدہ، شریعت اور دستور حیات ہر ایک کا ایک وزن ہے، اور ان کی جانچ پرکھ کی ایک خاص ترازو ہے، احکام شرعیہ اور لوگوں کے طور وطریق وافعال وحرکات کی میزان وتول، ترازو کے دونوں پلّوں کے ذریعہ کی جائے گی تاکہ فقہ موزوں اور فکر موزوں تک پہونچا جاسکے۔

فقہ میزان اور فقہ اولویات میں فرق:

مختلف احکام اور متقابل اشیاء کے درمیان غور وخوص اور فکر ونظر پر موازنات واولویات کی بنیاد واساس ہے، ان کے درمیان موازنہ و

مقابلہ کے بعد جوقوی اور زیادہ مفید ہوتا ہے، اسے دوسرے پر ترجیح دی جاتی ہے، اور دونقصانات میں سے چھوٹے نقصان کو بڑے نقصان سے بچنے یا اسے ختم کرنے کے لئے برداشت کیا جاتا ہے۔

شیخ قرضاوی فقہ اولویات کے متعلق بحث میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں قیم واخلاق، اعمال وتکالیف میں بڑا تفاوت ہے، جس طرح کہ لوگوں میں اپنے اپنے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے۔ (فی فقہ الاولیات، ص ۹)

اولویات میں موازنات باہم مصالح کے درمیان اور مفاسد، مصالح اور ضرر رساں چیزوں کے درمیان کئے جاتے ہیں اولویات میں یہ موازنہ کسی چیز کی مقدار، کیفیت اور حالت معلوم کرنے کے لئے اور علم واجتہاد کے ذریعہ موازنہ تقلید سے بچنے کے لئے ہوتا ہے۔

میزان کے ذریعہ ابواب فقہ میں سے ہر باب کا معیار بیان کیا جاتا ہے، عقائد اور شریعت کے دوسرے عنوانات کو ناپنے کے لئے مشترک مفاہیم کے وجود اور سب کو شامل مبادی کے ساتھ خاص پیمانے ہوتے ہیں، اس کی مثال وراثتی انگلیوں کے نشان، یا ماں کے پیٹ میں موجود بچہ کا طبی فائل جس میں ہر بچہ کی خصوصیات کے ساتھ، خاندان یا قبیلہ کی بعض صفات کے ساتھ اشتراک پایا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ فقہ الاولویات وموازنات، فقہ المیزان کے قواعد واصول کے مجموعہ کا ایک جزء ہوتا ہے جس کے ذریعہ حکم لگانے اور احاطہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔

فقہ المیزان اور مقاصد شریعت میں فرق:

مقاصد شریعت سے مراد وہ مقاصد ہیں جو احکام شرعیہ میں اس لئے ملحوظ ومقصود ہوتے ہیں تاکہ دنیا وآخرت میں بندوں کے مصالح کی تکمیل ہوسکے، دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام احکام شرعیہ کے اسباب ہوتے ہیں اور وہ اسباب وعلل، ان احکام میں پوشیدہ، حکمتیں اہداف وغایات میں ہیں جنہیں شریعت مکمل کرنا چاہتی ہے۔

امام جوئنیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ جو شریعت میں وارد اوامر ونواہی کے اغراض ومقاصد کو نہ سمجھ سکے، وہ شریعت سے بے بصیرت ہی رہے گا، مقاصد شریعت جو اوامر ونواہی کا راز ہیں، ان سے تغافل، مذاہب میں خلط ملط کا سبب بنتا ہے۔

صحابہ کرام کے مسلک، طریقہ اور طرز عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی نظر ہمیشہ مصالح، مراشد (ہدایت ونصیحت) اور محاسن شریعت کا اعتبار کرنے اور ان کی تلاش وجستجو پر ابھارنے پر ہوتی تھی، امام جوئنیؒ نے مزید فرمایا کہ صحابہ کرام مصالح اور معانی کو شریعت کے موارد و مراجع سے لیتے اور جن امور سے متعلق ان کو کوئی نص شرعی نہ ملتی تو ظن وقیاس کے ذریعہ کوئی رائے قائم کرتے اور اگر یہ رائے اصول شریعت کی کسی اصل سے نہ ٹکراتی تو اسے نافذ وجاری کرتے۔ (۱) مقاصد الشریعۃ: للشیخ أبی المأثور ونظریۃ المقاصد للامام الشاطبی، ص ۱۲، ومقاصد الشریعۃ امام عز بن عبد السلام، ط اردن، ص ۴۲

مقاصد شریعت تین اقسام ضروریات، حاجیات اور محسنات میں منقسم ہیں (۱) البرھان فی أصول الفقہ، ج ۲،۱، ص ۳۱۲/۲۹۵

فقہ المیزان فقہ المقاصد سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں ہر حکم ہر باب اور ہر موضوع سے متعلق معیار وموازین کو تلاش کیا جاتا ہے لیکن فقہ المیزان، فقہ المقاصد سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، کیونکہ اسے مصالح ومقاصد کے مراتب کی پہچان وجانچ کے لئے فقہ المقاصد کی ضرورت ہوگی تاکہ اوزان شرعیہ کی فہرست میں ہر ایک کا معیار اور شرعاً مطلوب وزن معلوم ہوسکے۔

فقہ المیزان اور حکمت:

قرآن مجید میں لفظ حکمت کی ۲۰ مرتبہ تکرار ہوئی ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد گرامی ہے: یؤتی الحکمۃ من یشاء و من یؤت الحکمۃ فقد أوتی خیرا کثیرا و ما یذکر الا أولو الألباب (البقرۃ: ۲۶۹) ترجمہ: دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں اور جس کو دین کی سمجھ مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز ملی گئی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر قرآن مجید میں دس مرتبہ ہوا ہے، سورۃ آل عمران میں حضورؐ کا وصف ان پاک کلمات سے کیا گیا ہے:
لقد منَّ الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفى ضلال مبين (آل عمران: ١٦٤) ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالی نے مومنین پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو بھیجا جو لوگوں کو اللہ تعالی کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے ہیں، اور ان کو کتاب وفہم کی باتیں بتلاتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غفلت میں تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ لفظ حکمت قرآن مجید میں چھ بار آیا ہے: ربَّنا و ابعث فيهم رسولا منهم يتلو عليهم آياتك و يعلمهم الكتاب و الحكمة و يزكيهم انَّكَ أنتَ العزيز الحكيم (آل عمران: ١٢٩) ترجمہ: اے ہمارے پروردگار اس جماعت کے اندر انہی میں کے ایک ایسے پیغمبر کو مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کریں، بلاشبہ آپ ہی غالب اور قدرت اور کامل انتظام والے ہیں۔

اللہ تعالی نے حضرت ابراھیمؑ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: هو الذى بعث فى الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفى ضلال مبين (الجمعة: ٢) ترجمہ: وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالی کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و دانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

ارشاد باری تعالی ہے: أدع الى سبيل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتى هى أحسن انَّ ربك هو أعلم بالمهتدين (النحل: ١٢٥) ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو راستہ سے گم ہوا اور وہ جو راستے پر چلے، وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔

اللہ تعالی نے حکمت کا تذکرہ مختلف انبیاء کرام حضرت ابراھیمؑ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی کیا ہے، قرآن کریم میں غیر انبیاء کے لئے بھی حکمت کو ثابت کیا ہے، ارشاد گرامی ہے: و لقد آتينا لقمان الحكمة (لقمان: ١٧) ترجمہ: اور ہم نے لقمان کو حکمت (دانشمندی) عطا کی تھی۔ راجح قول یہی ہے کہ حضرت لقمان اللہ کے نبی نہیں تھے۔

اللہ تعالی کے فرمان: يؤتى الحكمة من يشاء و من يؤت الحكمة فقد أوتى خيرا كثيراً (البقرہ: ٢٦٩) ترجمہ: دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں اور جس کو دین کی فہم ملی ہے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

اس آیت کریمہ سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حکمت انبیاء کرام کے علاوہ دوسروں کی بھی دی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالی نے کتاب اور میزان کی طرح حکمت کو بھی نازل فرمایا ہے، ارشاد ہے: و ما أنزل عليكم من الكتاب و الحكمة يعظكم به و اتقوا الله و اعلموا أن الله بكل شئ عليم (البقرة: ٢٣١) ترجمہ: اور جو اللہ تعالی نے تم پر کتاب اور حکمت کے مضامین نازل فرمائے، تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکمت کی دو اقسام ہیں: ایک وہ حکمت ہے جس کا نزول انبیاء کرام پر ہوا اور دوسری وہ حکمت جسے اللہ تعالی عقول سلیمہ وفطرت سلیمہ رکھنے والے اشخاص کو عطا فرماتے ہیں۔

حکمت کی لغوی تعریف:

لغت میں حکمت منع کرنے کو کہتے ہیں، اسی لئے گھوڑے کے منہ میں جو نکیل رکھی جاتی ہے اسے بھی، اس کے روکنے کی وجہ سے حکمت کہا جاتا ہے۔

عربی میں حکمت: عقل، اتقان، درست بات، سیدھا کام، علم نافع اور طب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) القاموس المحیط، لسان العرب، المصباح المنیر، المعجم الوسیط مادہ (حکم)

مفسرین کے نزدیک حکمت کے معنی:

مفسرین نے حکمت کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکمت قرآن کریم، حدیث نبوی، فقہ فہم اور ادراک کو کہتے ہیں۔

علامہ ابن عاشور نے کہا ہے کہ: حکمت ایسی محکم، درست معرفت کو کہتے ہیں جو غلطی سے پاک ہو، حکمت پھر ایسے کلام یا علم کو کہا جائے گا جس میں لوگوں کے احوال اور اعتقادات کی اصلاح کا مسلسل اور بالاستمرار خیال رکھا جائے جس میں تغیر نہ ہو۔

علامہ طبریؒ نے فرمایا ہے کہ ہماری نظر میں حکمت سے متعلق یہ قول زیادہ معتبر اور درست ہے کہ حکمت احکام الٰہی کا وہ علم ہے جس کی معرفت رسول اللہ ﷺ کے بیان کے علاوہ کسی اور چیز سے نہ ہو (۱) تفسیر طبری

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہ المیزان حکمت میں داخل ہے، اس کے اور حکمت کے درمیان مکمل اتفاق ہے، کیونکہ حکمت کسی چیز کو مناسب جگہ، مناسب وقت میں رکھنے کو کہا جاتا ہے، اور میزان سے بھی یہی کام ہوتا ہے، اس لئے میزان بھی اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ حکمت ہے، اور دونوں کا حصول توفیق الٰہی اور نور الٰہی سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالی اپنے انبیاء کرام اور نیک صالح بندوں کے قلوب پر نازل فرماتے ہیں، لیکن فقہ المیزان اپنے ثابت معیار کی وجہ سے ایک پختہ، مرتب اور منضبط حیثیت رکھتی ہے۔

اصولیین کے نزدیک حکمت کے معنی:

اصول فقہ میں حکمت کا مطلب، حکم شرعی کا عام مقصد، اگر غایت یا مقصد منضبط اور ظاہری ہے اور حکم کی تعریف بیان کرنے والا ہے تو اس کو علت کہتے ہیں اور اگر وہ منضبط نہیں ہے تو اس کو حکمت کہتے ہیں (۱) (الموافقات (۴/۹۷-۹۸) والمستصفی (۱/۳۳۳) والاحکام للآمدی (۳/۲۰۳) وشفاء الغلیل ص ۱۵۹ والبحر المحیط (۴/۱۲۰) وشرح تنقیح الفصول ص ۴۰۶ واعلام الموقعین (۳/۱۳۵)۔

حکمت وحی کے مقابلہ میں زیادہ عام ہے:

ہمارے نزدیک قابل ترجیح یہ بات ہے کہ قرآن پاک میں حکمت اپنے مقام، سیاق اور جگہ کے اعتبار سے کئی معنی میں استعمال ہوئی ہے، حکمت میں قرآن پاک بیشک شامل ہے اور صحیح سنت بھی شامل ہے لیکن صرف ان دونوں معنی میں قرآن پاک کے استعمالات میں محصور نہیں ہیں بلکہ قول وعمل میں اصابت، راسخ ونافع علم، اللہ کے دین اور دنیا کی سمجھ، خشیت اور احکام کے حقیقی مقاصد اور اسرار، اسی طرح ہر نافع چیز کا کرنا اور دنیا وآخرت میں نقصاندہ کام سے رکنا، چیز کا جگہ پر رکھنا اور کامیاب تجربے سب اس حکمت میں شامل ہیں، قرآن کریم نے سورہ اسراء میں اقوال وافعال کا ایک مجموعہ پیش کیا جن میں سے بعض کو منع کیا ہے اور بعض کا حکم دیا ہے، یہ تمام اوامر ونواہی عظیم حکمتوں اور وصیتوں پر مشتمل ہیں جن سے انسان بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالی نے اس طرح شروع کیا۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اِحۡسَانًا اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِیۡمًا وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا رَّبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِكُمۡ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ وَكَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا اِنَّ رَبَّكَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرًا بَصِیۡرًا وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡیَةَ اِمۡلَاقٍ نَّحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِیَّاكُمۡ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِیۡرًا وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِیۡلًا وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا وَاَوۡفُوا الۡكَیۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ذٰلِكَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنۡدَ رَبِّكَ مَكۡرُوۡهًا (سورۃ الاسراء: ۲۲-۳۷) ترجمہ: **اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنا ورنہ تو ذلیل بے کس ہو کر بیٹھے گا۔ اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو۔ اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو اور کہو اے میرے رب جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔ جو تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ اور رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے دو اور مال کو بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر تجھے اپنے رب کے فضل کے انتظار میں کہ جس کی تجھے امید ہے منہ پھیرنا پڑے تو ان سے نرم بات کہہ دے۔ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے کھول دے بالکل ہی کھول دینا پھر تو پشیمان تہی دست ہو کر بیٹھ رہے گا۔ بے شک تیرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔ اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے واسطے اختیار دے دیا ہے لہٰذا قصاص میں زیادتی نہ کرے، بے شک اس کی مدد کی گئی ہے۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر جس طریقہ سے بہتر ہو جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے، اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہو گی۔ اور ناپ تول کر دو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو، یہ بہتر ہے اور انجام بھی اس کا اچھا ہے۔ اور جس بات کی تجھے خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ، بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہو گی۔ اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل، بے شک تو نہ زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچے گا۔ ان میں سے ہر ایک بات تیرے رب کے ہاں ناپسند ہے۔**

ان آیات میں صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کی اطاعت، والدین کے ساتھ نیکی، ذلت و مسکنت اور رحمت سے ان کے لئے اپنے بازوؤں کو جھکائے رکھنا، ان کے لئے دعا کرنا، رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کے حقوق دینا، ہر ایک سے اچھی بات کرنا، عہد و پیمان کو پورا کرنا، خرچ میں اعتدال، ہر ایک کے لئے اچھے میٹھے بول، صحیح و سچا ناپ تول، شرک، اسراف اور فضول خرچی اور بخل و خرچ روکنے کی ممانعت، فقر کے ڈر

سے اولاد کو قتل کرنا، زنا کرنا، قتل کرنا، یتیم کے مال سے صرف اچھائی کے ساتھ قریب ہونا، اور بغیر جانے اتباع کرنا، تکبر اور خیلاء سے بچنا، پھر ان سب کے آخر میں فرمایا ذلك مما أوحى اليك ربك من الحكمة و لا تجعل مع الله الها آخر فتلقى فى جهنم ملوما مدحورا (الاسراء:۳۸) ترجمہ: یہ اس حکمت میں سے ہے جسے تیرے رب نے تیری طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ بنا ورنہ تو ملزم ومردود بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

من کا صلہ استعمال کر کے یہ بتلایا کہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ حکمت کا حصہ ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا اس سے میرے نقطہ نظر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر حکمت کا لفظ اکیلے وارد ہو تو اس میں خیر، اصابت حق، چیز کو اس کی جگہ پر اس کے زمانہ میں رکھنا، ہر نئی دریافت، یقینی نافع علم، مجرب اور صالح تجربہ سب کچھ شامل ہے اور اگر حکمت کا ذکر قرآن پاک میں کتاب کے ساتھ ہے تو کتاب سے مراد وحی ہے اور حکمت سے مراد سلیم فکر کے نتائج، سیدھی عقل کے فوائد، اسرار اور نئی دریافت اور نفع دینے والے تجربے، یہی مراد ہے حضورﷺ کی اس حدیث کا الحكمة ضالة المؤمن فهو أحق بها انا وجدها ترجمہ: حکمت مؤمن کی گمشدہ میراث ہے وہ جہاں بھی ہو اس پر پہلا حق اسی کا ہے۔(۱) (ترمذی (۵۱/۵) حدیث نمبر ۲۶۸۷ وابن ماجہ (۱۳۹۵/۲) حدیث نمبر ۴۱۶۹۔ قضاعی نے مسند شہاب میں (۶۵/۱) ابوھرہ سے مرفوع روایت کی ہے ان الفاظ کے ساتھ الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں اور راوی ابراہیم بن فضل مربی مخزومی اس کی حافظہ کی وجہ سے تضعیف کی گئی ہے)

علوم ومعارف میں فقہ المیزان کا درجہ ومقام اور فہم شریعت کے لئے ماسٹر کنجی:

فقہ المیزان کا تعلق فروع سے نہیں بلکہ اصول سے ہے، وہ فہم اجتہاد اور استنباط کو منضبط کرنے کا پیمانہ ہے، وہ علم اصول فقہ اور مقاصد شریعت کی تکمیل کرنے والا تو ہے لیکن قیاس واستحسان کی طرح خاص دلیل نہیں ہے، لیکن تمام بنیادی قضایا کو باریکی سے سمجھنے، گہرائی سے استنباط کرنے اور پختگی سے اجتہاد کرنے کی میزان وترازو ہے، وہ اجتہاد واستنباط کی صحت کو جانچنے کی دقیق کسوٹی و پیمانہ ہے، وہ حقیقت میں دلائل کی اور مجتہد کی کنجی ہے، اور تمام اجتہادی دلائل کی ماسٹر کنجی ہے (۱) اس کی حیثیت ہوٹل کی اس کنجی کی طرح ہے جس سے تمام دروازے کھل جاتے ہیں، لیکن کرایہ پر لینے والے کرایہ دار کے دروازہ کی ایک الگ کنجی ہوتی ہے اس سے ایک یا دو دروازے ہی کھل سکتے ہیں)

فقہ المیزان کے بغیر عظیم اسلامی شریعت کو سمجھنے میں خلل واقع ہوگا، یا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ غیر دقیق ناقص سمجھ سے خطرناک نتائج پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

فقہ المیزان کا تعلق مختلف فیہ دلائل جیسے قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ اور سد الذرائع وغیرہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ کسی چیز کا مقصود و مطلوب یہ ہے کہ عقیدہ وشریعت کے ابواب میں سے ہر باب کا ایک خاص پیمانہ یا کسوٹی ہونا ضروری ہے تاکہ ہر باب کا وزن، یا موضوع یا حکم عام دوسرے ابواب کے مقابلہ میں ہو سکے، پھر اگر ضرورت محسوس ہو تو دوسرے موضوعات یا احکام سے موازنہ کر کے شرعاً وفطرتاً وعقلاً مطلوب و مقصود فقہ موزوں تک پہنچا جا سکے، یہ قرآنی مبدأ کتاب وسنت کے بہت سے دلائل سے ثابت اور ایسا پیمانہ ہے جس میں اختلاف مناسب نہیں، علم اصول فقہ کے تعارض وترجیح کے ابواب سے، فقہ المیزان کا تعلق دوسرے ابواب کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس لئے کہ فقہ المیزان کے ذریعہ، نصوص شرعیہ کے درمیان موجود ظاہری تعارض کے مشاکل کو نصوص کے درمیان توفیق، ترجیح کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے، لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر علماء اصول نے اس کا علاج کلامی نظری طریقہ سے کیا ہے، ان حضرات نے موازین دقیقہ تک پہونچنے کی کوشش نہیں کی، عقل ونقل کے درمیان تعارض کے دائرہ کو انہوں نے وسعت دیتے ہوئے نقل کے اندر بھی جو بحث ومباحثہ کیا ہے اس کا کم فائدہ

ہے،اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب درء تعارض العقل و النقل (عقل ونقل کے درمیان تعارض کوختم کرنا) میں ان پر رد کیا ہے،(درء تعارض العقل و النقل تحقیق محمد رشاد عالم،ط جامعۃ الامام محمد بن سعود الریاض)اور جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ مقاصد شریعت کی معرفت،فقہ المیز ان کی مساعد و مددگار ہوتی ہے،اور اس کے ذریعہ گہرائی،تطبیق میں دقت و باریکی پیدا ہوتی ہے۔

فقہ المیز ان کن چیزوں کی محتاج ہوتی ہے:

فقہ المیز ان ،علوم لغت،اصول فقہ،تفسیر،حدیث،علوم القرآن،سنت،اور ان جیسے دوسرے علوم میں مہارت اور رسوخ کی محتاج ہوتی ہے،اسی طرح فطرت سلیمہ،عقول مستقیمہ،صحیح فہم،قوی ذہن،روشن وتابناک فیصلے،بلا عجلت تدبر وغور وخوض،نصوص شرعیہ کے ساتھ بقا وتفکر فقہ المیز ان کے لئے ضروری ہے،وہ شخص جس میں تجدید کی قدرت ہو یا کسی عالم سے تجدید کو اخذ وقبول کرنا چاہتا ہو چاہے وہ کوئی ہم عصر ہی کیوں نہ ہو،لیکن ایسا شخص ہو جو اقوال کی جانچ پرکھ کرے،کہنے والے کو دیکھے،وہ لوگوں کی جانچ پرکھ حق کے پیمانے سے کرے،اشخاص کی کسوٹی سے نہ کرے،وہ حق کے لئے متشدد ہو،اشخاص کا طرفدار نہ ہو،یہ اور اس جیسے لوگ اہل عقل وخرد اور صاحب بصیرت ہوتے ہیں جو فقہ المیز ان کی سمجھ و فہم رکھنے والے اور اللہ تعالی کے حکم سے اس کی تطبیق کرنے والے ہوتے ہیں۔

فقہ المیز ان سے اصول میں اختلاف ختم ہوتا ہے:

جو شخص فقہ المیز ان سے واقف اور اس کا جانکار ہوگا،وہ شریعت سے ثابت چیزوں کے نظائر،نصوص شرعیہ اور عقل وفہم کے اصول میں کبھی اختلاف نہ کرے گا،جس طرح کے مادی پیمانے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے اور جھگڑے کو ختم کرنے کی کسوٹی ہوتے ہیں اسی طرح معنوی پیمانے ہوتے ہیں،مثلاً مذہبی علامات والی عبادات کی میزان کے بارے میں ہمیں یہ علم ہو جائے کہ اس میں توقف اختیار کیا جاتا ہے،اور کوئی بھی شرعی عبادت کا اس وقت تک اعتبار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی بنیاد کسی ایسی صحیح نص شرعی پر نہ ہو جو عبادت کو اس کی کیفیت،حالت اور مقدار کے ساتھ ثابت نہ کرے،اب اگر اس عبادت میں کمی وزیادتی یا کیفیت ومقدار میں تغیر بلا دلیل شرعی کے ہو تو وہ بدعت ہوگی اس لئے اس قسم کی جدید چیزیں جن کی کوئی شرعاً ثابت شدہ اصل نہ ہو،ان پر ہم بدعت اور عدم مطابقت شریعت کا حکم لگانے میں کبھی اختلاف نہیں کریں گے،لیکن بعض تفاصیل میں اختلاف بھی ہوسکتا ہے،مثلاً مذہبی علامات رکھنے والی عبادات کے جو وسائل ہیں وہ بدعت ہیں یا نہیں؟ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش پر ایسا جشن منانا جو محرمات سے پاک ہو،کیا اسے عبادات میں داخل مانا جائے گا یا نہیں یا اسے صرف اسلامی دعوت و تبلیغ کا ایک وسیلہ وذریعہ سمجھا جائے گا۔

یہ اور اس جیسے دوسرے جزئی اختلافات میں درگذر کیا جائے گا،کیونکہ ان کا تعلق شریعت سے ثابت شدہ اصول سے نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی امور ہیں۔

اس کے بالمقابل عادات واطوار،انسانی،علمی،سیاسی اور تمدنی سرگرمیاں جو اپنے معانی میں معقول ہوں محض عبادت نہ ہوں اور ان میں تعلیل کرنے کی گنجائش ہو تو اس قسم کی تمام چیزیں مباح وجائز ہوں گی،سوائے اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے اس سے روکا جائے،اس قسم کی تمام سرگرمیاں صرف مشروع ہی نہیں بلکہ مطلوب ہوں گی،اور اس قسم کی کسی مباح چیز کے لئے اس وقت تک کسی خاص دلیل کی ضرورت نہیں ہو گی جب تک کہ کتاب یا سنت کے نص صریح سے اس کا تعارض نہ ہو،لیکن اگر کوئی مذہبی عبادات میں سے کسی چیز کی مشروعیت کا دعوی کرے تو اسے اس کی دلیل پیش کرنا ہوگی۔

فقہ المیز ان کی تطبیق اگر اتفاق کے ساتھ ہو تو اصول وثوابت میں اختلاف ختم ہوسکتا ہے،اور مسائل اجتہادیہ میں کم ہوسکتا ہے،کیونکہ اختلاف کے وقت میزان کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ مشترک فہم کے سوتے اسی سے نکلتے ہیں۔

فقہ المیزان کے سلسلہ میں لوگوں کی مختلف اصناف:

فقہ المیزان میں اشخاص تین اصناف پر مشتمل ہوتے ہیں:

اول: وہ اہل علم جو حکمت وخیر کے متلاشی ہوتے ہیں جو کسی بھی شخص سے حاصل ہو، وہ لوگوں کی صحیح معرفت رکھنے والے، صاف ذہن، صاف عقل، صحیح سمجھ اور صاحب بصیرت ہوتے ہیں، موروثی قدیم چیزوں میں متعصب نہیں ہوتے، ایسے لوگ جب اس کتاب کو پڑھتے ہیں اسے سمجھتے اس کے مقاصد واغراض سے واقف ہوتے، وہی منصفانہ موازین کا علم حاصل کرتے، اسے میزان کرنے کے طریقے سیکھتے، پھر انہیں فقہ موزوں تک رسائی ہوتی اور اس کے ذریعہ وہ باہمی اختلاف خاص کر اصول وثوابت میں اختلاف اور مخالفت کو ختم کرتے ہیں، لیکن وہ متعصب وتنگ نظر جو فقہ میزان کو بنیادی طور پر قبول نہیں کرتا وہ سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اسی طرح وہ کند ذہن جس میں مطلوبہ ذہانت نہ ہو وہ بھی سنے اور سن کے سمجھنے پر قادر نہیں ہوتا، اس لئے امن وخوف دونوں حالتوں میں مشاکل کے حل کے لئے نصوص شرعیہ میں غور وخوض کو اسی کے لئے خاص کیا گیا ہے جس میں مسائل کے استنباط کی صلاحیت ہو، ارشاد ہے: و اذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به و لو ردُّوه الى الرسول و الى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم و لولا فضل الله عليكم و رحمته لأتبعتم الشيطان الا قليلاً (النساء: ۸۲) ترجمہ: اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔

دوم: فطرت سلیمہ پر قائم عوام الناس جو اپنے اعمال، تجارت، صناعت یا دوسرے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، ایسے لوگ علماء وامراء کے تابع ہوتے ہیں، ان کے لئے کتاب وسنت اور فقہاء کے مذاہب میں اکتفا ہوتا ہے، ایسے لوگ تفاصیل میں نہیں پڑتے۔

سوم: تیسری قسم جھگڑالو لوگوں کی ہوتی ہے، ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں

(الف) پہلی قسم جھگڑا تو کرتی ہے اگر ان سے صحیح طریقہ سے مناقشہ وگفتگو کی جائے اور وہ قانع ہو جائیں تو بہت بہتر ہے ورنہ معاملہ ایک ایسے دائرہ میں محدود رہتا ہے جو نقصاندہ نہیں ہوتا۔

(ب) دوسری قسم حکمت ودانش سے کورے ان اشخاص کی ہوتی ہے جو فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں، مخالفین کی تکفیر کرتے ہیں اور انہیں فاسق وبدعتی کہتے ہیں بلکہ قتل تک کر دیتے ہیں، وہ آغاز تو فتنہ وفساد سے کرتے ہیں پھر تکفیر، قتل تفجیر وتدمیر تک نوبت پہنچتی ہے، ایسے اشخاص کو دلائل وبراہین اور سیرت ونصیحت کے ذریعہ قانع کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد نے خوارج کو سمجھایا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان سے گفتگو کرنے بھیجا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ایک بڑی جماعت نے اپنے باطل افکار ونظریات سے رجوع کیا۔

لیکن اگر ان کے ساتھ دلائل وبراہین اور بات چیت نفع بخش نہ ہو، اور وہ اسلامی شرعی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائیں تو ان کے ساتھ مناقشہ وگفتگو جاری رہے گی، اور ان میں سے اگر کوئی کسی جرم کا ارتکاب کرتا یا کسی شرعی حد کو توڑتا ہے تو اسے قوانین شرعیہ کے مطابق سزا دی جائے گی، اور اگر وہ ہتھیار اٹھائے گا اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ اسکی اصلاح نہ ہو جائے اور وہ رشد وہدایت کی طرف نہ لوٹ جائے۔

مجتہد مفتی اور محقق کے لئے فقہ المیزان کی اہمیت:

میرے اعتقاد کے مطابق مجتہد اگر یہ چاہتا ہے کہ اس کا اجتہاد دقیق، عمیق اور متزن ہو تو اسے عقیدہ، شریعت اور زندگی کے خاص مسائل

میں فقہ المیزان کی ضرورت پڑے گی، مختلف اسلامی فرقوں کے درمیان جو انحراف اور افراط وتفریط پائی جاتی ہے تو اس کا اہم سبب فقہ المیزان میں خلل ہوتا ہے، فقہ المیزان اجزاء شریعت اور انسانی نشاط وسرگرمی کو چاہے اس کا تعلق کسی بھی مسئلہ سے ہو اپنے اصل موضوع اور باب کی طرف لوٹا دیتا ہے اور اس کا ایک ایسا پیمانہ مقرر کر دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ تمام جزئی مسائل کو مشترک فہم اور معتدل نظریہ تک پہونچایا جاسکتا ہے، تاکہ لوگوں کو عدل وانصاف ملے اور مذہب میں تفرقہ ختم ہو۔

اجتہاد اور فقہاء کے اقوال کا موازنہ کرنے کی جس مفتی میں صلاحیت نہیں ہوگی تو وہ فقہاء کے اقوال کی میزان نہیں جان سکے گا لیکن وہ فقہ المیزان کے ذریعہ دقیق وباریک معیار قائم کرسکتا ہے، لیکن اگر اس مفتی، مجتہد یا محقق کے پاس فقہ المیزان نہ ہوگی تو ہوسکتا ہے کہ وہ عبادات کو عادات میں، سیاسیات کے میزان کو دوسرے موازین میں اور حاضر کو غائب میں ملادے اور خلط ملط کر دے، اس طرح فتوے اور اجتہاد میں بڑی غلطی اور خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

عامۃ الناس کے لئے فقہ المیزان کی اہمیت:

عوام الناس بھی عام طور پر اسلام کی خدمت، اس کے حقائق ورموز کو جاننے کے لئے فقہ المیزان کے محتاج ہوتے ہیں، اور فقہ المیزان کی معرفت انہیں شک وشبہ، خلط ملط اور مشاکل سے محفوظ رکھتی ہے، مثلاً جب کوئی عام شخص اللہ تعالی کے فرمان: یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات و اللہ لا یحب کل کفار اثیم (البقرہ:۲۷۶) ترجمہ: اللہ تعالی سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالی پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو اور کسی گناہ کرنے والے کو۔

اور فرمان الٰہی: و ما آتیتم من الربا لیربوا فی أموال الناس فلا یربو عند اللہ و ما آتیتم من زکاۃ تریدون وجہ اللہ فاولئك ھم المضعفون (الروم:۳۹) ترجمہ: اور جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہوجائے تو یہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

جو ان آیات کو پڑھتا ہے تو وہ سود میں ظاہری زیادتی کو دیکھتے ہوئے سود میں موجود نقصان کو صحیح طریقہ سے سمجھ نہیں سکتا، اور زکاۃ میں جو بظاہر مادی نقصان نظر آتا ہے اس میں زیادتی اس کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے، لیکن اگر وہ مادی اور دنیاوی میزان کے بجائے اللہ تعالی کی میزان کو مدنظر رکھے گا تو بات اس کی سمجھ میں آجائے گی۔

اسی طرح اگر کوئی بخاری ومسلم کی صحیح احادیث میں پڑھے گا کہ لخلوف فم الصائم أطیب عند اللہ من ریح المسك بخاری حدیث ۱۸۹٤ / مسلم ۱۱۵۱ ترجمہ: روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

تو صحیح بات اس کے اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ انسانی پیمانوں کے علاوہ اللہ تعالی کے پاس دوسرے پیمانے بھی ہیں، اسی طرح اگر وہ قرآن کریم کی ان آیات کو پڑھے جن میں بتلایا گیا ہے کہ جنت کی شراب میں نہ تو نشہ ہوگا اور نہ ہی کوئی نقصان یا ضرر تو یہ بات بھی اس کی سمجھ میں اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ آخرت کی ترازو دنیاوی ترازو سے مختلف ہوتی ہے، قرآن کریم میں مذکور موازین جن کے بارے میں ہم نے بتلایا ہے ان سے کوئی بے نیازی اختیار نہیں کرسکتا، مجتہد وقت اجتہاد کے لئے، مفتیٔ وقت فتوے کے لئے اور ریسرچ اسکالر اپنی بحث کی دقت کے لئے اور ایک عامی شخص اپنی فہم، قناعت اور وضاحت کے لئے اس پر اعتماد کرتا ہے۔

کیا فقہ المیزان جدید فقہ ہے جو سلف امت میں معروف نہ تھی؟

فقہ المیزان قرآن کریم کی فقہ ہے، تدبر غور فکر اور قرآنی آیات کریمہ کے ساتھ رہنے والی چیز ہے، اس کی تمام موازین قرآن کریم سے مستنبط اور قرآنی نور سے منور و روشن ہیں، اگر اس میں میرا کوئی رول ہے تو وہ ان کو منظّم کرنے، ان کی تطبیق کرنے اور ان کو عقیدہ و شریعت کے مختلف ابواب پر تقسیم کرنے، ان ابواب کا اس کے ذریعہ وزن کرنے اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ وزن معلوم کرنے سے ہے، اور جیسا کہ ہم نے دوران بحث دیکھا کہ لفظ میزان کی تکرار قرآن مجید میں ۲۳ بار ہوئی ہے، اسی طرح اس کی تکرار حدیث نبوی میں بھی بار بار ہوئی ہے، اللہ تعالی نے میزان کو کتاب کے ساتھ اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگوں کے درمیان انصاف ہو، آیات قرآنیہ سے یہ بات روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آتی ہے کہ مادی چیزوں میں عدالت بلا کسی دقیق و باریک ترازو کے متحقق نہیں ہوسکتی، اسی طرح تمام معنوی معاملات اور تکالیف شرعیہ کو بھی کسی معنوی ترازو سے مربوط کرنا ضروری ہے، یہی ہمارا مقصد ہے، میزان کتاب وسنت میں موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام نے اس میزان کو استعمال کیا جیسا کہ آگے بحث میں اس کی تفصیل آئے گی۔

ارشاد باری تعالی ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبينات و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحديد: ۲۵)
ترجمہ: اور ہم نے (اسی اصلاح آخرت کے لئے) اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا، اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل فرمایا تا کہ لوگ (حقوق اللہ وحقوق العباد) میں اعتدال پر قائم رہیں۔

اگر میزان مالیات جیسے کھجور، گیہوں، جو وغیرہ کو شامل مانی جائے تو پھر حقوق و واجبات، اللہ تعالی کی معرفت، اللہ تعالی کی نازل کردہ ہدایت کیوں شامل نہیں ہوگی، خصوصاً جب کہ اللہ تعالی نے کتاب کے ساتھ میزان کے نزول کی علت یہی بتلائی ہے کہ مادی اور معنوی ہر حیثیت سے میزان کے ذریعہ عدل وانصاف متحقق ہو، یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم ومعروف ہے کہ عدل وانصاف صرف مادی ترازو کے ذریعہ متحقق نہیں ہوسکتا بلکہ مادی اور معنوی دونوں کے ذریعہ متحقق وثابت ہوگا، اور حق و باطل اور خیر وشر کو میزان معنوی کے ذریعہ معلوم کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور کتاب کے ساتھ میزان کے نزول کا درجہ بڑا ہے، اس وجہ سے سورہ رحمٰن کے اندر اس کا تذکرہ قرآنی تعلیم، تخلیق انسانی، سورج وچاند، ستارے اور اشجار کے ساتھ کیا گیا اور آسمان کے بلند و بالا کرنے سے اس کا موازنہ کیا گیا ہے ارشاد ہے: الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان الشمس و القمر بحسبان و النجم و الشجر يسجدان و السماء رفعها و وضع الميزان الا تطغوا فى الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (الرحمن: ۱-۹) ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا، اس کو گویائی سکھائی سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں اور نجم وشجر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اس نے ترازو رکھ دی تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔

ان موازین کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کی زندگیوں میں ان کی تطبیق ملتی ہے اور قرآن وحدیث میں ان کا تذکرہ بار بار اس طرح آیا ہے کہ یہ موازین و پیمانے وضاحت وصراحت کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں، ہماری کوشش یہی ہے کہ ان موازین کی کیفیت کا اظہار کریں، اعمال، احکام، اشیاء میں ان کے درجہ ومرتبہ کے بیان کے ساتھ ہر ایک کو خاص میزان کے درجہ میں اتاریں۔

اگر ان موازین کے اظہار اور میزان خاص کو ہر حکم، نص کے ساتھ رکھ کر ان کے اوزان یا مرتبہ کو اس طرح بیان کریں کہ ہر چیز کو اس کے مناسب مرتبے میں رکھ دیا جائے مثلاً میزان جنگ میں جہاد کی تمام آیات واحادیث کو ایک خاص میزان میں رکھ کر دو چیزوں پر غور وخوض کریں۔

۱۔ جہاد کا وزن کرنا اور اس کا مقام دوسرے تمام فرائض کے مقابلہ میں معلوم کرنا۔

۲۔ قتال و جہاد کی انواع اور متعلقات کا وزن اس طرح کرنا کہ ہر قسم اور ہر فرد کا درجہ ظاہر ہو جائے، اور یہ سب ہمارے بیان کردہ طریقہ پر ہوگا تا کہ فقہ موزون تک بلا افراط وتفریط اور بلا زیادتی وکمی کے پہونچا جا سکے۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ فقہ المیزان، علم اصول الفقہ کی طرح ہے، یہ علم اپنے مبادی کے ساتھ موجود تھا، پھر امام شافعیؒ نے اسے ظاہر کیا، اس کے مبادی، اصول وقواعد، ضوابط اور تطبیقات کے بعد اسے ایک عظیم علم بنا دیا، اس کے بعد جو علماء وفقہاء آئے انہوں نے اس علم کو مزید ترقی دی، یہی حال علم مقاصد الشریعہ کا ہے، اس کے تمام دلائل ومبادی کتاب وسنت میں موجود تھے پھر امام شاطبیؒ نے اسے مستقل علم بنا دیا، اسی طرح فقہ المیزان بھی ایک مستقل علم ہے۔

میزان اور قسطاس مستقیم:

قرآن کریم میں القسطاس المستقیم دو جگہ آیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: و أوفوا الكيل اذا كلتم و زنوا بالقسطاس المستقيم (الاسراء: ۳۵) ترجمہ: اور جب تو لو تو پورا تولو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: أوفوا الكيل و لا تكونوا من المخسرين و زنوا بالقسطاس المستقيم و لا تبخسوا الناس أشياء هم و لا تعثوا في الأرض مفسدين (الشعراء: ۱۸۲ -۱۸۳) ترجمہ: تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان وکمی نہ کیا کرو سیدھی ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو، اور زمین میں فساد مت پھیلایا کرو۔

علامہ ابن کثیر نے وزنوا بالقسطاس المسقتيم کی تفسیر میں کہا ہے کہ قسطاس سے مراد میزان ہے اور مجاہد نے قسطاس کے معنی عدل بیان کیا ہے (تفسیر ابن کثیر تفسیر ھذہ الآیۃ)

امام شعراویؒ آیت سابقہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہاں صرف کیل (وزن) مراد نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی میں مستعمل تمام پیمانے مراد ہیں جیسے لمبائی ناپنے والے پیمانے جیسے ملی میٹر، سنٹی میٹر، میٹر، کیلو میٹر، پھر امام شعراویؒ نے بہت سارے موازین اور ان کی انواع کا تذکرہ کیا اور بتلایا کہ قسطاس مستقیم سے وزن کرنے میں دھوکہ وغش کم سے کم ہوگا، بمقابل ظاھری پیمانہ کے اس میں دھوکہ کا امکان زیادہ ہے۔ (تفسیر الشعراوی آیت رقم ۲۵ من الاسراء)

جمہور مفسرین نے قسطاس کی تفسیر میزان سے کی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قسطاس عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے، جس سے قباب (بڑا ترازو) مراد ہوتا ہے جس میں دھوکہ دھڑی کی گنجائش بہت کم ہے۔

امام غزالی اور قسطاس مستقیم:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ سے میرا تعلق بچپن سے رہا ہے، میں نے ان کی بہت سی کتابوں کو پڑھا، اور بعض کو ایڈٹ بھی کیا ہے، وسط ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ جب میں اپنی کتاب ''فقہ المیزان'' کا مراجعہ کر رہا تھا، اس زمانہ میں مجھے امام غزالی کی کتاب "القسطاس المستقيم" کا علم ہوا، اور اپنی کتاب کا مراجعہ کرتے وقت مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ میں نے قسطاس مستقیم جس کا تذکرہ قرآن کریم میں دو مرتبہ آیا ہے، اس کی تحقیق اپنی کتاب میں نہیں کی ہے، اس کی تحقیق کے دوران میں نے امام غزالیؒ کی کتاب کا مطالعہ کیا، مجھے معلوم ہوا کہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے میزان کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے، ہم یہاں اسے پیش کرتے ہیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ ان کی اور میری تحقیق ودریافت میں کتنا اتفاق

ہےاور کتنا اختلاف ہے، پھر میں اپنی تعلیق میں دونوں کے درمیان اتفاق واختلاف کے فرق کو واضح کروں گا۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب القسطاس المستقیم کا آغاز ایک شیعہ عالم سے گفتگو سے کیا ہے، شیعہ عالم نے کہا کہ آپ معرفت کا دعوی کرتے ہیں بتلایئے کہ وہ کونسی ترازو ہے جس سے آپ معرفت کا وزن کرتے ہیں، کیا یہ وزن رائے اور قیاس کے ذریعہ کرتے ہیں، اس میں تو تعارض اور شک وشبہ کی بہت گنجائش ہوتی ہے، اسی وجہ سے لوگوں میں اختلاف رونما ہوتے ہیں، یا آپ اس کا وزن امام معصومؑ کی تعلیمات کی روشنی میں کرتے ہیں، اس کے لئے آپ کو امام معصوم کی اتباع وپیروی کرنی ہوگی، میرے خیال میں آپ ایسا نہیں کریں گے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ معرفت کا حصول رائے وقیاس سے کرنا تو میں ایسا کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اس لئے کہ رائے وقیاس شیطان کی ترازو ہے، اور میرے ساتھیوں اور احباب میں سے اگر کوئی رائے وقیاس کو، معرفت کو جانچنے کا پیمانہ سمجھتا ہے تو میں اللہ تعالی سے دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالی مجھے اور مذہب اسلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھے، اس لئے کہ مذہب اسلام کا جاہل دوست، عقلمند دشمن سے زیادہ خطرناک و نقصاندہ ہے(۱) القسطاس المستقیم ابو حامد الغزالیؒ مطوعه دارالرساله ، القاهرة ص ۱۱)

اس کے بعد امام غزالیؒ نے پانچ موازین کا تذکرہ فرمایا (۱) میزان اکبر (۲) میزان اوسط (۳) میزان اصغر ان تین موازین کا تعلق میزان تعادل سے ہے (۴) میزان تلازم (۵) میزان تعاند

امام غزالیؒ نے ان پانچوں موازین کی تشریح بہت تفصیل سے کی ہے، ہم یہاں اختصار سے اسے بیان کرتے ہیں:

اول: الميزان الأكبر: اس میزان کا استعمال حضرت ابراھیم علیہ السلام نے نمرود کے ساتھ کیا تھا، ہم نے اس میزان کی معرفت قرآن کریم سے حاصل کی ہے، نمرود نے الوہیت کا دعوی کیا، اس کے نزدیک الٰہ وہ ہوسکتا تھا جو ہر کام کرنے پر قادر ہو، حضرت ابراھیمؑ نے اس سے کہا میرا معبود وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس لئے تم معبود نہیں ہوسکتے، نمرود نے کہا: أنا أحي و أميت میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں یعنی جس کے لئے قتل کئے جانے کا حکم صادر ہو چکا ہو میں اسے معاف کرسکتا ہوں، اور اسی طرح جسے معاف کر دیا گیا ہو قتل کرسکتا ہوں، اس طرح میں مارنے اور زندہ کرنے پر قادر ہوں، حضرت ابراھیمؑ نے سمجھ لیا کہ جس دلیل کا سہارا لے کر اس نے یہ بات کہی ہے اسے باطل کرنا دشوار ہوگا، اس لئے حضرت ابراھیمؑ نے اس سے زیادہ واضح دلیل کی طرف رجوع فرمایا اور کہا: فان الله يأتي بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب فبهت الذى كفر (البقرة: ۲۵۸) ترجمہ: اللہ تعالی آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے اس پر وہ کافر متحیر رہ گیا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراھیمؑ کے فرمان سے مجھے یہ علم ہوا کہ ان کے قول میں حجت و برھان اور اس کی میزان کا بیان ہے، میں نے اس میزان سے وزن کرنے کی کیفیت کے بارے میں غور وخوض کیا، جیسا کہ تم سونا چاندی کی میزان کو دیکھتے ہو، حضرت ابراھیمؑ کی حجت و برھان دو ایسی اصل پر مشتمل ہے جو آپس میں ملی ہوئی ہیں، اور ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ معرفت ہے، قرآن کریم میں حذف وایجاز ملحوظ ہوتا ہے، اس میزان کے مکمل شکل کے بیان کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ: جو بھی سورج کو نکالنے پر قادر ہوگا وہ معبود ہوگا، یہ اصل ہے اور میرا معبود سورج کو نکالنے پر قدرت رکھتا ہے، یہ دوسری اصل ہے، دونوں اصل صغری وکبری کو ملا کر یہ نتیجہ نکلا کہ میرا معبود وہی برحق معبود ہے، نمرود برحق معبود نہیں۔

اب آپ ہمارے ساتھ غور کیجئے کیا یہ ممکن ہے کہ ان دونوں اصلوں کا اعتراف کرنے کے بعد کوئی اس سے نکلنے والے نتیجہ میں شک کر سکتا ہے، یا کوئی ان دونوں اصول میں شک کرسکتا ہے، ہمارا یہ کہنا کہ معبود برحق وہی ہوسکتا ہے جو سورج کو نکالنے پر قادر ہو، اس میں کوئی شک نہیں کرسکتا، اس لئے ان کفار کی نظر میں معبود وہی ہوسکتا ہے جو ہر کام کرنے پر قادر ہو، اور سورج کا نکالنا بھی ایک کام ہے، یہ ایسا اصول ہے جو

بالاتفاق معلوم وظاہر ہے۔

اسی طرح ہمارا یہ کہنا ہے جو سورج کو نکالنے پر قادر ہے وہ تمہارے علاوہ اللہ سبحانہ وتعالی ہے، یہ ایک ایسی بات ہے جو سب کو بالمشاہدہ معلوم ہے، اب اگر نمرود اور اس کے ساتھ ہر شخص جو مغرب سے سورج نکالنے پر قادر نہ ہوگا وہ معبود نہیں ہوسکتا کیونکہ الٰہ ومعبود وہ ہوتا ہے جو سورج کو متحرک رکھنے والا اور نکالنے والا ہو، اس دلیل سے پہلی اصل کی معرفت وحالت اصولا معلوم ہوگئی۔

اور دوسری اصل کا علم بالمشاہدہ ہوگیا کہ نمرود سورج کو نکالنے اور حرکت دینے پر قادر نہیں ہے، ان دونوں اصول سے یہ ثابت ہوا کہ نمرود معبود والٰہ نہیں بلکہ اصل الٰہ ومعبود اللہ تعالی ہے، امام غزالیؒ نے اس میزان کی ترکیب منطق کی اشکال اربعہ میں سے پہلی شکل سے کی ہے۔(۱)(شکل اول میں صغری موجبہ کلیہ اور کبری موجبہ کلیہ ہوتی ہے اور اوسط صغری پر محمول ہوتی ہے اور کبری موضوع ہوتی ہے اور نتیجہ موجبہ کلیہ ہوتا ہے جیسے العالم حادث، وکل حادث لہ خالق، اذن فالعالم لہ خالق اسکی شروط میں سے یہ ہے کہ صغری موجبۃ ہو اور کبری کلیہ ہو چاہے موجبہ ہو یا سالبہ اس کی چار اقسام ہیں)

۲۔ المیزان الأوسط: امام غزالیؒ نے دوسری میزان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ قال لا أحب الآفلین (الانعام:۷۶) اس میزان کی شکل یہ ہوگی کہ چاند ڈوبنے والا ہے، اور اللہ تعالی کبھی ڈوبتا نہیں، اس لئے چاند الٰہ ومعبود نہیں ہو سکتا، قرآن کریم ایجاز واختصار کو ملحوظ رکھتا ہے، چاند کے ڈوبنے کو میں اپنی حس سے سمجھ سکتا ہوں، لیکن الٰہ ڈوبنے والا نہیں ہے، اس کا علم مجھ کو ضرورتاً اور حساً نہیں ہے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ حضرت ابراھیمؑ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالی ڈوبنے والا نہیں، یہ علم اولی نہیں تھا بلکہ حضرت ابرھیمؑ نے یہ معرفت دو الگ اصولوں سے حاصل کی تھی کہ اللہ تعالی متغیر نہیں ہوتا جبکہ ہر متغیر ہونے والی چیز حادث ہوتی ہے، تو اللہ تعالی حادث نہیں ہوسکتا، حضرت ابراھیمؑ نے ایک عمومی قاعدہ پر جانچا اور تولا، تم بھی یہ میزان لے کر اور اسے استعمال کر کے ان دونوں اصولوں سے معرفت حاصل کر سکتے ہو۔

(۱) القسطاس المستقیم أبی حامد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ دار الرسالة للطباعة

یہ دوسری میزان منطق کی دوسری شکل پر مبنی ہے۔

۳۔ المیزان الأصغر: اس میزان کی معرفت ہم کو اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا کہ و ما قدروا الله حق قدره اذ قالوا ما أنزل الله على بشر من شئ قل من أنزل الكتاب الذى جاء به موسى نورا و هدى للناس (الانعام: ۹۱) ترجمہ: اوران لوگوں نے اللہ تعالی کی جیسی قدر پہچاننا چاہئے تھی ویسی قدر نہ پہچانی جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالی نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی، آپ کہہ دیجئے وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسی لائے تھے وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

اس میزان سے وزن کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کہیں کفار کا یہ زعم باطل تھا کہ انسان پر وحی نہیں آسکتی، یہ قول باطل ہے اور اس کا بطلان دو اصولوں سے ظاہر ہوتا ہے، ایک یہ کہ حضرت موسی بشر تھے۔

اور دوسرا حضرت موسی علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض انسان ایسے ہوتے ہی جن پر کتاب نازل ہوتی ہے، اس طرح یہ عام دعوی باطل ہوجاتا ہے کہ کسی انسان پر اصلاً کتاب کا نزول نہیں ہوسکتا۔

پہلی اصل کہ حضرت موسی علیہ السلام بشر ہیں یہ حس کے ذریعہ معلوم ہے، اور دوسری اصل کہ حضرت موسی علیہ السلام پر کتاب نازل

ہوئی اس کا علم بھی ان کے اس اعتراف سے ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے بعض حصہ کو چھپاتے تھے اور بعض کو ظاہر کیا کرتے تھے، ارشاد ہے: تبدونها و تخفون كثيرا (الأنعام: ۹۲) ترجمہ: جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سے باتوں کو چھپاتے ہو۔

یہاں اسی کا تذکرہ اچھی طرح مجادلہ و مباحثہ کرنے سے ہے، اس طرح مباحثہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں دونوں اصل کی طرف کنایہ واشارہ کیا جاتا ہے جنہیں مقابل ومخالف تسلیم کرتا ہے، اور اس کے نزدیک وہ مشہور ہوتی ہیں، اگر کسی دوسرے کو اس میں شک وشبہ ہو تو اگر وہ معترف ہوگا تو نتیجہ اسے تسلیم کرنا ہوگا، قرآن کریم میں اکثر دلائل اسی طرح وارد ہوتے ہیں، اگر تمہیں بعض اصول اور مقدمات میں شک ہو تو جان لو کہ اس کا اصل مقصود شک نہ کرنے والے کے لئے دلیل وثبوت پیش کرنا ہوتا ہے، اور تمہارے لئے اس کا مقصود یہی ہوگا کہ اس جیسے دوسرے مواضع میں وزن کرنے کا طریقہ سیکھو، یہ میزان منطق کی اشکال اربعہ میں سے تیسری شکل ہے۔

۴۔ میزان التلازم: اس میزان کی معرفت اللہ تعالی کے فرمان سے ماٴخوذ ہے ارشاد ہے: لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما يصفون (الأنبياء: ۳۲) ترجمہ: اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالی کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے: قل لو كان معه الهة كما يقولون اذا لابتغوا الى ذى العرش سبيلاً (الاسراء: ٤٢) ترجمہ: آپ فرما دیجئے اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اس حالت میں انہوں نے عرش والے تک راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۔

ارشاد ہے: لو كان هولاء الهة ما وردوها (الانبياء: ۹۹) ترجمہ: اگر یہ (تمہارے معبود واقعی) معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں کیوں جاتے۔

اس میزان کی تحقیق وتشریح میں ہم یہ کہتے ہیں لو كان للعالم الهان لفسد (اگر عالم میں دو معبود ہوتے تو خراب ہو جاتا) یہ ایک اصل ہے، یہ نتیجہ نکلنا ضروری ہے کہ دو معبود ہونے کی نفی ہو۔

اسی طرح اگر صاحب عرش اللہ تعالی کے ساتھ معبود ہوتے تو وہ اللہ تعالی تک رسائی کا راستہ تلاش کرتے، اور یہ معلوم ہے کہ ان معبودان باطل سے راستہ تلاش نہیں کیا تو اس سے اللہ تعالی کے علاوہ معبود ہونے کی نفی ہوگئی۔

۵۔ ميزان التعاند: امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دینے کے لئے فرمایا کہ: قل من يرزقكم من السماوات و الأرض قل الله و انّا أو اياكم لعلى هدى أو فى ضلال مبين (سورة سبا: ٢٤) ترجمہ: آپ پوچھئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے (اور مسئلہ توحید میں) اور ہم یا تم ضرور راہ راست پر یا صریح گمراہی میں ہیں۔

یہاں فرمان الٰہی و انا أو اياكم تسویہ یا تشکیک کے لئے نہیں ہے بلکہ اس میں ایک اصل اور پوشیدہ ہے، اور وہ ہے ہم گمراہی میں نہیں ہیں اور کہیں کہ اللہ تعالی آسمان وزمین سے تم کو رزق عطا فرماتا ہے، آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے نباتات اگا کر، اس کا انکار کر کے تم گمراہوں میں سے ہو، اس میزان کی کامل صورت یہ نکلے گی کہ ہم یا تم یا تو ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

و انا أو اياكم لعلى هدى أو فى ضلال مبين یہ ایک دوسری اصل ہے، پھر ہم کہیں کہ یہ بات واضح ومعلوم ہے کہ ہم گمراہی میں نہیں، یہ ایک الگ اصل ہے، ان دونوں اصلوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلنا ضروری ہوگا کہ تم ہی گمراہی میں ہو۔(۱) القسطاس المستقيم أبو حامد الغزالى ، القاهرة، ص ۳۸/۳۷

اس کے بعد امام غزالیؒ نے تعادل تلازم اور تعاند نام رکھنے کی حکمت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ میں نے پہلی کا نام میزان تعادل اس لئے رکھا ہے کہ اس میں دو متعادل اصلین ہیں گویا کہ یہ دونوں اصلین ترازو کے دو متوازن پلّے کی طرح ہیں۔

اور دوسری کا نام میزان تلازم اس لئے رکھا ہے کہ دونوں اصل میں سے ایک اصل دو اجزاء پر مشتمل ہے، ایک لازم دوسری ملزوم جیسا کہ فرمان الٰہی لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسدتا اس آیت کریمہ میں لفسدتا لازم ہے، اور فرمان الٰہی لو کان فیھما الھة الا اللہ ملزوم ہے اس کا نتیجہ لازم کی نفی سے ہو سکے گا کہ دنیا میں فساد برپا نہیں ہوا۔

اور تیسری کا نام میں نے میزان تعاند رکھا اس لئے کہ دونوں اقسام کو نفی اور اثبات میں محصور کرنے سے ایک کا اثبات اور دوسرے کی نفی یا ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات ہوتا ہے، اس طرح دونوں کے درمیان تعاند و تضاد ہوگا۔(۱) القسطاس المستقیم ، ص ۳۷-۳۸

پھر امام غزالیؒ نے فرمایا کہ یہ نام خود ان کے ایجاد کردہ ہیں اور موازین کا استنباط انہوں نے قرآن کریم سے کیا ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک شیطان کے موازین:

شیطان کے بہکانے کے موازین کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ نے فرمایا کہ عقیدہ کے بگاڑ کے لئے اس نے کہا کہ جو جسم کے اعتبار سے سب سے بڑا ہو وہ الٰہ ہوگا، جیسا کہ حضرت ابراھیمؑ نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھا، سورج کو دیکھ کر فرمایا ھذا ربی ھذا أکبر یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے، یہ اصل سب کو معلوم ہے کواکب میں سورج سب سے بڑا ہے، جیسا کہ حضرت ابراھیمؑ نے مشاہدہ کے بعد کہا، لیکن جب اس کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو ان کا رخ خالق کائنات کی طرف مڑ گیا، شیطان کی یہی میزان ہے جس سے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے لیکن یہ ایک باطل میزان ہے۔(الانعام:۷۸)

صاحب کتاب کہتے ہیں کہ شیطان نے خطرناک موازین قائم کر رکھے ہیں، ان میں سے ایک میزان خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہے، یہ میزان اس طرح ہے کہ ہر چیز اپنی خلقت میں کسی پیدا کرنے والے کی محتاج ہوتی ہے، پھر وہ مختلف مخلوقات کے بارے میں یہ سوال دل میں پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ یہ سلسلہ خالق حقیقی اللہ تعالی تک پہونچتا ہے، وہ کہتا ہے اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں پہنچ کر اس کی میزان میں خلل واقع ہو جاتا ہے، کیونکہ اس طرح دور و تسلسل لازم آتا ہے، اور عقلاً و فطرتاً یہ دونوں باطل ہیں۔

امام غزالیؒ اور میری کتاب میں یکسانی و مقارنت:

۱۔ سب سے پہلے میں اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بھی وہ تفکیر عطا فرمائی جو عظیم امام غزالیؒ کو مشغول رکھے ہوئے تھی، بہت سے اسباب جن کی وجہ سے انہوں نے اپنی کتاب تألیف کی ان اسباب میں میرا اور ان کا اتفاق ہے، سب سے اہم سبب اصول ثوابت میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو ختم کرنا، اور قرآن کریم اور سنت مطہرہ کے پاک وصاف چشمے سے موازین کا استنباط کرنا ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالی پر ایمان اور اسلامی عقیدہ پر استدلال کے لئے امام غزالیؒ نے جن پانچ موازین کا استنباط فرمایا ہے وہ علم منطق کی چاروں اشکال میں صغری و کبری پر اعتماد کے ذریعہ نتیجہ تک پہونچنا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، لیکن وہ موازین جہاں تک ہماری رسائی ہوتی ہے وہ اسلامی عقیدہ شریعت اور دستور حیات کو شامل ہیں، یہ موازین تین بنیادی اقدامات پر محیط ہیں، منطقی چاروں اشکال کے ذریعہ نتیجہ تک پہونچنے پر مبنی نہیں ہیں۔

میری میزان کے دونوں پلڑے کونسے ہیں:

میری میزان کے دو پلّے دو متقابل امر شرعی یا دو متقابل نص شرعی، دونوں کو ایک پلّہ میں رکھ کر موازنہ کرنے سے توازن حاصل ہو سکتا ہے، میزان کی لسان جو درمیان میں ہوگی وہ اسلام کا لایا ہوا عدل و انصاف ہوگا لیقوم الناس بالقسط (الحدید:۲۵) یہ انصاف و عدل لوگوں کے

تمام تصورات، احکام، سرگرمیوں اوران کی سمجھ وفہم میں اللہ تعالی کے نازل کرنے کے مطابق ہوگا۔

امام شعرانی کی کتاب المیزان:

امام عبدالوھاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ کی کتاب المیزان ہماری فقہ المیزان سے بالکل مختلف ہے، ائمہ مجتہدین کے ساتھ حسن ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ وہ سب اپنے اپنے اجتہاد میں حق پر ہیں، وہ اپنی کتاب المیزان کی تالیف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ''اپنے بھائیوں کے لئے اس کتاب کے لکھنے کی غرض وغایت یہی ہے کہ ان مجتہدین کے اقوال پر عمل کیا جائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا و الذی أوحینا الیك و ما وصینا به ابراهیم و موسی و عیسی ان أقیموا الدین و لا تتفرقوا فیه (الشوری: ۱۳) ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے ابراھیم موسی اور عیسی کو دی تھی کہ تم دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو

علماء مجتہدین کی تقلید میں مقلد کے فعل کو اس کے قول کے مطابق ہونا چاہئے، تمام ائمہ مسلمین اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں، دل سے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے، اپنے ائمہ کے لئے واجب حقوق کو ان کے ساتھ ادب ولحاظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔ (کتاب المیزان للامام الشعراوی طبعہ حجریۃ قدیمۃ ۱/۳/۲۳)

پھر دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ ''ائمہ مجتہدین کے تمام اقوال اوران کے تمام مقلدین قیامت تک شریعت مطہرہ کے نور سے منور ہوتے رہیں گے، تم ان کے کسی بھی قول کو شریعت سے خارج نہ پاؤ گے، ہر مجتہد اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ (کتاب المیزان للامام الشعراوی طبعہ حجریۃ قدیمۃ ۱/۳/۲۳)

پھر یہ اقوال فقہاء کو شریعت کے دائرہ میں محصور کرنے کی ایک میزان ہے، جو ایک مبارک کام ہے، لیکن یہ ہماری کتاب فقہ المیزان سے مختلف ہے، فقہ المیزان میں شریعت اور ابواب شریعت کو خود سمجھنے کی موازین بتلائی گئی ہی، اس طرح ہر حکم کے اوزان بتلا کر ان کے درمیان موازنہ کر کے موزوں اجتہاد، موزوں تصور، موزوں حکم، موزوں تعامل اور موزوں سلوک تک پہونچا جاتا ہے۔

فقہ المیزان اور صرف کے اوزان:

کسی شخص پر یہ بات مخفی نہیں کہ علم صرف کے انتہائی دقیق اوزان ہیں فعل ثلاثی مجرد، اور مزید فیہ، فعل رباعی مجرد اور مزید فیہ، ان اوزان کے ذریعہ حروف اصلیہ اور حروف زائدہ میں تمیز کی جاتی ہے مثلاً استخرج کا وزن استفعل ہے پہلے تین حروف زائدہ اور آخری تین حروف اصلیہ ف ع ل، اور رباعی مجرد میں لازم کی تکرار کے ساتھ مثلاً دحرج کا وزن فعلل اس حرف کا جیم حرف اصلی ہے۔

فقہ المیزان اور علم منطق:

بعض علماء نے علم منطق کا نام میزان رکھا ہے، یعنی علم منطق فکر وتصورات کو منضبط کرنے کا ایک قانون ہے، اسے بہت سے محقق علماء نے تسلیم نہیں کیا ہے، اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ ہماری کتاب فقہ المیزان کی اصل غایت اور مقصد سے بالکل مختلف ہے۔ (ایساغوجی کی کتاب کا مطالعہ کریں)

میزان اور اوزان صف بندی کا آسان چارٹ

مفاسد	مصالح	حقوق العباد	اللہ کے حقوق	تبدیل شدہ	ثابت شدہ	منہیات	مامورات
اس کا ایک خاص میزان ہے اس کے اندر بھی متعدد اوزان ہیں ، اس طرح کہ میزان داخل ہوتا ہے عام فساد کیا ہے اور خاص فساد کیا ہے اور ترجیح کا عمل دلیل و فساد کی قوت کے اعتبار سے اس کا میزان بچنے پر ہے اور یہ تفصیلی طور پر محصور ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے	اس کا ایک خاص میزان ہے جو مفاسد کے میزان سے الگ ہے ، اس کے اندر متعدد اور مختلف اوزان ہیں ، اسطرح کہ میزان داخل ہوتا ہے کہ مصلحت کیا ہے اس کے بیان کرنے کے لئے ، فرد کی مصلحت ، جماعت کی مصلحت ، ملک کی مصلحت ، دلیلوں اور مصلحت کی قوت کے ذریعہ ترجیح کا عمل ہوگا مصالح کا وزن زیادہ طاقتور ہو گا کیونکہ وہی مرجع ہے اور اسی پر تہذیب وترقی قائم ہوتی ہے اور یہ مقصود بالذات ہیں	اس کا خاص میزان ہے اور وہ اللہ کے حقوق سے الگ ہے ، وہ مطالبہ پر قائم ہیں اور باقی رہتے ہیں یہاں تک کہ لوٹائے جائیں یا صاحب حق معاف کر دے ، اسی طرح اس کے اندر مختلف اوزان ہیں ، اسی طرح میزان داخل ہوتا ہے یہ بتانے کے لئے کہ خالص ، غالب ، زیادہ طاقتور دلیل و مصلحت کے اعتبار سے اور کیا اس کا غالب حق اس جیسا ہی ہے ۔ اس کا عام حق جو حدود سے متعلق ہے اور فرض کفایہ	اس کا خاص میزان ہے جو حقوق العباد کے میزان سے الگ ہے ، پہلا ایک حیثیت سے زیادہ طاقتور ہے اور دوسرے سائڈ سے زیادہ خفیف ہے اس طرح میزان حق اور واجب کے درمیان داخل ہوتا ہے اور ہر طرح کے حق کی مقدار طے کرتا ہے اور جو زیادہ اولی اور دلیل کے اعتبار سے طاقتور اللہ کا حق عام حق ہے ، اس میں شفاعت جائز نہیں ، وہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں ، اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کا حق اور اس کے احکامات ماننے اور منہیات سے رکنے کا حق ، ان دونوں کا الگ میزان ہے	اس کی خاص میزان ہے ہر قسم کی منضبط کوشش وجد و جہد کی تمام قسموں کو جمع کرنے کی قابلیت ہو ، اس میں تمام اجتہادی احکام جو ظنی دلیلوں اور درگزر کی منطق سے لئے گئے ہیں ۔ ان تبدیلی والی چیزوں میں بعض کا وزن بعض سے زیادہ دلیل کی قوت ، مصلحت یا فسادی رجحان اور مقاصدی نظم کی قوت کے اعتبار سے	اس کا خاص میزان جو اجتہاد کے عدم جواز پر قائم ہے اور صرف تنزیل کے لئے اجتہاد کی اجازت ہے ، اور یہ متغیرات کے میزان سے الگ ہے ، ثابت شدہ چیزوں کا میزان بڑا ہے اس کے اندر بھاری بھرکم اوزان ہیں ، عقیدہ ، ارکان اور دین کی وہ بات جو جاننا ضروری ہو بلکہ عقائد کے اندر بھی مختلف اوزان ہیں اللہ تعالی پر ایمان کا سب سے بھاری وزن ہے اس کے ارکان کے اندر شہادت (اللہ کی گواہی) پھر نماز کا میزان بھاری ہے پھر طے شدہ معاملات کے بنیادی اصول ، خاندان کا نظام ، جہاد ، تعلقات اور سزائیں وغیرہ	اس کی خاص میزان ہے فساد اور مضرتوں کی قوت کے اعتبار سے اس کا خاص وزن ہے ، اسی طرح اس کی ساری نصوص ترازو کے دو پلڑوں میں جمع کی جائیں گی ، اور میزان دونوں معاملوں میں توازن قائم کرنے کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کا وزن کیا جائے گا ۔ مثال کے طور پر سب سے طاقتور منہیات حرام اور مکروہ ہے پھر منہیات کے اندر سب سے بڑا کبیرہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ، پھر سات کبائر ، پھر باقی محرمات پھر مکروہ تحریمی پھر مکروہ تنزیہی	اس کا خاص میزان ہے اور خاص وزن ہے جس کا تعلق مصالح ، منافع اور طیبات سے ہے ، امر بالمعروف والی نصوص کو جمع کیا جاتا ہے تاکہ ہر مجموعہ کو اس کے خاص پلڑے میں رکھا جائے تاکہ توازن قائم ہو سکے ، مثلاً معروفات کا میزان وسیع ہے اس پر اس حدیث کی تطبیق ہوگی (فاتوا منہ ما استطعتم) منہیات کی میزان محدود اور مفصل ہے اس لئے اس پر (فاجتنبوہ) کی تطبیق ہو گی ، اسی طرح میزان مأمور اور منہی کے درمیان داخل ہو گا اور بتائے گا کہ مامورات ایسی بنیاد ہے جس پر تہذیب کھڑی ہوگی اور تمکین حاصل ہو گی اور منہیات حفاظت اور بچاؤ کا کام کرتے ہیں ۔ پھر مأمورات سیڑھی کے حساب سے ہیں ، فرض ، واجب اور مستحب اور فرض میں توحید بقیہ ارکان ، اور مستحب کے اندر مؤکد داخل ہے

دونوں پلڑوں کا میزان اور توازن	
خالق سے متعلق	مخلوق سے متعلق
دنیا سے متعلق	آخرت سے متعلق
مادہ سے متعلق	روح سے متعلق
معجزات سے متعلق	اسباب سے متعلق
قضاء وقدر	ذمہ داری اور عمل
ایمان اور اللہ کی قدرت	اللہ تعالی کی سنتیں
عالم مشاہدہ	عالم غیب
وحی اور کتاب وسنت	عقل اور حواس
انسان کے اندر روح، نفس اور دل	باہر میں سلوک وعمل، ظاہری چیزیں
جنگ	صلح
جھگڑے، جنگیں	احسن طریقے سے معاملات کو آگے بڑھانا
مسلمان اپنی سوسائٹی میں	مسلم اقلیت
غیر مسلم سوسائٹی	مسلم اقلیت
دار حرب	دار اسلام اور دار عہد
تمکین وقوت کی حالت	کمزوری کی حالت
امت جماعت اور سوسائٹی	فرد
مصالح	مفاسد
اصل	تابع ہوکر
حقوق	فرائض
بدعت	ایجاد

اسی طرح تمام احکام اور سرگرمیوں میں میزان چلے گا

فصل ثانی

فقہ المیزان کے ارکان اور اس کے عناصر

نظریہ فقہ المیزان کی کامل صورت اس وقت تک ظاہر نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے پانچ بنیادی عناصر موجود نہ ہوں ''وازن'' یعنی مجتہد، مفتی، باحث ومحقق، ہر حکم یا تصرف یا احکام کا مجموعہ اور متناسق تصرفات کے لئے خاص میزان کا تعین اور اس سے اس طرح تعامل کہ میزان حکم اور دوسرے موازین میں خلط ملط نہ ہو، ہر حکم شرعی یا تصرف کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے گہری فہم، پھر ترازو کے دونوں پلّوں میں رکھ کر موازنہ کے بعد اس کا وزن سمجھ اور باریکی سے نکالا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہ المیزان کے پانچوں عناصر پائے جانے کی صورت میں توازن اور فقہ موزوں کی انشاء اللہ تحقق ہوگی، ہم ذیل میں ان پانچوں عناصر کی مختصر تشریح کرتے ہیں۔

پہلا عنصر:

الوازن (وزن کرنے والا) جو وزن کرنے کا کام کرتا ہے، وہ یہاں یا تو مجتہد ہوگا یا مفتی ہوگا یا محقق واسکالر ہوگا، مجتہد کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں اجتہاد کی شرطیں مکمل طریقہ سے موجود ہوں، اسی طرح اگر مفتی ہے تو مفتی کی شرطیں اور اگر محقق ہے تو اس میں رسرچ کی تمام شروط جیسے علمی تیاری، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ شدہ استعداد استنباط، ترجیح اور تحلیل کی قدرت (الاجتہاد والفتوی اھمیتھا وشروطھا دار البشائر الاسلامیۃ بیروت ص ۹۸-۱۰۰)

دوسرا عنصر:

الموزون (وہ چیز جس کا وزن مطلوب ہو) اس کا وزن جانا جاسکے اور یہاں مراد موضوعات، دلائل احکام اور سرگرمیاں وغیرہ ہیں۔

تیسرا عنصر:

وہ ترازو جس سے دوسرے عنصر کا وزن کیا جاسکے جسے فقہ المعیار کہا جاسکتا ہے، وہ میزان جس سے احکام، تصرفات اور عقیدہ وشریعت کے ہر باب کے لئے مخصوص میزان، یہ اس وجہ سے کہ کائنات میں علمی موازین مختلف ہوتے ہیں، پانی کے جانچنے کا پیمانہ، مٹی کے جانچنے کے پیمانہ سے، ہوا جانچنے کا پیمانہ بجلی ناپنے کے پیمانے سے، کیمسٹری اور اشیاء کی خاصیتوں کے ناپنے کے پیمانوں میں باہمی اختلاف کو ناپنے کے پیمانے، گرمی اور قیاس نسبی کے مختلف پیمانے، اسی طرح تمام احکام اور تصرفات میں ہر مجموعہ کو ناپنے کی الگ وخاص میزان ہوگی اور عدل و انصاف اس وقت تک متحقق نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی مخصوص ترازو سے وزن نہ کیا جائے۔

مطلوبہ موازین کی معرفت کی کیفیت:

ہمیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے موازین القسط اور قسطاس مستقیم کو ایمان کی صفت، حق و باطل، درست وخطأ، خیر وشر، ہدایت وگمراہی، مخلوق کے خالق کے ساتھ اور مخلوق کے باہمی معاملات کی درستگی کے لئے وضع فرمایا ہے، اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت کتاب وسنت اور اجماع امت کے قطعی دلائل وبراہین سے ملتا ہے۔

پہلا مقدمہ: اسلام کو اللہ تعالی نے توحید، ایمان، ارکان ایمان، رشد و ہدایت، فوز و فلاح، حق و باطل و خیر و شر کے بیان کے لئے نازل فرمایا ہے، اس کے قطعی دلائل بیشمار ہیں، ان میں سے اللہ تعالی کا یہ ارشاد: الیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (المائدۃ: ۳) ترجمہ: آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین پسند کر لیا۔

اور ارشاد باری تعالی: شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا و الذی أوحینا الیك و ما وصینا به ابراهیم و موسی و عیسی ان أقیموا الدین و لا تتفرقوا فیه کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه الله یجتبی الیه من یشاء و یهدی الیه من ینیب (الشوری: ۱۳) ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے ابراھیم موسی اور عیسی کو دی تھی کہ تم دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص اس کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے۔

ارشاد گرامی ہے: و یوم نبعث فی کل امة شهدا علیهم من أنفسهم و جئنا بك شهیدا علی هؤلاء و نزلنا علیك الکتاب تبیاناً لکل شئ و هدی و رحمة و بشری للمتقین (النحل: ۸۹) ترجمہ: اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ جو انہی میں کا ہوگا ان کے مقابلہ میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ کہ تمام دین کی باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے

یہ اور ان کے علاوہ بہت سی آیات اس پر وضاحت سے دلالت کرتی ہیں کہ یہ اسلامی شریعت کامل ہے اور اللہ تعالی کی کتاب نے کوئی تفریط نہیں کی ہے ما فرطنا فی الکتاب من شئ (الانعام: ۳۸) ترجمہ: ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

اور اس کتاب کو اللہ تعالی نے اختلاف ختم کرنے اور روشن تابناک حق کے بیان کے لئے نازل فرمایا ہے کہ وضاحت و بیان میں جس کی رات دن کی طرح روشن ہے۔

بلکہ اس پر اجماع ہے کہ سابقہ بیان کردہ چیزوں پر جو ایمان نہ لائے وہ نہ تو مسلمان ہے اور نہ ہی اسے ملت اسلامیہ میں شمار کیا جائے گا، اس طرح یہ پہلا مقدمہ بلا شک وشبہ بالکل قطعی ہے۔

دوسرا مقدمہ: حق و باطل، ہدایت و گمراہی، خیر و شر کے بیان اور وضاحت کے لئے ایسے دقیق پیمانوں کی ضرورت ہوتی ہے جن سے جانچنے کے بعد فراق وشقاق نہیں ہوسکتا، جیسا کہ مادی پیمانوں سے ناپنے کے بعد دونوں معاملہ کرنے والوں اور جھگڑنے والوں میں اختلاف ختم ہوجاتا ہے۔

اس پر دلالت کرنے والی وہ تمام آیات کریمہ ہیں جن میں میزان کا ذکر و بیان ہے، ایسی آیات ۲۳ ہیں خاص طور سے سورہ حدید کی آیت ۲۵، ارشاد ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبینات و أنزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و أنزلنا الحدید فیه بأس شدید و منافع للناس و لیعلم الله من ینصره و رسله بالغیب ان الله قوی عزیز (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ہی اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تا کہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بے دیکھے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالی نے قسط وانصاف، کتاب اور میزان میں ربط وتعلق بیان فرمایا ہے، اسی طرح سورہ شوری میں میزان کے کتاب کے ساتھ اترنے پر مکرر تاکید فرمائی ہے، ارشاد ہے: اللہ الذی أنزل الکتاب بالحق و المیزان و ما یدریك لعل الساعة قریب (الشوری: ۱۷) ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے کتاب اور میزان کو حق کے ساتھ نازل کیا اور آپ کو (اس کی) کیا خبر کہ عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔

اور اللہ تعالی نے سورہ رحمٰن کا آغاز اس فرمان سے کیا کہ الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان الشمس و القمر بحسبان و النجم و الشجر یسجدان و السماء رفعها و وضع المیزان ألا تطغوا فی المیزان و أقیموا الوزن بالقسط و لا تخسروا المیزان (رحمٰن: ۱ تا ۹) ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو گویائی سکھائی، سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں اور نجم وشجر اللہ کے مطیع ہیں اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو (یعنی وہ آلہ وسیلہ رکھا جس سے تولا اور وزن کیا جا سکے) ترازو میں زیادتی نہ کرو (وزن واوزان میں زیادتی سے منع کیا گیا) انصاف سے سیدھی ترازو تولو، اور تول کو مت گھٹاؤ (یعنی تول میں کمی بیشی نہ کرو)

اللہ تعالی کی رحمت، قرآن کی تعلیم، انسان کی تخلیق، اس کو گویائی وبیان کی تعلیم، اجرام سماویہ کا متوازن نظام، میزان حق کو وضع فرما کر، میزان میں طغیان سے قطعی اجتناب، انصاف کے ساتھ وزن کرنے کا پختگی سے حکم اور ناپ تول میں کمی کرنے کی بتاکید حرمت، کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی کی بیان کردہ یہ تمام چیزیں، صرف نباتات و جمادات کو وزن کرنے اور تولنے کے لئے مذکور ہیں، ایمان وکفر، ہدایت و ضلالت، خیر وشر، حق وباطل، خالق ومخلوق کے تعلق اور مخلوقات کے باہمی تعلقات کو تولنے اور ان کا وزن کرنے سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میزان ان دونوں کو شامل ہے، اور اس شمولیت کی تاکید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اعمال کو جانچنے کے لئے موازین نصب فرمائیں گے، دنیا میں اعمال کا وزن میزان سے نہیں کیا جاتا، لیکن اللہ تعالی اپنے عدل وانصاف اور رحمت وشفقت کے اظہار کے لئے یہ موازین رکھیں گے، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی یا اغماض نہیں ہے، ارشاد ہے: و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ترجمہ: اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جبتک کہ رسول کو نہ بھیج لیتے۔

یہ ایک فطری قاعدہ ہے جو ایک بین الاقوامی قاعدہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ ''بلا واضح اور ظاہر وباہر نص کے سزا نہیں دی جائے گی "انه لا عقوبة الا بنص واضح بین" پھر اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالی نے مادی موازین کو نازل فرمایا اور انصاف وباریکی سے ان سے چیزوں کے تولنے کا حکم دیا، اور یہ بھی حکم دیا کہ قسطاس مستقیم سے وزن کیا جائے تاکہ لوگوں کے درمیان عدل متحقق ہو سکے۔

عدل ہی بلند مقصد ہے اسی وجہ سے ہر موزون چیز کی نوعیت کے اعتبار سے موازین مختلف ہوتی ہیں، بجلی ناپنے کا پیمانہ پانی ناپنے کے پیمانہ سے، اور یہ دونوں ہوا ناپنے کے پیمانہ سے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح دوسرے اور پیمانے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کے پیمانوں کی بھی انسان کو ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اعمال وافعال، مختلف سرگرموں کا وزن کرنے اور نصوص ومعارف کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اختلاف کے اثرات زیادہ شدید اور خطرہ کا بڑا نشان ہوتے ہیں، اس لئے کہ اس کا تعلق انسان کی دنیا وآخرت کے انجام سے ہوتا ہے، مادی موازین تمام احوال میں فروعی دائرہ سے باہر نہیں ہوتے ان میں بگاڑ کرنے والا گناہ گار اور نافرمان ہوتا ہے، لیکن اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن معنوی موازین، خاص کر جن کا تعلق ایمان وکفر اور ہدایت وضلالت وغیرہ سے ہے ان میں خلل انسان کو ملت اسلامیہ کے دائرہ سے نکال دیتا ہے۔

اس لئے دوسرا مقدمہ ان نصوص شرعیہ کی وجہ سے قطعی ویقینی ہے جن کا اعتراف فطرت سلیمہ اور عقل مستقیم کرتی ہے، جب ہم نے ان دونوں مقدمات کو تسلیم کرلیا تو ان موازین پر ایمان لانا اور ان کا یقین کرنا ضروری ہوگا، اور ان موازین کو قرآن کریم، سنت مطہرہ اور سیرت وغیرہ سے اخذ کرنا ضروری ہوگا، اس کتاب سے ہمارا بحسن وتوفیق یہی مقصد ہے۔ اب ہم اس کی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں۔

اسلام میں تحاکم ومرجعیت کی میزان

اسلام اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ مذہب ہے، اس لئے تمام لوگوں کے درمیان اتفاق ہے کہ کسی بھی چیز کی اسلام کی طرف نسبت کرنے میں: کتاب اللہ، صریح وصحیح حدیث نبوی اور عربی زبان ولغت کے ان معانی کو مدنظر رکھا جائے گا جو عہد رسالت میں جاری وساری تھے۔

شام کے مشہور سیکولر ڈاکٹر العظم سے جو کہ الجزیرہ چینل پر ''الاتجاہ المعاکس'' پروگرام پیش کرتے ہیں، اسلام سے متعلق جب میری ان سے گفتگو ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری بات چیت نفع بخش ہو تو ضروری ہے کہ وہ گفتگو کی میزان کے مطابق ہو، اور وہ میزان یہ ہے کہ جب ہم اسلام پر گفتگو کریں تو اسے شریعت کے محکم اور صحیح نصوص کے موافق ہونا چاہئے، یہ کہ ان سے قانون سازی کے زمانہ کے مطابق واضح دلالت ہو سکے۔

ڈاکٹر العظم نے اس سے اتفاق کیا، اور جب ہم نے اسلام سے متعلق غلط مفاہیم پر گفتگو کی تو ان کے اعتراضات کا جواب ہم نے اس میزان کے ذریعہ دیا جس پر ہم متفق ہو گئے تھے، اب ان کے سامنے سوائے تسلیم کرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔

صحیح وبرحق اسلام کی معرفت کا بنیادی اصول وقاعدہ یہی ہے کہ اللہ تعالی کے برحق ارادہ ومشیت کی جانکاری ہونا ضروری ہے جو اللہ تعالی کریں، پابندی وذمہ داری اور صحیح راستہ سے متعلق مطلوب ہے اس لئے سب کچھ اس کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

فیصلہ اس کا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندوں سے جو اللہ تعالی چاہتے ہیں اسے ظاہر کرنے اور کھول کر بیان کرنے والے ہیں، اور مجتہد کا صحیح ودرست اجتہاد جو اپنے محل میں اجتہاد کی شروط کے ساتھ ہو وہ اللہ تعالی کے ارادہ اور حکم کو مجتہد کے ظن غالب کے ساتھ کھولنے والا ہے۔

جب ہم قرآن کریم اور صحیح سنت میں غور وخوض کریں گے تو کامل چھان بین اور تحقیق کے بعد ہم اس نتیجہ تک پہونچیں گے کہ قرآن وحدیث کے نصوص دو انواع کے ہیں:

اول نوع: جو تواتر لفظی ومعنوی سے قطعی طور پر ثابت ہو وہ مکمل قرآن اور بعض متواتر احادیث ہیں۔ اس پہلے نوع سے دو اقسام اور نکلی ہیں:

الف: پہلی وہ قسم کہ موضوع پر اس کی دلالت اس طرح قطعی ہو کہ اس میں کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو

ب: دوسری وہ قسم کہ جس میں ظنی دلالت ہو

اس دوسری قسم کا ثبوت ظنی ہوتا ہے جیسے خبر واحد، چاہے اس کی دلالت موضوع پر ظنی ہو یا قطعی۔

اگر ہم ان چاروں اقسام پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ نص شرعی جو مشیت الٰہی پر یقینی صورت سے دلالت کرنے والا اور تواتر سے ثابت ہو یہ قسم وہ ثابت شدہ اور قطعی نصوص ہیں جن پر امت کا اجماع ہے، یہ وہ اصول، مبادئ عامہ اور قطعی احکام ہیں جن کا دین اسلام سے ہونا معلوم ہے، اس قسم میں ''میزان الثوابت'' فیصلہ کرتی ہے، اس میں اختلاف جائز نہیں اور وہ تمام ظنی احکام اور متشابہات کا مرجع ہوتی ہے۔

تواتر لفظی ومعنوی سے ثابت اپنے معنی پر قطعی ویقینی دلالت کرنے والی پہلی قسم کے علاوہ باقی تین اقسام یعنی ظنی دلالت اور ثبوت، ظنی دلالت اور قطعی الثبوت اور ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ یہ اقسام اپنے مطلوب پر قطعی طور سے دلالت نہیں کرتیں۔(۱) (کتاب الاجتہاد والفتوی،

اہمیت اور تطبیقات بیروت ۱۴۳۸ھ ص ۲۲۴/۲۴۰)

اسی وجہ سے وہ تغیر اور جواز اختلاف کی میزان کے تابع ہوتی ہیں، اور ان میں سے بعض کے انکار سے کفر، بدعت اور گمراہی کا حکم نہیں لگتا۔

اس میزان کا دائرہ انتہائی وسیع و کشادہ ہوتا ہے، اس میں تمام اہل قبلہ مسلمان شامل و داخل ہوتے ہیں، اور دائرہ میں رہ کر مذہب اور اخوت اسلامی میں بگاڑ و فساد نہیں ہوتا بلکہ ترجیح اور افضلیت ہوتی ہے، کوئی فاضل، مفضول و افضل اور راجح و مرجوح یا زیادہ راجح ہوتا ہے، یہ دونوں موازین اختلاف کو منظّم کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

میزان الثوابت پہلی میزان میں درج ذیل چیزوں کا لحاظ ہوتا ہے۔

اس پر ایمان واجب ہے، اس میں تغیر و اختلاف ناجائز ہے، وہ برحق اور ثابت ہوتی ہے، اور اس پر عدم ایمان ملت اسلامی سے خارج کر دیتا ہے، اس کے بنیادی حکم میں تغیر کے لئے اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن اس کی شروط، ضوابط اور مدلولات میں اجتہاد جائز ہوتا ہے مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کی فرضیت پر دلالت کرنے والے نصوص، قطعی اور باقی و ثابت ہوتے ہین، لیکن مجتہدین کے لئے ان کی شروط، ارکان، ضوابط اور ثبوت وجوب میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان قطعی اور ثابت چیزوں کے ارکان و ثوابت میں معتمد دلائل اور شان نزول یا کیفیت نزول کی روشنی میں ہر ایک کی الگ الگ شرطیں رکھی ہیں، یہ شروط بھی ثوابت اور غیر ثوابت اشیاء میں منقسم ہوتی ہیں، اور ان میں اجتہاد کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط سالی کی زمانہ میں چوری پر حد سرقہ حالت اضطرار اور بعض شرطوں کے اور شبہ کی وجہ سے نافذ نہیں کی۔ (۱) کتاب الاجتہاد والفتوی، بیروت، ۱۴۳۸ھ

اشیاء متغیرہ کی میزان میں، اجتہاد کی شرطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتہاد کی گنجائش ہے، ہم آئندہ فصول میں اس کی مزید تشریح کریں گے۔

چوتھا عنصر اوزان کی فقہ:

کائنات میں موجود اشیاء کا وزن ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے جیسے لوہے کا وزن تانبے کے وزن سے، پتھر اور مٹی کا وزن دوسری چیزوں سے الگ ہوتا ہے، اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر مادہ کو اس کی قوت اور ثقل کو دیکھتے ہوئے اس کا مناسب وزن دیں، ہمارے لئے یہ درست نہیں کہ ہم بلا نتیجہ اشکال کو، بلا معانی الفاظ کو، بلا مقاصد وسائل کو اور بلا قواعد کلیہ اور مبادئ کے دلائل جزئیہ کو دیکھیں، یا اس کے برعکس کریں۔

اگر ہر چیز کا وزن اس کے خاص پیمانہ کے بغیر کیا جائے گا تو اس سے لوگوں پر ظلم و ستم، نظام میں خلل اور انصاف متحقق نہیں ہوگا، اسی طرح اگر احکام اور تصرفات میں ہر ایک کے موزون کی تحدید اور ہر ایک کی قوت کا علم نہ ہوگا تو اس سے بھی زبردست خلل اور لوگوں کے درمیان ظلم و جبر ہوگا۔

اور اگر ہر مادہ کو اس کا خاص وزن نہیں دیا جائے گا تو اس سے ظلم اور عدم ضبط پیدا ہوگا، اسی طرح اگر ہر حکم شرعی اور تصرف شرعی کو اس کا خاص وزن نہیں دیا گیا تو اس سے بھی اضطراب ہنگامہ، جہل و ظلم اور لوگوں کے درمیان انصاف کا فقدان اور عدل متحقق نہ ہوگا، اللہ سبحانہ وتعالی نے میزان کے نازل کرنے کی حکمت قیام عدل بتلائی ہے، ارشاد ہے: و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحديد: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل فرمایا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

جس طرح کہ مادی پیمانوں کے وزن میں فساد کی وجہ سے بدنظمی اور لاقانونیت عام ہوتی ہے، موازین معنویہ اور معاشرہ میں موجود عمل و

فیصلہ وحکم کی موازین میں فساد کی وجہ سے بے اصولی، فساد واضطراب عام ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مادی و معنوی پیمانوں کی اصلاح کے لئے ارسال فرمایا، حضرت شعیب علیہ السلام نے اصلاح کی طرف توجہ دی، اوران دونوں میزانوں میں خلل کو فساد بتلایا، انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: أوفوا الكيل و لا تكونوا من المخسرين و زنوا بالقسطاس المستقيم و لا تبخسوا الناس أشياء هم و لا تعثوا فی الأرض مفسدين (الشعراء: (۱۸۲، ۱۸۳) ترجمہ: تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان مت کیا کرو اور سیدھی ترازو سے تولنے کی چیزیں میں تولا کرو، اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں فساد نہ مچایا کرو۔

یہ آیت کریمہ ہم کو باریکی سے تولنے، انصاف سے وزن کرنے اور میزان مستقیم استعمال کرنے کا حکم دیتی اور اشیاء اموال اور اجناس میں کمی کرنے سے سختی سے منع کرتی ہے، یعنی بلا کمی وزیادتی ہر چیز کا وزن کرنا اور اس کا حق ادا کرنا واجب ٹھہراتی ہے، اس کے بعد زمین میں فساد کرنے اس کی سعی وکوشش کرنے سے سخت منع کرتی اور روکتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے دین حق کے بارے میں مستقیم فرمایا جیسا کہ میزان اور قسطاس (ترازو) کے بارے میں لفظ مستقیم کا استعمال فرمایا، اور مسلمانوں پر نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت کو واجب قرار دیا جس میں اھد نا الصراط المستقیم ہے کہنے کی تعلیم دی

اور دونوں میزانوں کو مربوط فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: الذين اذا اكتالوا على الناس يستوفون و اذا كالوهم أو وزنوهم يخسرون (المطففين: ۱، ۲، ۳) ترجمہ: جب لوگوں سے (بناحق) ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔

یہ پوری کائنات دقیق موازین پر قائم ہے، اگر افلاک، کواکب اور مجرات کی میزان میں خلل واقع ہوجائے تو قیامت قائم ہوجائے ارشاد ہے: لا الشمس ينبغی لها أن تدرك القمر و لا الليل سابق النهار و كل فی فلك يسبحون (يس: ٤٠) ترجمہ: نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

قیامت کے وقت تمام امور میں تغیر واقع ہوجائے گا اذا الشمس كورت و اذا النجوم انكدرت (التكوير: ۱، ۲) ترجمہ: جب آفتاب بے نور ہوجائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے

اسی وجہ سے قیامت کی نشانیوں میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی ہے، انسان بھی اپنے مختلف نظام ترکیبی میں دقیق موازین پر قائم ہے، اگر اس نظام میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے تو انسان مرض کا شکار ہوجاتا ہے، اور اگر خلل بڑا ہوتا ہے تو اسے موت آجاتی ہے، انسان کی بقاء اپنے داخل نفس بناوٹ میں دقیق توازن پر قائم ہے، پھر انسان اور اشجار وغیرہ کے درمیان بھی ایک توازن قائم ہے، یہ توازن آکسیجن اور کاربن ڈائی اکسائڈ سے قائم رہتا ہے، اگر کسی ایک میں خلل واقع ہوجائے تو دوسرے میں بھی خلل واقع ہوجاتا ہے، اوزون کی تہہ کا مسئلہ معروف و مشہور ہے۔

اسلام ایک فطری مذہب ہے، اس لئے اس نے ہمارے اعمال اور نفوس میں منقطع النظیر دقیق وباریک موازین کا نظام قائم فرما کر اس کی خاص دیکھ ریکھ کی ہے، جبکہ مادی اور معنوی تمام کائنات ایک میزان پر قائم ہے جس کے دو پلّے ہیں اس میں کوئی بھی خلل حادثہ کا سبب بن سکتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے شفع یعنی جوڑے کی قسم کھائی ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ میزان کے دونوں پلے نر اور مادہ نگیٹو اور پازیٹو حق و باطل اور خیر شر ہیں، ارشاد ہے: سبحان الذی خلق الأزواج كلها مما تنبت الأرض (يس: ۳۱) ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی۔

قرآن کریم نے اشارتاً بتلایا ہے کہ انبیاء کرام آسمانی کتابوں کا مقصد، شرعی اعتبار سے، مطلوبہ طریقہ پر بلا میزان کے پورا نہیں ہوسکتا:

لقد أرسلنا رسلنا بالبينات و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط و أنزلنا الحديد فيه بأس شديد و منافع للناس و ليعلم الله من ينصره و رسله بالغيب ان الله قوى عزيز (الحديد: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ہی اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تا کہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بے دیکھے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ زمین پر انسان کے خلیفہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے پاس کوئی دستور اور پیغام ہو، یہ دستور و پیغام کتاب ہے، یہ کتاب ہر انسانی معاشرہ کا مرجع اور رابطہ ہے یہ وہ میزان ہے جس سے اس کے تصرفات کو منضبط کیا جاسکتا ہے، تا کہ اس کے ذریعہ ''عدل'' متحقق ہو، ایک ایسی قوت و طاقت ہو جو اس کی حمایت کر سکے اور زمین میں قوت و طاقت کے وسائل مہیا ہوں، ایسا نفع بخش علم ہو جس سے وہ اللہ تعالی کو اور اس کے حقوق کو جان سکے، کائنات میں موجود خزانوں کو نکال سکے، تا کہ دنیا و آخرت کی سعادت، ترقی اور تہذیب مل سکے، اس لئے کہ حق بلا قوت کے یقینی نہیں ہوسکتا اور قوت بلا عدل بلا اخلاق و مبادئ کے انسانیت کے لئے امن و سعادت پیدا نہیں کر سکتی، انسانی معاشرہ بلا اس علم کے جو قوت اور کاتب کی کنجی ہے، اس کائنات سے استفادہ نہیں کر سکتا، اس لئے ایک ایسی ترازو کا ہونا ضروری ہے جس کے ذریعہ ہم ان تمام چیزوں کا وزن کر سکیں، اور آسمانی کتاب کے نزول کا حقیقی واقعی مطلب سمجھ سکیں، اور یہ جان سکیں کہ قوت کا استعمال کب اور کیسے کیا جائے، قرآن کریم نے حدید یعنی قوت کا ذکر کتاب و میزان کے بعد یہی احساس دلانے کے لئے کیا ہے کہ اس کا اصل مقام معلوم ہو جائے، قران کریم نے حدید کی میزان تک پہنچنے کی کیفیت کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے: و أنزلنا الحديد فيه بأس شديد و منافع للناس (الحديد: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔

اس میزان سے حدید کے منافع و نقصانات اور مفاسد کے درمیان موازنہ کیا جائے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا کہ حدید میں طاقت و قوت ہے، اس کے منافع بہت ہیں، میزان کے ذریعہ ہمیں پتہ چل جائے گا کہ دنیا میں خلافت کی ذمہ داری برداشت کرنے کے لئے حدید کا نزول کتنا ضروری تھا، اس میزان کا اندازہ ہم کو اللہ تعالی کی ملائکہ کے ساتھ گفتگو سے بخوبی ہو جاتا ہے قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها و يسفك الدماء و نحن نسبح بحمدك و نقدس لك قال انى أعلم ما لا تعلمون (البقرة: ۳۰) ترجمہ: فرشتوں نے کہا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں کریں گے، ہم برابر آپ کی تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالی کو ان حقائق کا علم ہے اور تم سے زیادہ علم ہے، تم اے ملائکہ اللہ کی تسبیح تحمید اور تقدیس اور اس کی اطاعت اور نافرمانی نہ کرنے کی میزان کو دیکھتے ہو، اگر تنہا یہی چیزیں زمین میں خلیفہ کے لئے ضروری ہوتیں تو تم زمین پر خلافت کے مستحق ہوتے، آدم اور اس کی ذریت کو یہ خلافت نہ ملتی لیکن خلقت آدم سے یہ بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالی کی پیدا کردہ اس زمین کی تعمیر کی جائے، اس مقصد کے حصول اور اس میزان کا یہ تقاضا ہے کہ آدم اور ان کی ذریت کو تم پر فضیلت دی جائے اس لئے کہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے وہی زیادہ مناسب رہیں گے۔

ملائکہ کے ساتھ اللہ تعالی کی گفتگو نے ہمارے لئے دو میزان سامنے لا دیئے: ایک میزان کہ کون زمین کی تعمیر اور اصلاح کے لئے صالح ہے اور دوسری میزان کے مطابق اطاعت کے لئے کون درست ہے؟ فقہ المیز ان نے ہمارے لئے اس بات کو انتہائی وضاحت سے ظاہر کر دیا کہ علم کا وزن جو عقل و نقل دونوں پر مشتمل ہو اور اس کی روشنی میں اجتہاد کا وزن بہت زیادہ ہے، اسی علم کی وجہ سے حضرت آدمؑ کامیاب ہوئے

اوراس کے مستحق ہوئے کہ اللہ کے حکم سے فرشتے ان کو سجدہ کریں، اس میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ کائنات کا تابع ہونا، اس کی تسخیر وتعمیر ایسے علم سے ہوتی ہے جو اللہ تعالی کے فیصلے اور طریقہ کے مطابق ہو۔

پھر اللہ تعالی آیت حدید و میزان کے بعد ایک ایسے معاشرہ کی عملی مثال بیان کرتے ہیں جس میں عبادت کی میزان اور روح وجسم کے درمیان توازن میں خلل پیدا ہو گیا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں کے لئے ان کے خود ساختہ تجربات کے بعد ایک حادثہ پیدا ہوا، اللہ تعالی فرماتے ہیں: و قفينا بعيسى ابن مريم و آتيناه الانجيل و جعلنا فى قلوب الذين اتبعوه رأفة و رحمة و رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها فآتينا الذين آمنوا أجرهم و كثير منهم فاسقون (الحديد: ۲۷) ترجمہ: پھر ان کے بعد اور رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے، ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کی اتباع کی تھی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کیا اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے اس کو ان پر واجب نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالی کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر دیا اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں

ان عیسائیوں نے ظاہری رہبانیت کو اپنی زندگی کا طریقہ بنالیا اور اس میں اتنا غلو کیا کہ یہ غلو وزیادتی ان کی علمی وتہذیبی ترقی میں حائل ہو گئیں، اسی کے ساتھ انہوں نے حقیقی رہبانیت کو زہد اور کثرت عبادت کے ساتھ بھی نہیں کیا، ارشاد ہے: فما رعوها حق رعايتها بلکہ اسے اہل کینہ نے لوگوں پر حکومت جتانے، خرافات کی نشر واشاعت کرنے اور مذہبی جنگ وجدل برپا کرنے میں استعمال کیا۔

اس سخت تجربہ نے یورپ کو کئی صدی تک پیچھے کر دیا، تفتیش کے محاکم قائم ہوئے، علماء کو قتل کیا گیا، یہاں تک کہ گلیلو کو جلانے اور پھانسی دینے کا فیصلہ اس جرم میں کیا گیا کہ وہ زمین کو کروی (گیند) شکل کا بتلاتا تھا، گلیلو نے بظاہر توبہ کا اظہار کیا لیکن بستر مرگ پر اس نے بار بار کہا کہ چاہے پوپ مانے یا نہ مانے زمین تو کروی شکل کی ہے، اسی کی پاداش میں اس کو جلا دیا گیا، اس تجربہ کا ردفعل اتنا خطرناک ہوا کہ اس کے آثار آج تک نظر آتے ہیں، اس کے نتیجہ میں یورپ میں مسیحیت کے خلاف سخت بغاوت ہوئی اور اس سے نگاہیں پھیر لی گئیں، بلکہ تمام روحانی اقدار و قدیم مذہب سے دوری پیدا ہو گئی، سیکولر اور غیر مذہبی چیزیں اختیار کر لی گئیں ہم یورپ میں تمام مادی عیش وآرام کے باوجود نفسیاتی اضطراب، پریشانی اور خودکشی کو دیکھتے ہیں، اسی وجہ سے قرآن کریم سخت تاکید کرتا ہے اور اس سے ڈراتا ہے کہ کہیں موازین میں خلل پیدا نہ ہو۔ و السماء رفعها و وضع الميزان ألا تطغوا فى الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (الرحمن: ۷-۹) ترجمہ: اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو اور ترازو میں زیادتی نہ کرو اور انصاف سے سیدھی تراز وتولو، اور تول کو مت گھٹاؤ۔

اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ موازین میں خلل کی وجہ سے قیامت کے دن ہم ان سے سخت حساب لیں گے يوم ندعو كل أناس بامامهم (الاسراء: ۷۱) ترجمہ: جس روز ہم تمام آدمیوں کو ان کے نامۂ اعمال بلائیں گے۔

پھر فرماتے ہیں: و ان كادوا ليفتنونك عن الذى أوحينا اليك لتفترى علينا غيره و اذا لاتخذوك خليلا و لولا أن ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا اذا لأذقناك ضعف الحياة و ضعف الممات ثم لا تجد لك علينا نصيرا و ان كادوا ليستفزونك من الأرض ليخرجوك منها و اذا لا يلبسون خلافك الا قليلا (الاسراء: ۷۳-۷۷) ترجمہ: اور یہ (کافر) آپ کو اس چیز سے پھسلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ بھیجی ہے تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں اور ایسی حالت

میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے (اگر ایسا ہوتا) تو ہم آپ کو حالت حیات اور موت کے بعد دوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاتے یہ لوگ اس زمین سے آپ کے قدم اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور آپ کے بعد یہ بھی بہت کم رہ پاتے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر حکم شرعی کا ایک خاص وزن، قدر و قیمت اس کے خاص میزان کے اعتبار سے ہوتی ہے مثلاً

☆ دنیا اور آخرت دونوں کے موازین ہیں۔

☆ عالم مشاہدہ اور عالم غیب کی موازین ہیں۔

☆ جنگ، امن اور دعوت کے موازین ہیں۔

☆ احکام شرعیہ کی موازین ہیں جن سے ہر حکم شرعی کا وزن معلوم ہوتا ہے۔

☆ حقوق و واجبات کے موازین ہیں جن سے ہر حق اور ہر واجب کا وزن معلوم ہوتا ہے۔

☆ علوم مادیہ اور علوم شرعیہ میں توازن معلوم کرنے کے موازین ہوتے ہیں جن سے ہر علم کا وزن، فرض کفایہ، فرض عین، سنت اور مباح کی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح مصالح و مفاسد کے موازین ہوتے ہیں اور تمام میزان مختلف اوزان، قوت وضعف اور فرد، جماعت یا حکومت وغیرہ کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔

☆ ثوابت اور متغیرات کے موازین بھی ہوتے ہیں جن سے ثابت اور متغیر کا وزن معلوم ہوتا ہے، پھر ثوابت میں سے ہر ثابت اور متغیرات میں سے ہر متغیر کا وزن معلوم ہوتا ہے، ان کے علاوہ اور موازین ہوتے ہیں۔

پھر جس طرح مادی موازین مواد کو تحلیل کرنے کے قواعد ہوتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کونسی میزان سلیم و درست ہے، بالکل اسی طرح معنوی امور اور علوم نظریہ کے خاص قواعد ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

ہمارے مسلمان علماء نے علوم حدیث، تاریخ اور روایت کے بڑے تین پیمانے بنائے ہیں یہ پیمانے علم سند، جرح، تعدیل، علوم حدیث روایتاً اور درایتاً، اس میزان میں عقل و نقل دونوں کا امتزاج ہے، بعض مستشرقین کا قول ہے کہ مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ علوم حدیث پر جتنا چاہیں فخر کریں۔

اسی طرح مسلمان علماء نے وحی کے ذریعہ ماخوذ چیز کی خاص میزان، اور عقل کے ذریعہ مستنبط چیز کی الگ میزان وضع کی ہے، جیسا کہ ان مسلمان علماء نے شریعت کی فہم و سمجھ کی اور شریعت سے استنباط کرنے کی موازین بنائے ہیں، جسے علم اصول فقہ، کہا جاتا ہے جو اجتہاد کا دقیق معیار ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقائد اور مبادئ عامہ کا وزن بہت بڑا ہوتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے اس کی طرف خاص توجہ دی ہے، پھر عقائد میں توحید کا وزن سب سے زیادہ ہوتا ہے، پھر آخرت کے دن پر ایمان، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور انبیاء پر ایمان کا درجہ آتا ہے۔

کفر کے اوزان میں سب سے بڑا کفر الحاد اور معبود برحق کا انکار ہے، بت پرستی عام شرک سے بڑھ کر ہوتی ہے، پھر کفار کا عام کفر، اہل کتاب کے کفر سے بڑا ہوتا ہے، مرتد کا کفر، کفر کی تمام انواع میں سب سے بڑا اور وزنی ہوتا ہے، ایک کفر دوسرے کفر سے، ایک شرک دوسرے شرک سے اور ایک نفاق دوسرے نفاق سے کم درجہ کا ہوتا ہے جیسا کہ علماء سلف کا قول ہے، اس کے بعد اس شخص کا کفر ہوتا ہے جسے صحیح طریقے

سے دعوت نہ پہونچی ہو، ایسے کافر کا کفر اس شخص کے کفر سے ہلکا ہوتا ہے جسے دعوت پہونچی ہو، اور اس نے عناد و سرکشی اختیار کی ہو، ان دونوں کفار میں سے پہلی قسم کے کفار کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے: و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ترجمہ: ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں۔

کفر و شرک کے بعد سات یا نو گناہ کبیرہ کا وزن سب سے زیادہ ہے، پھر باقی گناہ کبیرہ، نص سے ثابت چھوٹی حرام چیزیں، اجتہاد، مکروہات، عقائدی بدعات، عبادتی بدعات کا درجہ آتا ہے، عقائدی بدعات عبادتی بدعات سے زیادہ خطرناک اور وزنی ہوتی ہیں۔

حرام چیزوں میں مقاصد میں حرمت اور وسائل میں حرمت کے اعتبار سے بھی فرق ہوتا ہے، تحریم المقاصد جیسے ربا النسی ضرورت شرعی اور تمام شرعی قواعد و ضوابط کے بغیر وہ جائز نہیں ہوتا اور تحریم الوسائل جیسے ربا الفضل بیع و شراء میں عام ضرورت کی وجہ سے وہ جائز ہو جاتا ہے، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور پر لگی تازہ کھجور عرایا کو پانچ وسق کی مقدار میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہے۔(۱) (پانچ وسق ۶۴۷ کلو گرام) (بیع نسأ وسلم دین کے بدلہ عین کی بیع جس میں ثمن نقد ہو، سلم اور سلف (نسأ) ایک ہی معنی میں ہے، یعنی ادھار کی بیع نقد کے ساتھ، اس بیع میں فروخت شدہ ادھار ہوتا ہے، اسے ''مسلم فیہ'' اور ثمن نقد ہوتی ہے اسے رأس المال کہا جاتا ہے، مال دینے والے کو رب السلم کہتے ہیں، اور جسے مال دیا جاتا ہے اسے مسلم الیہ کہتے ہیں، بیع سلم کیلی، وزنی اور ان عددی چیزوں میں جائز ہوتی ہے جو متفاوت نہ ہوں، (کیلی چیزیں جیسے غلّہ جات، وزنی جیسے لوہا تانبا اور عددی جیسے گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت ہونے والی چیزیں)

اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقاصد میں حرمت بلا ضرورت مباح و جائز نہیں ہوتی اور وسائل میں وہ سخت ضرورت اور عام حاجت کے وقت جائز ہوتی ہے۔

میزان خاص کی تطبیق، مقاصد اور وسائل کی محرّم چیزوں میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، ورنہ خلل، التباس و اشتباہ پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔

فرائض میں فرض عین کا وزن بمقابل فرض کفایہ، ثواب و عقاب میں انفرادی تقابل کے اعتبار سے زیادہ ہوتا ہے، لیکن حکومت اور امت کے مستوی کے اعتبار سے فرض کفایہ، حکومت اور امت دونوں کے لئے زیادہ وزنی، زیادہ اہمیت والا اور عنایت کا زیادہ مستحق ہوتا ہے، اور اس کی نگہداشت، رعایت کی سخت ضرورت ہوتی ہے، حکومت اور امت دونوں کے لئے اس کی رعایت لازمی ہے، جبکہ حکومت و امت فرائض عینیہ میں وعظ و ارشاد سے اور فرد کے خاص معاملات میں قوانین کی مخالفت کی صورت میں تدخل کر سکتی ہے۔

مصالح اور مقاصد عامہ کے اعتبار سے ہم پاتے ہیں کہ ضروریات پہلے درجہ میں پھر حاجیات، اس کے بعد کمالیات ان تینوں میں ترتیب سے وزن کا خیال رکھا جائے گا، مثلاً امت اور حکومت کے اعتبار سے دین کی میزان دوسری موازین سے زیادہ قوی ہے، لیکن فرد کو اپنی جان کی حفاظت و رعایت کے لئے کفر کا اظہار کرنے کی رخصت ملے گی ارشاد ہے: الا من أکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان (النحل: ۱۰۶) ترجمہ: مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

نفس، عقل اور نسل کی میزان مال کی میزان سے زیادہ قوی ہے، امام الحرمین کا ارشاد ہے اگر پوری دنیا کے اموال کا مقابلہ ایک قطرہ خون سے کیا جائے یہ اموال اس کے برابر اور موزوں نہیں ہوں گے، پھر فرمایا کہ اگر خون تلوار کی دھار پر بہتا ہے تو اس جگہ مال حقیر ترین چیز ہوگا، اور کہتے ہیں کہ اگر کفار دھوکہ سے کسی مسلمان بستی پر حملہ آور ہوں، مسلمانوں کا خون بہایا جائے اور عورتوں کی عفت و ناموس پر حملہ ہو تو دنیا کے تمام اموال اس کے مقابل نہیں ہو سکتے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: خون کے مقابلہ میں مال، شریعت کی میزان میں انتہائی حقیر ہے، انسانی نفس، عقل پر اور نسل وعقل دونوں مال پر مقدم ہیں۔

اوزان کو ناپنے کے پیمانے:

اگر ہم قرآن کریم میں غور وخوض کریں تو ہم کو پیمانوں کا ایک مجموعہ ملے گا، تاکہ ہم ان کے ذریعہ یہ جان سکیں کہ قیم واخلاق، احکام شرعیہ، سرگرمیوں، شرعی تکالیف میں کس کا وزن زیادہ ہے، اس لئے کہ یہ سب چیزیں ایک درجہ کی نہیں ہیں، نصوص شرعیہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے، کیونکہ اس کی مغفرت نہیں کی جاتی جبکہ دوسرے گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے، ارشاد ہے: ان الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء (النساء: ٤٨) ترجمہ: بیشک اللہ تعالی اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے

شرک کے بعد سات یا نو کبیرہ گناہوں کا درجہ ہے جنہیں شریعت میں موبقات کہا جاتا ہے، ان موبقات کے بعد باقی کبائر ہیں، پھر ان گناہ صغیرہ کا درجہ جس پر اصرار کیا جائے، پھر وہ صغائر جن پر اصرار نہ کیا جائے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کا نام لمم رکھا ہے، ارشاد ہے: الا اللمم (النجم: ٣٢) ترجمہ: بچتے ہیں ہلکے ہلکے گناہ سے۔

اسی طرح ارشاد ہے: ان الحسنات يذهبن السيئات (هود: ١١٤) ترجمہ: بیشک نیک کام مٹادیتے ہیں برے کاموں کو۔

اسی طرح اوامر شرعیہ ان میں سب سے پہلے ایمان اور اس کے چھ ارکان کا درجہ ہے، بلکہ ان چھ ارکان کے درمیان بھی ترتیب ہے، ان میں سب سے چوٹی پر اللہ پر ایمان اور توحید ہے، پھر اسلام اپنے پانچوں ارکان کے ساتھ، ان ارکان میں بھی ترتیب کا لحاظ ہے، کلمۂ شہادت کا پہلا درجہ ہے، پھر نماز، زکوٰۃ روزہ اور حج وغیرہ۔

اگر ہم احکام تکلیفیہ کو ایجابی حیثیت سے دیکھیں تو وہ فرض جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو وہ پہلے درجہ پر ہوگا، واجب دوسرے درجہ اور مستحب ومباح تیسرے اور چوتھے درجہ میں ہیں۔

اور اگر ہم احکام تکلیفیہ کو سلبی حیثیت سے دیکھیں تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ حرام پہلے درجہ میں پھر مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کا درجہ ہوگا۔

احکام وضعیہ میں وجودی پہلو سے اولیت رکن کو، پھر شرط، عزیمت اور رخصت کو دوسرا تیسرا اور چوتھا درجہ ملے گا، سلبی پہلو سے بطلان، فساد اور مواقع کو بترتیب درجہ ملے گا، ہم پہلے بہت سی مثالیں بیان کر چکے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اہمیت قرآنی ارشادات کی ہے، ان میں اللہ تعالی کا ارشاد: أ جعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله و اليوم الآخر و جاهد فى سبيل الله لا يستوون عند الله و الله لا يهدى القوم الظالمين (التوبة: ١٩) ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حجاج کو پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو، یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالی ان کو سمجھ نہیں دیتا

یہ آیت کریمہ انتہائی وضاحت سے بتلا رہی ہے کہ حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا یہ دونوں قربتیں اور نیک کام، اللہ پر ایمان اور اللہ کے راستہ میں جہاد کے برابر نہیں ہوسکتیں۔

ارشاد ہے:هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون انما يتذكر أولو الألباب (الزمر: ۹) ترجمہ: آپ کہئے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔

اسی طرح ارشاد گرامی ہے:لا يستوى القاعدون من المؤمنين غير أولى الضرر و المجاهدون فى سبيل الله بأموالهم و أنفسهم فضل الله المجاهدين بأموالهم و أنفسهم على القاعدين درجة و كلا وعد الله الحسنى و فضل الله المجاهدين على القاعدين أجرا عظيما ترجمہ: برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالی نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالی نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالی نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجر عظیم دیا ہے۔

قران کریم کی آیات کے بعد سنت مطہرہ کے ارشادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے:الايمان بضع و سبعون أو بضع و ستون شعبة أعلاها لا اله الا الله و أدناها اماطة الأذى عن الطريق (صحيح مسلم ۳۵ و أبو داؤد /ترمذی/نسائی ترجمہ: ایمان ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں رکھتا ہے ان میں سب سے اعلی لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنی تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹانا ہے۔

افضل اعمال کے متعلق صحابہ کرام اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا کرتے تھے کہ اعمال میں کونسا عمل افضل ہے، اللہ تعالی کو محبوب ہے یا جس میں خیر و بھلائی زیادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو جواب دیا کرتے تھے، اس سے متعلق بہت احادیث وارد ہیں، بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اپنی سند سے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ابوھریرہؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: أى الأعمال أفضل قال: ايمان بالله ، قال ثم ماذا قال: الجهاد فى سبيل الله ، قال ثم ماذا قال: حج مبرور و فى رواية محمد بن جعفر قال ايمان بالله و رسوله (بخارى و مسلم ۸۳) ترجمہ: کونسا عمل افضل ہے، آپؐ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا، کہا گیا پھر کون، آپؐ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کہا گیا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا حج مبرور (جس میں کسی برائی کی ملاوٹ نہ ہو) محمد بن جعفر کی روایت میں (اللہ اور رسول اللہ پر ایمان لانا ہے)۔

اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے اعمال کے درمیان درجات اور اولیات کا پتہ چلتا ہے۔

امام احمد ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حسن صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ کونسا عمل سب سے افضل ہے، آپؐ نے فرمایا نماز اس کے وقت پر، پھر میں نے پوچھا پھر اس کے بعد کونسا عمل تو آپؐ نے فرمایا: والدین سے حسن سلوک پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے آپؐ نے فرمایا کہ لوگ تمہاری زبان سے محفوظ رہیں پھر خاموش ہو گئے، عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں آپ سے اور پوچھتا تو آپ مجھے مزید بتلاتے۔ (اس حدیث کے علاوہ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ حدیث صحیح ہے)۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول تفسیری روایت میں یہ الفاظ ہیں: پوچھا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے، فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان پھر پوچھا گیا تو فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد پھر پوچھنے پر فرمایا حج مبرور

درجات کے اس تفاضل سے متعلق ذنوب و معاصی میں تفریق سے متعلق یہ حدیث ہے کہ ایک دیہاتی شخص حضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے کبائر کے بارے میں پوچھا، حضور نے فرمایا، اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا، اس نے پوچھا اس کے بعد، آپؐ نے فرمایا والدین کی

نافرمانی، پھر پوچھا تو آپ نے فرمایا جھوٹی قسم، راوی کہتے ہیں کہ میں نے عامر سے پوچھا یہ یمین غموس کیا ہوتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال ہڑپ کر جانا

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا کہ تم اللہ تعالی کا شریک ونظیر بناؤ اور اسی نے تم کو پیدا کیا ہے، میں نے پوچھا پھر کونسا گناہ، فرمایا تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی، میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑھ کر ہے تو فرمایا تم پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ (رواہ احمد، بیہقی، ترمذی ۳۱۸۲) بہت سی صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ علم کا درجہ عمل کے مرتبہ سے پہلے ہے، ارشاد ہے: فاعلم أنه لا اله الا الله (محمد: ۱۹) ترجمہ: تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں

کبھی کبھی جہالت و ناواقفیت کے باوجود فتویٰ ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے، ابوداؤد، بیہقی اور دوسرے محدثین نے اپنی اپنی اسناد سے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ: ایک مرتبہ ہم سفر پر نکلے، ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا، اور اس کے سر میں زخم کر دیا، اس شخص کو احتلام ہوا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میں تیمّم کر سکتا ہوں؟ ساتھیوں نے جواب دیا کہ تم پانی استعمال کر سکتے ہو اس لئے تمہیں تیمّم کی رخصت نہیں ملے گی، اس شخص نے پانی سے غسل کر لیا اور اس کی وفات ہوگئی، جب ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آپؐ نے فرمایا تم نے اس کو قتل کر دیا، اللہ تعالی انہیں قتل کرے، اگر جانتے نہیں تھے تو پوچھا کیوں نہیں، اس لئے کہ سوال کے ذریعہ عجز و بے خبری سے نجات ملتی ہے، اس شخص کے لئے تیمّم کافی تھا اور پٹی باندھ لیتا۔ (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، الدارمی)

بعض اوقات متعدد موازین:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم نے موازین جمع کے صیغہ کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، ہم نے کہا تھا کہ لفظ میزان جنس ہے جو موازین کو بھی شامل ہے اس طرح ہم نے افضل اعمال سے متعلق جو احادیث بیان کیں اور ان میں فضیلت والے اعمال بیان کئے، اسی کے ساتھ برے اعمال اور ان میں سخت برے اعمال کا تذکرہ ہے اور بتلایا کہ ان کے درمیان فرق واختلافات ہیں، کہیں جواب یہ ملا کہ افضل اعمال میں اللہ ورسول پر ایمان ہے، بعض احادیث سے پتہ چلا کہ افضل عمل نماز ہے، بعض میں افضل عمل برالوالدین ہے جو جہاد پر مقدم ہے اور بعض میں جہاد برالوالدین پر مقدم ہے اور اسی طرح...

اس مسئلہ پر ائمہ حدیث نے بحث کی ہے، امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے کونسا اسلام افضل ہے اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کی حدیث بیان فرمائی ہے، ابوموسی اشعریؓ نے فرمایا صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول کونسا اسلام افضل ہے، آپؐ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (صحیح البخاری حدیث ۱۱، مع فتح الباری ج ۱، ۵۴-۵۵)

پھر امام بخاری نے باب باندھا کھانا کھلانا اسلام میں سے ہے، اس باب میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث ذکر فرمائی کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا اسلام بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کھانا کھلاؤ اور جس کو تم جانتے ہو یا نہ جانتے ہو اس کو سلام کرو۔ (صحیح البخاری ج ۱، حدیث ۱۲ و فتح الباری ج ۱، ۵۵-۵۶)

دونوں احادیث میں اسباب فرق کو کئی طرح واضح کیا گیا ہے، ان میں سے:

۱۔ پہلی حدیث میں أی الاسلام افضل سے کمیت مراد ہے یعنی قلت کے مقابلہ میں کثرت، اور دوسری حدیث میں أی الاسلام خیر میں خیر

شر کے مقابلہ میں، نفع کے معنی میں ہے، یہ اختلاف کیفیت میں ہے، اس طرح ان دونوں سوالوں میں فرق ہو گیا۔

۲۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں موضوع لازم وملزوم ہیں، کھانا کھلانا ہاتھ کی سلامتی کو مستلزم ہے اور ہاتھ کی سلامتی زبان کی سلامتی کو مستلزم ہے۔

۳۔ ہر حدیث کو سوال کرنے والے کے حال یا سننے والوں کے حال پر محمول کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ہم پہلی حدیث کے بارے میں کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ڈرایا جس کی طرف سے آپ کو خوف تھا کہ وہ ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچا سکتا ہے، اس کو یہ رہنمائی فرمائی کہ ہاتھ وزبان کو روکے، دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے فعل اور قول میں نفعِ عام کو محسوس فرمایا تو اطعام اور سلام کا حکم دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں خصلتوں کو خاص طور سے اس لئے ذکر فرمایا کہ اس زمانہ میں ان دونوں کی سخت ضرورت تھی، لوگ تنگی وترشی کی زندگی گذار رہے تھے، اور تالیف قلوب کی مصلحت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر فرمایا، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں خصال پر صحابہ کو اس وقت ابھارا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، جیسا کہ ترمذی شریف اور دوسری کتب احادیث میں مروی ہے اور عبداللہ بن سلام کی حدیث سے بھی اس کی تصحیح ہوتی ہے۔ (سابق حوالہ)

اسی طرح امام مسلمؒ نے باب باندھا بیان تفاضل الاسلام وأی أمورہ أفضل اس کے بعد عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث ذکر کی جسے امام بخاری نے باب اطعام الطعام میں حدیث رقم ۱۲ ضمن میں ذکر فرمائی ہے، اس کے بعد امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی یہ حدیث ذکر فرمائی کہ: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا أی المسلمین خیر مسلمانوں میں کون بہتر ہے، آپؐ نے فرمایا مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ (شرح صحیح مسلم للنووی، ج۱، ۲۴۸ دار أبی حیان القاھرۃ ۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث بخاری کی حدیث کی طرح ہے جسے امام بخاری نے ابوموسی اشعریؓ سے نقل فرمایا ہے، امام مسلم نے ای المسلمین خیر نقل فرمایا پھر ابوموسی اشعری کی حدیث ان الفاظ میں ذکر کی جو الفاظ بخاری میں ہیں۔

امام نوویؒ نے فرمایا: علماء کرام کا قول ہے مسلمانوں میں بہتر شخص کے بارے میں یہ اختلاف سائل کے حال کے اختلاف کی وجہ سے ہے، اور مجلس میں حاضر صحابہ کی وجہ سے پیدا ہوا، ایک جگہ سلام کی ترویج واشاعت اور کھانا کھلانا زیادہ اہم تھا، کیونکہ ان دونوں میں اہمال وتساہل پیدا ہو گیا تھا، اور دوسری جگہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے سے روکنا مقصود تھا، پھر امام نوویؒ قاضی عیاضؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا محبت والفت دین کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے، شریعت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور اسلام کے بندھن میں باندھنے کا ایک نظام ہے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ یہ احادیث حالات میں تغیر کی وجہ سے میزان میں تغیر پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن کریم کسی واقعہ کی بار بار تکرار کر کے بھی اس کی اہمیت اور اس کے وزن کی قوت کو ظاہر کرتا ہے، مثلاً بنی اسرائیل کے ساتھ حضرت موسی علیہ السلام کے قصے کی تکرار قرآن کریم میں چودہ مرتبہ ہوئی ہے، اس سے ہمیں یہ عندیہ ملتا ہے کہ ہم اس اہم قصے کو پڑھیں اس کی اہمیت کا اندازہ لگائیں اور جو درس اس میں دیا گیا ہے اس سے استفادہ کریں۔

اسی طرح بنی اسرائیل کے قصے، دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ بھی آتے ہیں، اور قرآن کریم نے تقریباً دس سورتوں میں سورتوں کے

نام اور انبیاء کے نام کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے، سورہ بقرہ، اعراف، قصص اور دوسری سورتوں میں ان قصوں کو بیان کرنے میں یہی مصلحت نظر آتی ہے کہ امت مسلمہ پر ان کی اہمیت ظاہر ہو اور ان قصوں سے وہ مختلف سبق لیں اور نصیحتیں حاصل کریں۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالی نے مختلف چیزوں کی قرآن کریم میں قسم کھا کر مقسم علیہ کے وزن اور اس کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے، جیسے سورہ شمس میں اللہ تعالی نے تقریباً چودہ چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے: قد أفلح من ذكاها و قد خاب من دساها (سورة الشمس ۹) ترجمہ: یقیناً وہ مراد کو پہونچا جس نے (اس جان) کو پاک کرلیا، اور نامراد ہوا جس نے اس کو فجور و برائیوں میں دبا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فلاح و کامیابی نفس کے تزکیہ اور خسارہ و ناکامی اسے برائیوں میں ڈبو دینے میں ہے، اس کا وزن بہت ہے، اور نفس انسانی کا تزکیہ اور خیر و بھلائی پر اس کی تربیت، انتہائی اہم معاملہ ہے، اس کے مقابلہ میں اللہ تعالی نے اقوام کے ہلاک کرنے پر جو قسم کھائی ہے اس میں تکرار صرف دو تین مرتبہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اصلاح نفس کی اہمیت کو سورہ الناس میں انتہائی تاکید سے بیان فرمایا ہے، اور اپنی متعدد عظیم صفات کا کئی مرتبہ تذکرہ کیا ہے، فرمایا ہے: قل أعوذ برب الناس ملك الناس اله الناس من شر الوسواس الخناس الذى يوسوس فى صدور الناس (الناس: ۱-۵) ترجمہ: آپ کہئے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

لیکن تمام مخلوقات کے شر سے استعاذہ کے لئے اپنی ایک صفت کا تذکرہ فرمایا ہے، فرمایا: قل أعوذ برب الفلق ترجمہ: آپ کہئے کہ صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔

اوزان کی معرفت کے مطابق اعمال کے مراتب:

امام العز بن عبد السلام متوفی ۶۶۰ھ نے مراتب اعمال پر مفصل گفتگو کی ہے (یعنی ان کی گفتگو ہماری مصطلحات کے مطابق اوزان کی معرفت پر ہے) انہوں نے اعمال کے درجات کے لئے ایک مستقل فصل تحریر کی ہے، جس میں مصالح اور مقاصد کے درجات میں تفاوت کو بتلایا ہے وہ کہتے ہیں:

۱۔ اسی طرح تمام شرعی قوانین خون، مال تجارت، اموال، اور آبروؤں کی حرمت پر متفق ہیں اور اعمال و اقوال میں افضل اور زیادہ افضل کے حصول کے لئے کوشاں ہوتے ہیں، اور اگر ان میں سے بعض میں اختلاف ہوتا ہے، تو زیادہ تر یہ رجحان اور تساوی کی صورت میں بندوں کو اختیار ہوتا ہے، اور تفاوت و تساوی کی صورت میں وہ توقف اختیار کرتے ہیں اسی طرح اطباء بڑے مرض کو ختم کرنے کے لئے، کم درجہ کے مرض کو باقی رکھتے۔ (۱) القواعد الکبری، قطر ۱۴۲۹ھ، ج ۲۹۱) پھر تحریر کرتے ہیں کہ ''اصلح اور زیادہ اصلح کو مقدم کرنا اور فاسد و زیادہ فاسد کو ختم کرنا بندوں کی فطرت میں مرکوز ہے (۲) نفس المرجع)

۲۔ پھر العز بن عبد السلام نے اعمال کے درجات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ مصالح کی حیثیت سے شرعاً مطلوب چیزوں کے درجات اور شرعی اعتبار سے جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے درجات جدا جدا ہوتے ہیں۔

انہوں نے منہیات میں پہلے درجہ میں اللہ تعالی کے ساتھ کفر اور اللہ تعالی اور رسول اللہ کو سب و شتم کرنا گالی دینا ہے، ان دونوں کے بعد شادی شدہ شخص کا زنا کرنا، قتل کرنا، پھر فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں یعنی زنا اور قتل سے زیادہ فساد ہوگا بمقابلہ یتیم کا مال کھانا

جبکہ وہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

۳۔ منہیات کے تیسرے درجہ میں انہوں نے کہا کہ کسی مسلمان کا کفار کو مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں کو بتلانا اور وہ جانتا ہو کہ اس کے بتلانے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیں گے، اموال کو لوٹ لیں گے، عورتوں سے زنا کریں گے، گھروں کو تباہ و برباد کر دیں گے، ان مفاسد کا درجہ بہت بڑا ہے بمقابلہ میدان جنگ سے فرار اختیار کرنے کے جبکہ میدان جنگ سے بھاگنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ (القواعد الکبری: ج۱، ۲۹-۳۰)

پھر فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور یتیم کا مال کھانا گناہ کبیرہ ہوگا، اگر زیادہ مال ہو لیکن اگر مال کم و حقیر ہو تو ان کو مفاسد میں شمار کرتے ہوئے گناہ کبیرہ قرار دے سکتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر جھوٹی گواہی کسی بے گناہ کے قتل کا موجب ہو یا موجب نہ ہو دونوں میں فرق ہے اور پہلی قسم بہت بڑی ہے۔

پھر العز بن عبد السلام نے عصیان و نافرمانی سے متعلق ایک بہترین قاعدہ وضع فرمایا ہے کہتے ہیں: اللہ تعالی کی نافرمانی جس میں لذت نہ ہو وہ اس نافرمانی اور عصیان سے زیادہ قبیح ہے جس میں لذت و شہوت ہو، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لوگ ایسے ہوں گے اللہ تعالی قیامت کے دن نہ تو ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا (۱) زنا کار بوڑھا شخص (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) فقیر و کم مرتبہ متکبر و مغرور۔ (رواہ مسلم حدیث ۱۰۷) اسی کو بنیاد بنا کر انہوں نے فرمایا کہ لواطت زنا سے زیادہ قبیح ہے۔

پھر سلطان العلماء العز بن عبد السلام نے تمام مصالح و مفاسد کے متفاوت درجات کا ذکر کیا ہے، مصالح کے درجات پر دنیاوی فضیلت اور آخرت میں اجر و ثواب ملے گا، اور مفاسد چاہے گناہ کبیرہ ہوں یا گناہ صغیرہ ان پر دنیا و آخرت میں عذاب و سزا ہوگی۔

سلطان العلماء العز بن عبد السلام نے میزان کے درجات اور تفاوت و تساوی سے متعلق ایسے مسائل کا ذکر فرمایا ہے جو انتہائی اہمیت رکھتے ہیں، ہم ذیل میں بعض اہم مسائل اختصار سے بیان کرتے ہیں لیکن کچھ تصرف اور اضافہ کے ساتھ:

پہلا مسئلہ: حکم شرعی کی تعریف میں اختلاف کی صورت میں مقدار میں تساوی کی وجہ سے کمی بیشی متحقق نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ عطیہ و بخشش میں دیا گیا درہم، زکاۃ کے درہم کے مساوی ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو مالدار لوگ فقراء کے ساتھ نیکی و بھلائی کرنے سے رک جائیں، جس کے نتیجہ میں فقراء ہلاک ہوں، لیکن شریعت میں زکاۃ کا اجر دوسرے صدقات کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا، اسی طرح ایک کے ترک پر سزا ملے گی جبکہ دوسرے کے ترک پر سزا نہیں دی جائے گی۔ (القواعد الکبری، ج۱، ۴۱-۴۲)

پھر انہوں نے اس کی متعدد مثالیں دیکر مزید وضاحت کی ہے، ایک مثال یہ دی کہ فرض حج اور اس کا عمرہ نفل حج اور اس کے ساتھ عمرہ کے مساوی ہے، لیکن اجر و ثواب کے اعتبار سے دونوں برابر نہیں ہیں، اسی طرح رمضان کے روزے مشقت و دشواری کے اعتبار سے نفل روزے کے مساوی ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ نفل روزہ گرمی کے طویل گرم دن میں رمضان کے اس روزے سے زیادہ دشوار ہو جو معتدل اور چھوٹے دن میں رکھا گیا ہو، اس کے باوجود فرض کا اجر و ثواب تمام افعال میں زیادہ ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ما تقرب الی عبدی بمثل ما افترضت علیه (بخاری حدیث ٦ /٦٥٠٢) ترجمہ: نہیں قریب آتا میرا بندہ جتنا کہ میرے قریب ان فرائض کی ادائیگی کی وجہ سے آتا ہے جو میں نے اس پر فرض کئے ہیں۔

ایک ہی جنس میں کثرت وقلت کے اعتبار سے تفاوت کے بارے میں میں کہتا ہوں کہ اصل یہ ہے کہ کثرت وقلت کا لحاظ بھی ضروری ہے، جو زیادہ یا بہت زیادہ ہوگا تو حکم لگاتے وقت اس کا وزن بڑا ہوگا، مثلاً دس درہم پانچ درہم سے افضل ہوں گے، اگر دونوں کا تعلق واجبات، مستحبات یا ان میں سے زیادہ کا واجبات سے اور کم کا مستحبات سے تعلق ہو، تو اس صورت میں واجب کے وزن کا اعتبار ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: امام العز بن عبد السلام نے ایک مسئلہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی دس درہم صدقہ دے اور پانچ درہم زکاۃ ادا کرے تو دونوں میں افضل کون ہو، پھر فرمایا کہ یہاں فرض نفل سے افضل ہوگا، اور مصالح کو مدنظر نہیں رکھا جائے گا، یہ بھی احتمال ہے کہ مصلحت کے اعتبار سے دونوں کا درجہ مساوی ہو، لیکن انہوں نے فرض کی افضلیت والے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ظاہر حدیث مطلق ہے۔(۱) (عنقریب ایک قاعدہ آئے گا کہ اگر دو فعل اپنی نوع کے اعتبار سے مساوی ہوں اور ایک میں شفقت زیادہ ہو تو وہ افضل ہوگا کیونکہ اسی کا وزن زیادہ ہوگا)

تیسرا مسئلہ: دو مساوی اعمال میں مکان اور زمان کے اعتبار سے بھی تفاوت ہوتا ہے، جیسا کہ احادیث اور آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ لیلۃ القدر میں عبادت، یا حرم مکہ یا حرم مدینہ یا بیت المقدس میں عبادت کا درجہ دوسری جگہ عبادت سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ (مسلم ۲۵، بخاری ۹)

چوتھا مسئلہ: ثواب کا دارومدار مشقت وتھکن پر نہیں ہے، اگر دونوں فعل مختلف ہوں، بلکہ اصل مدار نوعیت پر ہے، حضور کا ارشاد ہے:

الایمان بضع و سبعون شعبة اعلاها قول لا اله الا الله و أدناها اماطة الأذى عن الطريق (مسلم بهذا اللفظ ۳۵ و البخارى ص ٤) ترجمہ: ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں سب سے اعلیٰ شاخ لا الٰہ الا اللہ کا کہنا ہے اور سب سے ادنی راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے۔

پانچواں مسئلہ: احوال کے اعتبار سے بھی تفاوت ہوتا ہے، تعظیم وتکریم کا درجہ خوف ورجاء کے مرتبہ سے زیادہ کامل ہوتا ہے، اس لئے کہ تعظیم وتکریم اللہ تعالی کی ذات وصفات کے ملاحظہ اور ذات وصفات سے تعلق کی بنا پر ہوتا ہے، اسی کو شرف ومنزلت دو حیثیت سے ملتی ہے، ایک ان کے مصدر سے اور متعلق مصدر سے، جبکہ خوف، عقوبات وسزاؤں کو دیکھ کر اور امید ثواب اور متعلقات ثواب کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، اس لئے اجلال وتعظیم کے درجہ سے ان کا درجہ کمتر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح محبت کے درجات میں بھی تفاوت ہوتا ہے، انعام واکرام کو دیکھ کر پیدا شدہ محبت کمال وجمال کے ملاحظہ سے پیدا ہونے والی محبت سے کم درجہ ہوتی ہے، اس لئے کہ پہلی محبت کا تعلق اظہار سے اور دوسری محبت کا تعلق ذات کے اور جمال وکمال کے اوصاف کے ملاحظہ سے ہوتا ہے۔

اور تعظیم وہیبت کا درجہ اس محبت کے درجہ سے بلند ہوتا ہے جس کا صدور جلال وجمال کے ملاحظہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اس میں جمال محبوب سے ایک لذت کا حصول ہوتا ہے، اس کے برخلاف تعظیم وہیبت سے اپنی کمتری کا احساس پیدا ہوتا اور کوئی لذت بھی حاصل نہیں ہوتی، اس میں اللہ تعالی کے لئے اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔

چھٹا مسئلہ: مبدَّل بدل سے افضل ہوتا ہے، اسی طرح جو چیزیں بدل ہوتی ہیں وہ بھی اپنے مبدل کے مساوی وبرابر ہوتی ہیں مثلاً: تیمّم وضوء اور غسل کے برابر نہیں ہوتا، پھر انہوں نے اس قاعدہ کی تطبیق کی کئی مثالیں دیں جیسے حج وعمرہ اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور اس فصل کے آخر میں فرمایا کہ دو اعمال میں ہر طرح مناسبت کے باوجود جو عمل زیادہ ہوگا اس کا اجر وثواب بھی زیادہ ہوگا ارشاد ہے: فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره (الزلزلة: ۸) ترجمہ: جو بھی شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ساتواں مسئلہ: جلدی مؤاخذہ ہونے والی سزاؤں میں مفاسد کے تفاوت کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی نے ربع دینار چوری کیا، یا ایک دینار چرایا، یا ایک ہزار دینار چرائے اس کو فوری سزا ایک ہی ملے گی لیکن ان کے اوزان مختلف ہونے کی وجہ سے اس کی سزا قیامت میں زیادہ سخت ہوگی، ارشاد ہے: فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر یرہ (الزلزلۃ:۸) ترجمہ: جو بھی شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اس سے بات واضح ہوگئی کہ جلدی مؤاخذہ وسزا سے، آخرت کی دیر سے آنے والی عقوبت وسزا کی برابری لازم نہیں آتی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ برابری ان حدود میں خاص ہے جن کی اجزاء بندی نہیں ہوسکتی، اگر وہ عقوبات پوری ہوں، نصاب کے بقدر ہوں، تمام شرطیں موجود ہوں، کوئی مانع موجود نہ ہو، نہ ایسے شبہات ہوں جن کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، لیکن حدود کے علاوہ دوسری وہ سزائیں جن پر جلدی سزا ہوتی ہے، ان میں چھوٹا جرم بڑے جرم کے برابر نہیں ہوتا، دھوکہ دھڑی اور خیانت وغیرہ کی سزا چھوٹی بھی ہوسکتی ہے اور بڑی بھی، کبھی قتل بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کا اندازہ رونما ہونے والے فساد سے ہوگا۔

آٹھواں مسئلہ: امام العز بن عبدالسلام کے نزدیک مراتب کے تین درجات ہیں، فرماتے ہیں: ''دنیا وآخرت کے مصالح ومفاسد کے مختلف درجات ہیں، کوئی اعلی کوئی ادنی اور کوئی متوسط ہے، پھر ان میں کسی پر اتفاق ہے اور کسی میں اختلاف، شریعت میں جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا تو ان میں دنیا وآخرت کی مصلحت یا دونوں میں کسی ایک کی مصلحت ہے، اسی طرح جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اس میں بھی فساد دنیا وآخرت یا کسی ایک میں ہوتا ہے، جس چیز کو کسی اچھی مصلحت کے لئے اختیار کیا جاتا ہے وہ اعمال میں سب سے افضل اور جسے بری اغراض کے لئے کیا جاتا ہے وہ سب سے کمتر ہوتا ہے۔

عرفان، ایمان اور رحمٰن کی اطاعت سے بڑی کوئی سعادت نہیں، اس طرح اللہ تعالی سے عدم واقفیت، کفر، فسوق اور عصیان سے بڑھ کر کوئی شقاوت وبدبختی نہیں، مصالح میں تفاوت کی وجہ سے زیادہ تر آخرت کے ثواب میں تفاوت ہوتا ہے، اور مفاسد میں تفاوت کی وجہ سے عذاب اور عقاب میں زیادہ تر تفاوت ہوتا ہے۔(۱) قواعد الاحکام فی مصالح الأنام ۱،۴۴)

اہم نوٹ:

امام العز بن عبدالسلام نے ایک اہم مسئلہ پر متنبہ فرماتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ کم درجہ ہم جنس اعمال کا بدلہ زیادہ دیں اور زیادہ درجہ والے اعمال کا بدلہ کم دیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے اس امت کے کم اعمال کا درجہ یہود ونصاری کے زیادہ اعمال کے مقابلہ میں بڑھا کر رکھا ہے، اسی طرح لیلۃ القدر کے عمل کا درجہ ایک ہزار سال کی عبادت کے مساوی رکھا ہے۔(سابق حوالہ)

اس سے یہ بات وضاحت سے ثابت ہوجاتی ہے کہ اعمال میں تفضیل اور اجر وثواب میں زیادتی اللہ تعالی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ثواب تھکن اور تعب کے بقدر ہو بلکہ ثواب نیت، زمان ومکان اور اشخاص کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس کا مرجع بھی اللہ تعالی کی ذات گرامی ہے۔

لامتناہی اوزان ومعنوی مراتب:

دنیا وآخرت کے مصالح ومفاسد کے تینوں درجات اعلی، ادنی اور اوسط عام قاعدہ کے مطابق ہیں اور ان تینوں کے ہر درجہ کے اندر مختلف درجات ہیں، اعلیٰ کے اندر ادنیٰ اور اوسط پھر ترقی کرتے ہوئے اعلی درجہ تک پہنچا جاتا ہے، یہی عمل ادنی اور اوسط درجات میں بھی کیا جاتا

ہے، یہ اس وجہ سے کہ یہ درجات غیر متناہی معنوی امور ہیں، مثلاً علوم، ٹکنالوجی، ایجادات اور ہنرمندی سے متعلق تمام کاموں میں ہم ان میں اعلی درجہ کی صحیح تعیین وتحدید زمان، مکان اور احوال واشخاص کے اعتبار سے نہیں کر سکتے۔

ہم سب نے الکٹرانک، انٹرنیٹ اور اتصالات سلکیہ ولاسلکیہ میں زبردست ترقی دیکھی ہے، جب ہم سے کوئی کسی زبردست ترقی کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ سب سے اعلی ہے، جس طرح کے بعض قدماء نے ان ترقیات وایجادات کو دیکھ کر کہا تھا اس سے زیادہ برتر اور فوقیت والی کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی، لیکن اس بات کی غلطی سب پر آشکارا ہوگئی، بلکہ ہر دن ایک جدت لے کر آتا ہے، اور مختلف میدانوں میں بہت سی جدید اشیاء پیدا ہو رہی ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: و فوق کل ذی علم علیم (یوسف: ٧٦) ترجمہ: اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مراتب ودرجات یہی ہیں، بعض سرگرمیوں میں تو لگتا ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں، اس لئے انسان پر واجب ہے کہ ہر دن بلکہ ہر گھڑی وہ جدید کی تلاش کرے اور ترقی کو کھوجے، اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: لمن شاء منكم أن يتقدم أو يتأخر (المدثر: ٣٧) ترجمہ: تم میں سے جو آگے کی طرف بڑھے اس کے لئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے کو ہٹے اس کے لئے بھی۔

یہاں فرمان الٰہی میں یتوقف نہیں کہا گیا کیونکہ توقف بھی عین تاخر ہوتا ہے۔

کسی چیز کا وزن اور اس کا مرتبہ ودرجہ دنیا وآخرت کے اعتبار سے انتہائی اہمیت رکھتا ہے، جو تقدم کا مستحق ہو اسے مقدم کرنا اور جو تاخیر کا مستحق ہو اسے متاخر کرنا ہر تزاحم وتکاثر کے وقت لازمی ہے، فقہی قاعدہ سے بھی یہی مقصود ہے کہ جو زیادہ نفع بخش، زیادہ صالح ودرست اور زیادہ اچھا ہو دو مصالح کے تعارض کے وقت اسی کو اختیار کیا جائے، اور جو زیادہ برا ونقصاندہ ہو یا تو اسے ترک کر دیا جائے یا جو ہلکا اور کم نقصاندہ اور کم فساد والا ہو، دو مفاسد کے تعارض کی صورت میں اسے اختیار کیا جائے۔ (متعلقہ مذہب کی فقہی کتابوں کی طرف رجوع کریں)

پانچواں عنصر: موازنہ کرنا (موازنہ کی فقہ):

یہی فقہ الموازنہ یا فقہ موزونات ہے، جس کا مقصد نصوص شرعیہ، احکام، اعمال اور تمام ابواب شریعت میں موازنہ کرنا تاکہ ان کے موازین کی معرفت حاصل ہو سکے، یعنی ہر چیز کی میزانِ خاص معلوم ہو سکے، اور یہ جانکاری ہو کہ ان میں سب سے وزنی چیز کونسی ہے تاکہ اسے اختیار کیا جائے اور اس کی خاص ترازو میں اسے رکھا جائے، اس وقت تعارض ختم ہو جائے گا، مثلاً میزان جنگ میں شدت وسختی اختیار کرنے سے متعلق جتنے نصوص شرعیہ ہیں انہیں ایک میزان میں رکھ کر ان کا تقابل امن کی آیات ونصوص سے کیا جائے اس طرح مکمل طور سے تعارض ختم ہو جائے گا۔

اس طرح ہر باب میں موازین خاصہ کا موازنہ، ہر نص، دلیل یا مصلحت یا مفسدت کے خاص اوزان سے مندرجہ ذیل طریقہ سے کیا جائے۔

اول: قوت وضعف کے اعتبار سے نصوص شرعیہ میں موازنہ کیا جائے، نص قرآنی اپنی حجت اور دلیل کے اعتبار سے نص نبوی پر مقدم ہوگی، اس کے بعد وہ نصوص شرعیہ آئیں گی جن پر عمل کرنے پر اجماع ہوگا، پھر مبادی قاطعہ اور مقاصد یقینیہ کو ترجیح دی جائے گی، پھر اس کے بعد اپنی دلالت وشدت کے اعتبار سے نصوص کو مقدم رکھا جائے گا جیسے نصوص قرآنیہ اور احادیث متواترہ ان کو باقی نصوص پر ترجیح ہوگی، نصوص قرآنی میں ترجیح اس طرح ہوگی۔

أ۔ قطعی الدلالۃ ظنی الثبوت

ب۔ ظنی الدلالۃ قطعی الثبوت

ت۔ ظنی الدلالۃ والثبوت اس ترتیب سے ترجیح کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

د۔ اس کے بعد وہ نصوص جن میں دلالت بذریعہ نطق ہوگی، انہیں ان دلالات لازمہ یا مفہومہ پر فوقیت ہوگی جنہیں اشارہ یا مفہوم مخالف کے ذریعہ سمجھا جاتا ہوگا، اس طرح محکم اور ظاہر نص دوسرے نصوص پر لائق ترجیح ہوگی، جیسا کہ علم اصول الفقہ میں مذکور ہے۔ (کتاب الاجتہاد و الفتوی اھمیتھا وشروطھا وتطبیقاتھا المعاصرۃ، دار البشائر والکرامۃ بیروت)

سنت میں لائق ترجیح وہ نصوص ہوں گی جو لفظاً و معنیً متواتر ہوں، ان کے بعد وہ نصوص مقدم ہوں گی جن میں تواتر معنوی اور فعلی اعتبار سے ہوگا پھر جن پر اہل مدینہ کا عمل ہوگا، پھر مشہور و مستفیض احادیث اس کے بعد متفق علیہ، اخبار احاد پھر بخاری، مسلم، اور بقیہ کتب حدیث کی مرویات پھر حدیث حسن اور وہ احادیث جن پر دلالت کے اعتبار سے بھی عمل ہو، حدیث میں نص قولی کو نص فعلی پر ترجیح ہوگی، نص فعلی اقرار و تقریر پر مقدم ہوگی۔

یہ ایک عام اصول ہے، اس کے تحت امام مسلمؒ اور دوسرے محدثین کی روایات کو، خاص ابواب کی وجہ سے امام بخاریؒ کی مرویات پر ترجیح ہوسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نصوص شرعیہ کے اندر موازنہ، علم اصول الفقہ کی گہری معرفت وادراک کا محتاج ہے، ساتھ ہی مقاصد شریعت، عربی لغت، سیاق ولحاق اور ترجیح وتوفیق کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

نصوص عامہ وخاصہ، نصوص مطلقہ ومقیدہ وغیرہ دلالت کے اندر علماء اصول کے بیان کردہ مبادی کا لحاظ وخیال رکھنا بھی ضروری ہے، ہم ذیل میں بعض عام مبادی کا تذکرہ کرتے ہیں:

☆ حقیقت، مجاز، کنایہ اور تعریض پر اور نصوص شرعیہ میں حقیقت شرعیہ حقیقت لغویہ پر مقدم ہوتی ہے۔

☆ منطوق، مفہوم پر مقدم ہوتا ہے، اور داخل ایسے اوزان ہوتے ہیں جن کی طرف علم اصول فقہ کے مطابق رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے۔

☆ دلالت کے اعتبار سے نص قطعی، دوسرے نصوص پر مقدم، اور نص ظاہر، اس کے علاوہ نصوص سے قوی ہوتی ہے، یہاں بہت سی تفاصیل ہیں جن کے لئے علم اصول فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اسی طرح اوامر ونواہی میں بہت تفصیل ہے، التزام اور کامل تنفیذ کے اعتبار سے منہیات مقدم ہیں، اس لئے منہیات کو ترک کرنا ہر فرد سے مطلوب ہے، کیونکہ سلامتی اور تعمیر، حفاظت اور دشواریوں کے ازالہ کے لئے وہ شرط ہیں، اسی معنی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما نهيتكم عنه فاجتنبوه و ما أمرتكم به فافعلوا منه ما استطعتم (البخاری ۷۲۸۸، مسلم ۱۳۳۷) ترجمہ: جس چیز سے میں نے تم کو روکا ہے اس سے اجتناب کرو جو حکم تم کو دیا ہے اسے کرو اپنی استطاعت کے بقدر۔

حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امر کی صورت میں التزام بقدر استطاعت ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں محنت وکوشش اور دوسری چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن نہی کی صورت میں اس سے مطلقاً بچنا لازم آتا ہے، اس لئے کہ یہ ممکن ہے۔ (۱) (۸/ مارچ ۲۰۱۸ء میں شائع اپنے مقالہ میں ڈاکٹر ریسونی نے مصالح کے حصول کو مفاسد سے بچنے پر مقدم کیا ہے، اور تحلیہ میں اخلاق حسنہ سے اتصاف کو تخلیہ یعنی انہیں شرک کرنے پر مقدم کیا ہے، اسی وجہ سے ارشاد ہے: وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا (الاسراء: ۸۱)

اسی وجہ سے نہ کرنے (اجتناب) کو کرنے یعنی (اجتلاب) پر مقدم کیا گیا ہے، لیکن اوامر اپنے آثار کے اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان پر دنیا کی تعمیر اور دین کی نشر واشاعت کا دار و مدار ہے اور انہی کے ذریعہ قوت و طاقت، تقدم اور تہذیب کا تحقق ہوتا ہے، صرف محرمات سے اجتناب باوجود اس کے کہ وہ ایک اہم کام ہے لیکن اس سے قوت، تہذیب اور دین کی نشر واشاعت نہیں ہوتی۔

اس سے قبل ہم نے امام فخر الرازی کا قول نقل کیا تھا کہ تکلیف کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ جسے کرنا ضروری ہو اسے کیا جائے اور جسے ترک کرنا لازمی ہو اسے ترک کیا جائے پہلی قسم ہی اصل مقصود ہے۔(۱) تفسیر کبیر فخر الرازی المسمیٰ مفاتیح الغیب، ط، دار احیاء الکتب العربی تفسیر آیۃ ۲۵ الحدید)

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی یہی بات تحریر فرمائی ہے: ''شریعت اسلامیہ میں جس فعل کا حکم دیا گیا ہے وہ اس فعل کے مقابلہ بہت افضل ہے جس سے شریعت نے روکا ہو، اس لئے کہ مامور بہ فعل کی جنس، منہی عنہ فعل سے بہت بڑی ہے، اور انسان کو واجبات کی ادائیگی پر محرمات کے ترک کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔(مجموع الفتاوی: ۸۵/۲۰)

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کے اثبات میں مزید فرمایا کہ ''فتوی'' جو کہ ایمان و اسلام کی اصل غایت ہے اس کا مطلب اللہ تعالی کے اوامر کو بجالانا اور منہیات سے اجتناب کرنا ہے، پھر علامہ نے طلق بن حبیبؒ کا قول نقل فرمایا کہ: ''تقوی'' اللہ تعالی کی اطاعت اللہ کے نور کی روشنی میں ثواب کی امید سے کرنا، اسی طرح معاصی کو اللہ کے نور کی نورانیت میں ترک کرنا''۔(مجموع الفتاوی: ۸۵/۲۰)

لیکن جب مصالح و مفاسد میں تعارض ہو تو اس صورت میں مصلحت کا اعتبار ہوگا یا مفسدہ کا، مصلحت عامہ، خاص فساد کو رفع کرنے کی وجہ سے مقدم ہوتی ہے، اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے، اوامر شرعیہ کا مدلول اسی ترتیب سے ہوتا ہے، فرض، واجب، مستحب مؤکد، مستحب اور منہیات کا مدلول، حرام مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور مکروہ ہوتا ہے۔

میری نظر میں دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، امام رازی اور علامہ ابن تیمیہؒ نے جو فرمایا کہ اوامر اصل اور جنس عام ہیں اور منہیات اس حدیث سے اصل عام نہیں ہیں کہ وہ دلیل کی محتاج ہوتی ہیں لیکن وہ بھی اصل، غایت مقصودہ اور مقصد عظیم ہوتی ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ معبودان باطل کی نفی اثبات پر مقدم ہے اللہ تعالی نے فرمایا: فاعلم أنه لا اله الا الله (سوره محمد: ۱۹) ترجمہ: تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے کوئی قابل عبادت نہیں۔

اور تمام عقائد اور عبادات منہیات و محرمات کے ترک سے مربوط ہیں، اللہ تعالی نے توحید کا حکم دیا اور شرک سے منع فرمایا، عدل کا حکم دیا اور ظلم سے روکا، امانتوں کی ادائیگی کا حکم دیا اور خیانت سے منع کیا، فرضیت نماز کے حکم کو فواحش، اور منکرات کے ترک کو تقوی سے مربوط فرمایا، ارشاد ہے: و أقم الصلاة ان الصلاة تنهى عن الفحشاء و المنكر (العنكبوت: ٤٥) ترجمہ: اور نماز کی پابندی رکھئے بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا: خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تذكيهم بها (توبة: ۱۰۲) ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں گے۔

یعنی ان کو حقد و حسد طمع و لالچ جن سے روکا گیا ہے پاک کرنا اور ان میں اندونی اخلاق حسنہ محبت، اخوت اور باہمی تعاون کو فروغ دینا جیسا کہ اللہ تعالی نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح روزہ بھی تقوی سے مربوط ہے، ارشاد ہے: یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرۃ: ۱۸۳) ترجمہ: اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے امتوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

یہاں بھی جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا اوامر ونواہی کا التزام مقصود ہے، معلوم ہوا کہ اوامر ونواہی دو جڑوان بھائی ہیں جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، دو ارکان اور اصل ہیں جن میں سے کوئی کسی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، لیکن اوامر اصل وعام ہیں اور نواہی کم ہیں اور خاص دلیل کی محتاج ہوتی ہیں، ارشاد ہے: و قد فصل لکم ما حرم علیکم (الأنعام: ۱۱۹) ترجمہ: اللہ تعالی نے ان سب چیزوں کی تفصیل بتلادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے۔

سابقہ بیان کی روشنی میں فقہ المیز ان اقوی واکثر کو مقدم کرنے کا متقاضی ہوتا ہے، امر کو نہی پر مصلحت کو مفسدہ پر یا اس کے برعکس نہی کو امر پر یا مفسدہ کو مصلحت پر قوت وطاقت کے اعتبار سے مقدم یا مؤخر کیا جاتا ہے، مصلحت عامہ مفسدہ خاصہ پر، اور مفسدہ عامہ مصلحت خاصہ پر مقدم ہوتی ہے، دلیل قطعی سے ثابت مامور بہ کو دلیل ظنی سے ثابت منہی عنہ پر ترجیح دیجاتی ہے، اسی طرح اس کے برعکس صحیح ہے، اور مصلحت و مفسدہ کے برابر وتساوی ہونے میں، مفسدہ کو ہٹانا رفع کرنا، مصلحت پر مقدم ہوتا ہے۔

ز: منہیات کے درمیان موازنہ میں سب سے چوٹی پر شرک، پھر سات یا نو کبائر پھر باقی کبائر، پھر صغائر اور صغائر کے بعد مکروہات کا درجہ ہوتا ہے۔

ح: مأمورات میں موازنہ کرنے پر سب سے چوٹی پر ایمان کے ارکان پھر اسلام، اس کے بعد دین ودنیا پر مشتمل باقی واجبات، مندوبات اور مستحبات ہوتے ہیں۔

ط: سند اور روایت کے موازنہ میں، علم روایت، جرح وتعدیل، علت وغیرہ کے بعد، بڑے بڑے علماء وفضلاء جن کا تعلق علوم حدیث سے رہا ہے، ان کے اقوال کا مطالعہ وملاحظہ ضروری ہے۔

دوم: اجماع کے مسئلہ میں، اجماع صریح کو اجماع سکوتی پر مقدم رکھا جائے گا، اور اجماع اصولی کے تحقق کو بہ تاکید معلوم کیا جائے گا جس کا وجود، حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بعد تقریباً نادر ہوگیا ہے، اسی طرح نص صریح کے وجود اور انسانی معاشرہ کا اس سے واقف ہونا بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے، تا کہ مختلف فیہ پر اسے ترجیح دی جائے۔

ہمارے بیان کردہ معانی پر اجماع شریعت سے ثابت شدہ ان حقائق میں سے ہے جنہیں ضرورتاً دین میں شمار کیا گیا ہے، اس کا انکار ناممکن ہے لیکن اس مسئلہ پر مناقشہ وگفتگو ہوسکتی ہے کہ کیا یہ مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے نزول، شروط اور ضوابط پر حقیقتاً اجماع ہے۔

سوم: قیاس کے باب میں کسی مانع کے موجود نہ ہونے کی صورت میں علماء علم اصول الفقہ کے نزدیک قیاس جلی کو قیاس خفی پر مقدم کیا جاتا ہے، قیاس قطعی، قیاس ظنی پر مقدم ہوتا ہے اور اگر قیاس کی اصل پر اجماع ہو تو اسے اس قیاس پر مقدم کیا جاتا ہے، جس میں اختلاف ہو۔(۱) (جمع الجوامع، ج۱، ص۲۰۲)

چہارم: وہ أدلہ جن میں اختلاف ہے جیسے استحسان، مصالح مرسلہ، عرف، استصحاب، اسلام سے قبل کے شرعی احکام، صحابی کے اقوال، ان میں اصول فقہ کی کتابوں سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

یہاں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ وسائل کے اختیار یا عدم اختیار یا انجام کے لحاظ کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم جو کتاب اللہ، سنت صحیحہ کے نص سے یا اجماع سے ثابت ہو اس پر تمام علماء متفق ہیں، اسے قیاس پر ترجیح دی جائے، دوسری قسم جو اجتہاد سے ثابت ہو، یہ قسم ان دلائل میں ہے جن میں اختلاف ہے۔ (شرح الکوکب المنیر، جامعۃ ام القریٰ، ۱-۳۴۷)

پنجم: مقاصد شریعت کے دائرہ میں وہ اجتہادی حکم جو مقاصد شریعت سے مطابقت رکھتا ہو اسے مخالف حکم پر مقدم رکھا جائے گا، مقاصد عامہ کو مقاصد خاصہ پر فوقیت دی جائے گی، اور مقاصد خاصہ مقاصد جزئیہ پر مقدم ہوں گے، ضروریات حاجات پر، اور حاجات تحسینات پر مقدم ہوں گی، پھر ان میں سے ہر ایک کے مختلف اوزان ہوں گے۔

ششم الف: مصالح اور مفاسد کے مسائل میں موازنہ، ضروری ہے، حاجی (ضرورت والی) اور تحسینی میں مصالح و مفاسد کے اعتبار سے موازنہ کی صورت میں ضروریات کو تحسینیات پر مقدم کیا جائے گا، پھر ضروریات کے اندر دین و مذہب کی حفاظت کو، جان کی حفاظت پر مقدم کیا جائے گا، جیسا کہ جہاد اس وقت فرض عین ہو جاتا ہے جبکہ کفار مسلمانوں کے ملک پر قابض ہو جائیں اور مذہب کو ختم کرنے کی دھمکیاں دیں۔

یہ حکم مسلمانوں کی جماعت کے اعتبار سے ہے، لیکن انفرادی حیثیت سے انسانی نفس کو، دین پر مقدم کیا جائے گا، جیسے کوئی دین کی بے حرمتی پر مجبور کرے اور نہ کرنے کی صورت میں قتل وقید کی دھمکی دے تو نفس کی حفاظت کے لئے دین کی بے حرمتی کر سکتا ہے، ارشاد ہے: الا من أكره و قبله مطمئن بالايمان (النحل: ۱۰۶) ترجمہ: مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

ضروریات پانچ چیزیں ہیں (۱) دین (۲) نفس (۳) عقل (۴) عزت و آبرو و نسل (۵) اعمال ان کو ضروریات اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے فقدان کی صورت میں نظام زندگی درہم برہم ہو جاتا ہے، ضروریات: ان کے فقدان کی صورت میں لوگ تنگی و پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، نظام زندگی بگڑتا ہے، کمالیات ان کے فقدان سے نہ تنگی و پریشانی میں مبتلا ہوتے نہ نظام زندگی بگڑتا ہے۔

موازین کے درمیان تفریق پر یہ اہم دلیل ہے، مسلمانوں کے دین اور وطن کو خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں دین کو نفس پر مقدم کیا جائے گا، لیکن کسی فرد کو دھمکی یا تعدی کی صورت میں نفس کو دین پر ترجیح دی جائے گی، اسی وجہ سے امام الحرمین اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے علماء نے کہا ہے کہ ''مسلمانوں کی جماعت، امت اور حکومت کی حاجیات فرد کی ضروریات کی طرح ہیں۔ (۱) (فقہ الاولویات للشیخ القرضاوی، ۲۷-۲۹)

حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی، باوجودیکہ قریش نے مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی کوششیں کیں، اور صلح حدیبیہ بظاہر مسلمانوں کا حق مارنے اور ان پر تشدد و ظلم کرنے کی طرح تھی، انہوں نے بسم اللہ اور حضورؐ کا اسم گرامی حذف کرنے پر اصرار کیا، اور یہ شرط کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر حضور کے پاس جائے گا تو اسے قریش کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر آئے گا تو اسے قریش واپس نہیں کریں گے، اس کے باوجود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کو قبول فرمایا، قرآن نے بھی تائید کی اور اسے فتح مبین قرار دیا: انا فتحنا لك فتحا مبينا (الفتح: ۱) ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صلح حدیبیہ خود فتح اور فتح مکہ کا راستہ بنی، لوگوں کے دل دعوت اور صحابہ کے نمونہ دیکھ کر اسلام کے لئے کھل گئے، بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اس کے بعد فتح مکہ اور دوسری فتوحات ہوئیں۔

۳۔ مفاسد، اذیت رساں اور بد باطن چیزوں میں باہمی موازنہ:

اسلام کا ایک عظیم ترین معیار ہے، وہ طیبات، منافع، مصالح، جمال کا مذہب ہے، وہ بدطینتی، اذیت رسانی، مفاسد سے برسر پیکار ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی بنیاد حلال و پاک چیزوں میں طیب، نفع بخش اور مصالح کے غلبہ پر اور محرمات میں بد باطنی، ضرر رسانی اور بدطینتی کی بنیاد پر ہے، ارشاد ہے: و یحل لهم الطیبات و یحرم علیهم الخبائث (الاعراف: ۱۵۷) ترجمہ: پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

لا ضرر و لا ضرار (فتح الباری شرح بخاری ۷-۴۳۹) ترجمہ: نہ نقصان پہونچانا ہے اور نہ نقصان اٹھانا ہے۔

اللہ تعالی نے شراب و جوئے کی حرمت کا سبب بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا: و اثمهما أكبر من نفعهما (البقرة ۲۱۹) ترجمہ: اور ان دونوں میں گناہ کی باتیں ان کے فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں

فقہاء کرام نے طیبات کو مفاسد پر ترجیح دینے کے لئے مختلف قواعد وضع فرمائے ہیں ان میں: ضرر کو شرعاً ختم کیا جائے، نقصان دہ چیز کو اس کے مثل نقصان دہ چیز سے یا اس سے زیادہ ضروری چیز سے زائل نہیں کیا جائے گا، دو نقصاندہ چیزوں میں سے ہلکی ضرر رسانی والی چیز کو، دو مفاسد میں سے ہلکے فساد کو، دو برائیوں میں سے ہلکی برائی کو برداشت کیا جائے، ہلکے نقصان کو بڑے نقصان سے بچنے کے لئے برداشت کیا جائے گا، اس کے دلائل نصوص شرعیہ میں کثرت سے ہیں مثلاً حضرت موسی حضرت خضر کے قصہ میں ہے کہ کشتی کو اس لئے عیب دار کیا گیا کہ ظالم بادشاہ کشتی نہ لے لے۔

چہارم: قوت وضعف کے اعتبار سے مصالح اور مفاسد کے درمیان فقہ المیز ان کی بنیاد پر موازنہ کرنا، یہ موازنہ درء المفاسد، جلب مصلحہ سے مطلقاً بہتر ہونے کی حیثیت سے نہیں ہوگا، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ فساد کو دفع کرنا، حصول مصلحت پر اسی وقت مقدم ہوتا ہے جب دونوں کا ایک درجہ ہو، لیکن اگر مصلحت یقینی یا مصلحت عامہ ہو تو اسے دفع مفاسد پر مقدم کیا جائے گا، جیسا کہ جب مسلمانوں کا دشمن سے مقابلہ ہو اور بعض مسلمانوں کو ڈھال بنا کر کھڑا کر دے تو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے تحت ان کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں مصلحت کو دفع مفسدہ پر مقدم کیا، شریعت کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ مصلحت اور فساد میں جب ایک کا غلبہ دوسرے پر ہو تو غلبہ والے کو فوقیت دی جائے گی۔ (۱) (مصنف کی کتاب الاجتہاد والفتوی، ط دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ۲۰۱۷ء)

☆ نصوص شرعیہ کے درمیان تعارض کی صورت مین ہم فقہ المیز ان کا سہارا لیں گے، اس کی درج ذیل شکلیں ہوں گی۔

(۱) بظاہر قرا ان اور سنت میں تعارض کی شکل میں میزان کا فیصلہ یہ ہوگا کہ ان دونوں مصادر شرعیہ میں تعارض نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ سنت قرآن کی شارح ہے، اس لئے بیان اور مبین میں تعارض کیوں واقع ہوا؟ پھر یہ کہ قرآن کا مرتبہ سنت کے مرتبہ سے زیادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی کہ وہ سب سے پہلے درپیش مسئلہ کا حل قرآن میں پھر سنت میں تلاش کریں (۲) (حجۃ اللہ البالغۃ، ط دار المعرفۃ، بیروت، ۱/۲۲۸) اگر اس کے بعد بظاہر تعارض رہے تو فقہ المیز ان مندرجہ ذیل کوئی حل بتلائیے گا۔

الف: حدیث کا درجہ دیکھنا ہوگا، اگر حدیث ضعیف ہے تو اصلاً اسے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ قرآن کریم سے تعارض کیونکر ممکن ہوسکتا ہے جبکہ قرآن مصادر شرعیہ میں سب سے مقدم اور پورا کا پورا متواتر ہے۔

ب: حدیث کے صحیح ہونے کے باوجود اگر تعارض ظاہری باقی رہے تو پھر اس کا تعلق یا تو نص حدیث کی فہم سے ہوگا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبلغ، امام اور قاضی کی حیثیت سے معرفت میں کمی یا ناواقفیت ہوگی، یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین حالت میں بات کہی ہوگی یا اس طرح

کی کوئی اور صورت ہوگی، مثلاً صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔(۳) (راجع البخاری وأبوداؤد، وأحمد، والنسائی، والبیہقی)

یہ حدیث اللہ تعالی کے فرمان: و لا تزر وازرة وز أخرى (فاطر: ۱۸) ترجمہ: اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا سے متعارض ہے، جب حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث سنی تو فرمایا کہ حضور کا یہ ارشاد ایک یہودی عورت کے بارے میں تھا کہ اسے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، بعض علماء نے فرمایا کہ عذاب اس وقت ہوگا جب وہ اس کی وصیت کر کے مرا ہوگا (۱) فتح الباری ج ۲، ۱۵۶-۱۵۷)

(۲) قرآن کریم کا قرآن کریم کے ساتھ ظاہری تعارض مثلاً وہ آیات قرآنی جن میں انسان کے مخیّر نہ ہونے بلکہ مجبور ہونے پر دلالت ہے، فرمایا ہے: و ما تشاء ون الا أن يشاء الله رب العالمين (تکویر: ۲۹) ترجمہ: اور تم خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

یا آیت کریمہ: و ما رميت اذ رميت و لكن الله رمى (الانفال: ۱۷) ترجمہ: اور آپ نے نہیں مارا جبکہ آپ نے مارا لیکن اللہ تعالی نے مارا حضور نے خاک کی مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینکی تھی۔

یا آیت کریمہ: فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر (الكهف: ۲۹) ترجمہ: سو جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کافر رہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری آیات میں فقہ المیز ان کے ذریعہ اس طرح تعارض دور ہوسکتا ہے کہ دونوں حالات سے متعلق آیات قرآنی کو جمع کر کے، انہیں میزان کے دونوں پلّوں میں رکھ کر تولا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ قسم اول کی آیات اللہ سبحانہ وتعالی کی قدرت مطلقہ کے بیان کے لئے ہیں جس کا تعلق واجب عقیدہ سے ہے، اور قسم ثانی سے متعلق آیات ثواب عقاب سے متعلق اللہ تعالی کی سنت وطریقہ کو بیان کرتی ہیں کہ انسان کو ارادہ، اختیار اور قدرت حاصل ہے تا کہ اس کی ذمہ داری ومسئولیت متحقق ہو سکے۔

(۳) سنت کا سنت کے ساتھ تعارض، اس کا علاج بھی حدیث کی قوت وضعف کے ذریعہ یا فقہ المیز ان کے ذریعہ اس طرح کہ تمام نصوص احادیث کو جمع کر کے میزان کے دونوں پلّوں پر رکھا جائے۔

ششم: نصوص شرعیہ کا عقل کے ساتھ تعارض، یہ تعارض حقیقتاً واقع نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب (درء تعارض العقل والنقل) میں ثابت فرمایا ہے، اس طرح کا تعارض نصوص میں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، عقل سلیم کبھی بھی نقل صحیح سے متعارض نہیں ہو سکتی، اب اگر بظاہر تعارض ہو تو نص شرعی کی صحت وسلامتی میں خلل کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ احادیث ضعیفہ، موضوعہ میں ہوتا ہے، یا خلل فہم حدیث میں ہوتا ہے، اس کا اندازہ حضرت عائشہؓ کے صحابہ کرام پر بعض استدراکات سے ہوتا ہے، استنباط وفہم یا مؤثرات وادراک عقل میں خلل اس تعارض کا سبب ہوتا ہے۔

ہفتم: بظاہر ثابت نصوص نقلیہ میں تعارض کی شکل میں ان نصوص میں توفیق کی کوشش ہو یا دونوں پر اس طرح عمل ہو کہ دونوں کو الگ الگ محمل پر محمول کیا جائے، یا ان میں تاویل کی جائے یا تغلیب وترجیح کے اصول کو منطبق کیا جائے۔(۱) المستصفی ۲، ۳۹۲/ شرح کوا کب المنیر ۴-۵۹۹)

تعارض کی ان اشکال میں ہم فقہ المیز ان کی تطبیق کے ذریعہ تعارض کو انشاء اللہ بالکلیہ ختم کر دیں گے، ہم متعارض تمام دلیلوں کو جمع کر کے ان کو دو مجموعات میں تقسیم کریں گے، ایک مجموعہ کو ترازو کے ایک پلّہ میں اور دوسرے مجموعہ کو دوسرے پلّہ میں ان کے درمیان موازنہ کریں

گے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

ہر امر میں توازن کی اہمیت:

توازن لغۃ باب تفاعل سے مصدر ہے جس کے معنی دونوں طرف مساویانہ شرکت کے ہوتے ہیں وہ اس وزن سے مشتق ہے جس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں۔

توازن علم نفس کی اصطلاح مین ایسے نفسیاتی توافق کو کہتے ہیں جس میں انسانی نفس کے ہر جزء کے مطالبے معتدل طریقہ سے ہوں، تا کہ دوسرے اجزاء جسم کے ساتھ توازن رہے، اور متوازن ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے نفس اور نفس کے اعمال وسلوک کو ضبط کرنے والا ہو۔ (۱) المستصفیٰ ۳۲۹/۲، شرح الکوکب المنیر ۵۹۹/۴)

یہ بات واضح ہے کہ مادی ترازو میں توازن اس وقت ہوگا جب دونوں پلّوں میں ہم وزن چیز اس طرح رکھی جائے کہ توازن برقرار رہے اور ترازو کی زبان درمیان میں رہے، لیکن اگر کسی ایک پلّہ میں وزنی یا ہلکی چیز رکھی گئی تو توازن برقرار نہیں رہے گا، اور ترازو کا ایک پلّہ نیچے اور دوسرا اوپر ہو جائے گا۔

اسی طرح معنوی ترازو میں نصوص اور احکام کا وزن کرتے وقت کیا جائے گا اور ایک ہی ترازو میں عقائد اور معاملات کو نہیں تولا جائے گا، ایک ہی ترازو سے دونوں کا وزن کرنے کی صورت میں نہ تو عدل وانصاف متحقق ہوگا اور نہ توازن قائم رہے گا، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر نص شرعی اور حکم شرعی کی علیحدہ ترازو ہو مثلاً جنگ وقتال سے متعلق نصوص جن میں شدت غلظت اور سختی ہے اس کی ترازو الگ ہو، اس کی میزان و تول اس ترازو سے نہیں کی جائے گی جس سے محبت، الفت، عدل، احسان اور صبر وتحمل کو حالت سلم اور دعوت وتبلیغ میں تولا جاتا ہے، یہاں تعامل اچھے طریقے سے اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ توازن سے مقصود یہ ہے کہ نصوص، احکام اور انسانی اعمال وافعال کو ان کی خاص میزان میں رکھا جائے تا کہ مطلوب توازن حاصل ہو سکے۔

یہ توازن موازین کی معرفت ترازو کے دونوں پلّوں میں موجود چیز کے وزن ان کی فہم اور بلا کسی زیادتی وکمی کے دونوں پلّوں پر ایک عام نظر سے ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ تر اختلافات کی وجہ سے یہی ہوتا ہے کہ کوئی فریق، حق کی معرفت کے لئے میزان کا استعمال نہیں کرتا، بلکہ اپنی رائے یا اپنے مستنبط عقلی حکم یا فیصلہ کی پناہ لیتا ہے، یا وہ لغت کو اپنے مستنبط فیصلہ کے مطابق استعمال کرتا ہے مثلاً جبریہ فرقہ نے ان آیات قرآنی کو دیکھا جو ان کی رائے کے مطابق تھیں جیسے کہ: و ما تشاء ون الا أن يشاء الله رب العالمين (تکویر: ۲۹) ترجمہ: اور تم خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

و ما رميت اذ رميت و لكن الله رمى (الانفال: ۱۷) ترجمہ: اور آپ نے نہیں مارا جبکہ آپ نے مارا لیکن اللہ تعالی نے مارا حضور نے خاک کی مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینکی تھی۔

لیکن ان آیات کو نہیں دیکھا جن میں بندہ کے اختیار کو بیان کیا گیا جیسے: فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر (الكهف: ۲۹) ترجمہ: سو جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کافر رہے۔

اس کے برعکس قدریہ فرقہ نے کیا، اس طرح ان دونوں نے نصف حق کو اختیار کیا جبکہ اہل حق نے ترازو کے دونوں پلّوں کو دیکھا اور کامل حق تک ان کی رسائی ہوئی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

اسی طرح وہ تمام احادیث وآیات جن میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے، انہیں ترازو کے دونوں پلّوں میں رکھ کر انشاء اللہ حق تک پہونچا جاسکتا ہے، مثلاً وہ آیات واحادیث جن میں مال اور مالدار کی تعریف وتوصیف ہے ان کے مقابل وہ آیات واحادیث ہیں جن میں مال اور مالدار کی مذمت ہے، جب ان دونوں اقسام کی آیتوں کو جمع کر کے ان میں غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ جن نصوص میں مال کی مذمت یا مالدار کی برائی بیان کی گئی ہے اس سے مراد وہ مال ہے جسے حرام طریقے سے کمایا گیا ہو یا وہ مال اللہ تعالی سے استغناء، شرکشی، نافرمانی اور ظلم وستم اور گناہ کے لئے استعمال کیا گیا ہو یا اس میں بیجا اسراف وتبذیر کی گئی ہو، اللہ کے حقوق کی ادائیگی اس مال میں سے نہ کی گئی ہو، دوسرے وہ نصوص جن میں مال اور مالدار کی مدح وثناء ہے، اس سے وہ مال مراد ہے جسے حلال طریقہ سے کمایا گیا ہو، نیکی اور تقوی میں اس کا استعمال ہوا ہو، اسے اعتدال سے خرچ کیا گیا ہو، اللہ کا شکر ادا کیا گیا ہو اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی کی گئی ہو۔

کائنات، انسان اور شریعت کے درمیان توازن:

جدید علمی تحقیقات نے یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ کائنات اور انسان کی تکوین میں بہت ہی دقیق توازن پایا جاتا ہے، قرآن کریم نے ان جدید تحقیقات سے بہت پہلے اس بات کو بیان فرمادیا ہے جن کا ذکر ہم کریں گے، پھر قرآن نے واضح وبین دلائل وبراہین سے واضح کر دیا ہے کہ کائنات اور انسان کے خالق پروردگار نے ایک کامل اور متوازن شریعت نازل فرمائی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے معاملات کو انجام دے اور اسی کے ذریعہ کائنات کی چیزوں کو استعمال کرے اور زمین پر اپنی خلافت کے فریضہ کو بخوبی انجام دے، خدائی بتلائے ہوئے طریقہ کی روشنی میں زمین میں تعمیر کی خدمت انجام دے، یہ کام درج ذیل دلیلوں کی روشنی میں پایۂ تکمیل کو پہونچے گا۔

۱۔ کائنات کا توازن:

اللہ سبحانہ وتعالی نے ہزاروں باہم مربوط ومعتدل انواع بنائے ہیں جن کی مدد سے انسان زمین پر موزون ومثالی زندگی بسر کر سکے، ارشاد ہے: و خلق کل شئ فقدره تقديرا (الفرقان: ۲) ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

اللہ تعالی نے ہر چیز کو مخصوص مقدار اور محدود نسبت پر کہکشاؤں سے لے کر ذرّہ تک پیدا فرمایا ہے تاکہ کائنات میں توازن رہے، ہر چیز اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایک اندازہ پر پیدا شدہ ہے اور تکامل پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالی نے ہر چیز کو خاص صفات عطا فرمائی ہیں، ارشاد ہے: و كل شئ عنده بمقدار علم الغيب و الشهادة الكبير المتعال (الرعد: ۸) ترجمہ: اور ہر چیز اللہ کے نزدیک ایک ایک خاص اندازہ سے ہے وہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا اور عالیشان ہے۔

ارشاد ہے: و خلق کل شئ فقدره تقديرا (الفرقان: ۲) ترجمہ: اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا

یہ حیران کن توازن وربط وتعلق جس سے فضائی غلاف کی تکوین ہوئی ہے، اس سے چھ قسم کے گیس پیدا ہوتے ہیں، ان میں نیٹروجن ۷۸%، اوکسیجن ۲۱% اور دوسرے گیس قلیل مقدار میں ہوتے ہیں، اگر آکسیجن کی مقدار ۵۰ فیصد ہو جائے تو زمین میں بھڑک اٹھنے کی طاقت و قابلیت خوفناک حد تک بڑھ جائے اور ماچس کی ایک سیخ زمین کی فضا اور اس پر موجودات کو پلک جھپکے جلا کر راکھ کر دے۔ (۱) المظاهر الجغرافية دار النسر السعودية، ص ۱۲۷)

اسی طرح تمام ستاروں، سورج، کہکشاؤں کے درمیان مسافت میں ایک توازن ہے اور یہی توازن آسمانی اجسام، ان میں پائے جانے والے گیس، پہاڑوں، برف اور زندگی میں پایا جاتا ہے، وکل شئ بقدر ہر چیز ایک اندازہ کے ساتھ ہے، زندگی اور موت میں توازن، انسانی اجسام میں توازن جس کا پتہ بیکٹیریا کی تحقیق سے ملتا ہے، اگر زمین میں پیدا شدہ مختلف خصائص میں سے کسی خصلت میں اختلاف پیدا ہو جائے تو زمین پر زندگی گزارنا دشوار ہو جائے، مثلاً زمین کا حجم گھٹ جائے یا بڑھ جائے، یا زمین کی دوری سورج سے قریب یا دور ہو جائے، یا زمین سورج کا حجم تبدیل ہو جائے، اس کا درجہ حرارت بڑھ جائے، یا زمین کے اپنے محور پر گھومنے میں سرعت یا کمی ہو جائے، یا زمین بغیر پہاڑوں کے ہو جائے، یا زمین کی گردش اپنے محور پر یا سورج کے گرد متغیر ہو جائے، یا زمین میں پانی کی نسبت یا خشکی کی نسبت میں زیادتی یا کمی واقع ہو جائے، اگر ان میں سے کچھ بھی ہو جائے تو زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔(۱) المنہج الایمانی للدراسات الکونیۃ فی القرآن الکریم، ط، دار النشر السعودیۃ، ص ۳۷۱) اور یہ سب قرآن میں مذکور ہے: اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهَادًا وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا وَّخَلَقۡنَاكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا وَّجَعَلۡنَا اللَّيۡلَ لِبَاسًا وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرَاتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلۡفَافًا (البناء: ۱-۱۶) ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخیں اور ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو راحت کا باعث بنایا اور رات کو پردہ پوش بنایا اور دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا اور ہم نے تمہارے اوپر سات سخت (آسمان) بنائے اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بنایا اور ہم نے بادلوں سے زور کا پانی اتارا تاکہ ہم اس سے اناج اور گھاس اگائیں۔

اہل ایمان علماء کرام فرماتے ہیں کہ توازن، جاذبیت، ربط و تعلق اور حرکت کائنات میں عظیم سنت و طریقہ ہے، تمام چیزوں میں تناسق ہے، ہر چیز اپنا کام بخوبی انجام دے رہی ہے، یہ قوانین جہاں زمین کے گرد سورج کی گردش کی تصدیق کرتے ہیں اسی طرح نظام شمسی کی گردش، کہکشاؤں کے مرکز کے اردگرد اور کہکشاؤں کی گردش تمام آسمانوں کے مرکز کے گرد ہونے کی بھی تصدیق کرتے ہیں، ہمارے حکم کے مطابق اللہ تعالی کی سب سے چھوٹی مخلوق ''ذرہ'' بھی حیرت انگیز گردش کے نظام پر گامزن ہے، جو نظام سورج اور تمام کہکشاؤں میں جاری و ساری ہے۔

اسی طرح نظام جاذبیت جو چاند اور زمین اور زمین و سورج کے درمیان پایا جاتا ہے، اپنی مثال آپ ہے، ارشاد ہے: الشمس و القمر بحسبان (الرحمن: ۵) ترجمہ: سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں۔

سورج کی قوت جاذبیت، چاند و ستاروں کی مرکزی قوت دافعہ کے درمیان نتائج کے اعتبار سے انتہائی مساوات پائی جاتی ہے، زمین کے بالائی حصہ میں بھی عجیب حیرت انگیز توازن پایا جاتا ہے، پہاڑوں کی بلندی اور وادیوں کی پستی میں بھی ایک توازن ہے۔

۲۔ نفس انسانی کا توازن:

جدید علمی تحقیق کے دلائل و براہن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی ترکیب انتہائی باریک و حسین توازن پر قائم ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم (التین ٤) ترجمہ: ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے

اسی طرح ارشاد ہے: الذی أحسن کل شئ خلقه (السجدة: ۷) ترجمہ: جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی

اسی طرح ارشاد ہے: انا کل شئ خلقناه بقدر (القمر: ٤٩) ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا

اللہ تعالی نے سورہ رحمٰن میں انسان، سورج، چاند، ستاروں، درختوں اور آسمان کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: و وضع المیزان ألا تطغوا فی المیزان و أقیموا الوزن بالقسط و لا تخسروا المیزان (الرحمن: ۸-۹) ترجمہ: اسی نے ترازو رکھدی، تاکہ تم تولنے میں کمی

بیشی نہ کرواورانصاف کے ساتھ وزن کوٹھیک رکھواورتول گھٹاؤ مت۔

یہ آیت قرآنیہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کے لئے ایک دقیق وباریک میزان رکھی گئی ہے،انسان پر لازم ہے کہ اس میزان کی حفاظت کرے،اوراسے کوئی نقصان نہ پہونچائے۔

علم حدیث نے انسانی تکوین کے نظام کی تشریح کی ہے کہ یہ انتہائی باریک نظام پر قائم ہے جوانتہائی متوازن ہے،اورانسانی جسم کے خلیات وجنیات سے شروع ہوکر پورے جسم انسانی کے ہر ہرعضوکوگھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

۳۔ شریعت کا توازن:

حضرت آدم علیہ السلام،حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ اسلامی شریعت،انسان اور کائنات کے ساتھ متوازن ومتناسق رہی،انسان اپنی کینونت وخلیاتی نظام میں زوجیت پر قائم ہے جیسا کہ آگے آئے گا،ارشاد ہے: سبحان الذی خلق الأزواج کلها مما تنبت الأرض و أنفسهم و مما لا یعلمون (یٰسین:۳۱) ترجمہ:وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کی قبیل سے بھی،اورخودآدمیوں میں سے بھی اوران چیزوں میں سے بھی جن کو(عام لوگ)نہیں جانتے۔

انسان کی تقویم زوجیت یعنی مرد وعورت کے نظام پر ہوتی ہے،اس طرح دوسری تمام مخلوقات بھی شفع یعنی دوئی کے اسی نظام پر قائم ہیں،سوائے اللہ سبحانہ وتعالی کے وہ تنہاوتر ہے،ارشاد ہے:و الشفع و الوتر (الفجر:۳) ترجمہ:قسم ہے طاق اورجفت کی

اسلامی شریعت،کائنات اورانسان کے درمیان اس انجام کوترازو کے دونوں پلّوں میں رکھ کرتولنی ہے تاکہ شریعت کوصحیح طریقہ سے سمجھا جاسکے،ہرمتعین موضوع سے متعلق نصوص شرعیہ کوجمع کرکے،ترازو کے دونوں پلّوں پر رکھ کرتولا جائے،اس کا نام ہم نے نصوص شرعیہ کو سمجھنے کے لئے نظریہ الشفع رکھا ہے۔

یہ شریعت اپنے جوہراورحقیقت کے اعتبار سے جسم،روح اورنفس کے مطالبوں میں اسی توازن پر قائم ہے،اوراس میں کسی بھی ایک پہلوکودوسرے پرترجیح نہیں دیجاتی ہے،رہبانیت اختیار کرنے والے گروہ نے عبادت میں تشدد کی بدعت کواختیار کیا،اورنفس وروح کومہذب بنانے کی غرض سے،عبادات اورسخت ترین اعمال کا جسم انسانی کومکلّف بتایا،لیکن وہ اپنی ایجادکردہ رہبانیت کی حفاظت نہ کرسکے،اورتوازن کو چھوڑکر،جسم کے حق میں تفریط کواختیار کیا،اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کی مذمت کرتے ہوئے ارشادفرمایا:و رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها (الحدید: ۲۷) ترجمہ:اورانہوں نے رہبانیت کوخودایجادکرلیا،ہم نے اس کوان پر واجب نہیں کیا تھا،لیکن انہوں نے اللہ تعالی کی رضا کے لئے اس کواختیار کیا تھا،سوانہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔

مادی شہوت پرست لوگوں نے روح کے مقابلہ میں جسم کا خاص اہتمام کیا،اس طرح ان کے یہاں ایک روحانی خلاوفراغ پیدا ہوگیا، اسی وجہ سے مسلمان فلاسفہ کے نزدیک انسان کے مادی ورحانی عقلی ونفسی مطالب میں ایک توازن کا ہونا ضروری ہے،اسی وجہ سے قیم واخلاق، روح نفس اورقلب کے اندونی فضائل اورصحت،مال،جمال اوراولادوغیرہ کے خارجی فضائل میں اتحادوتوازن کا ہونالازمی ہے۔

اسلام مکمل طورسے احادی نہ ہوکرثنائی اورتوازنی فہم پر قائم ہے:

اگرہم اسلام پرغورکریں گےتواندازہ ہوگا کہ وہ زندگی میں توازن کی تحقیق کے لئے آیا ہے،اس لئے وہ کائنات وانسان سے ہم آہنگ ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات،نباتات اور جمادات میں دوئی کے قانون کے علم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بتایا

ہے کہ اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز دوئی پر قائم ہے جیسے آدمی اور عورت، منفی اور مثبت، یہ شریعت ہر چیز اور اس کے مقابل کے توازن پر قائم ہے، اس لئے اسلام کی گہری اور عمیق سمجھ صرف فہم دوئی اور نظریہ دوئی کے گہرے مطالعہ سے حاصل ہوسکتی ہے، یہ ایسا دین ہے جو دنیا و آخرت، مادی و معنوی قوت، دنیا و آخرت کی سعادت کو اپنے اندر جمع کرتا ہے، لیکن دوسری ساری شریعتیں اور آج کے قوانین احادی فہم سے مربوط ہیں، ان میں دنیا یا آخرت ایک چیز کا ذکر اور اصرار ہے، یہودی شریعت کا جھکاؤ مادیت کی طرف مبالغہ کی حد تک ہے، اسی طرح سارے دنیوی قوانین دنیا میں جنت کے طالب ہیں، اور نصرانیت لاہوتی تصور میں قدیم زمانہ سے رہبانیت اور ترک دنیا پر مصر ہے، آج کی مغربی تہذیب میں روحانیت سے دور مادیت غالب ہے، لیکن اسلام نے تمام مقابل چیزوں کو جمع کر کے دین موزون، فکر موزون اور تہذیب موزون تک رسائی حاصل کی۔

عقیدہ اور شریعت کے باب میں اسلام نے دونوں پہلوؤں میں توازن قائم کیا ہے، عقل کی ذریعہ خلق اور ابداع اور سببیت کا علم ہوتا ہے اور صحیح نقل (کتاب وسنت) غیبیات کی تفصیل اور ہدایت، مشاہدات میں حاضری کا میزان اور غیب کا میزان غیبیات میں، پھر داخلی افتخار کے میزان سے عقیدہ اور نرمی، کشادگی اور خوش اخلاقی کے میزان سے آپسی معاملات، مل جل کر ساتھ رہنا اور دعوت کا پھیلانا، اس لئے کہ عقیدہ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ ممیّز ہو اور حامل عقیدہ مسلم کو دوسرے عقائد کے مقابلہ میں صرف اپنے عقیدہ کہ سچائی کا احساس، اگر اس کو ادھر میں لٹکا دیا جاتا تو مقابلہ آرائی اور جنگ وجدال ہو جاتا، اس لئے شریعت کی احکام اور اس میں آپسی تعامل میں اس وقت توازن متحقق ہوسکتا ہے جبکہ عقیدہ کی سچائی دوسروں کی خلاف اعلان جنگ کا ذریعہ نہ بنے، اس لئے واجب ہے کہ تعادل تعامل اور آپسی گفتگو کے ذریعہ سامنے والوں تک حکمت اور اچھی نصیحت و وعظ سے اس کو پہنچایا جائے اس لئے ان لوگوں سے معاملات کرنے کی اجازت دی گئی بلکہ کتابیات سے شادی کی اجازت اور ان سے اچھا تعامل کرنے کا حکم دیا گیا اس سے مسلمان کے داخلی اجزاء میں توازن پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی پہچان کی حفاظت کرتا ہے اور وہ حرص کرتا کہ دوسروں کے جوشاندہ میں شامل نہ ہو، دوسروں کے ساتھ زندگی نہ گذار سکے بلکہ وہ اس حقیقت کو پہچان لے جیسے کہ اسلامی ملک میں اہل عہد وذمہ کے خاص احکام ہیں۔

اس لئے اگر کوئی صرف عقیدہ پر اعتماد کرے گا تو غیر مسلموں کے ساتھ تعامل میں شرعی احکامات کی ان دیکھی کرے گا تو اس کا تعامل شدت بلکہ تفریط کا شکار ہوگا، اور اسی وجہ سے دوسرے ادیان کے پیروکار جیسے یہودی اور نصرانی دوسروں کے ساتھ تعامل صرف تلوار اور تشدد سے کرتے ہیں جس کی تاریخ گواہ ہے۔

دنیا و آخرت کے میزان کے اعتبار سے دونوں کو اہمیت دینا ہے اور دونوں کو تعمیر سے آباد کرنا ہے، دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اور آخرت رجوع کا ٹھکانہ ہے، جو آخرت کو پانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو اپنی دنیا کو اعمال صالحہ سے آباد کرنا پڑے گا، لیکن آخرت کو زیادہ وزن دینا پڑے گا، کیونکہ اس کا زمانہ بہت لمبا ہے اور دنیا کی زندگی بہت تھوڑی اور فانی ہے اور آخرت دائمی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے قل متاع الدینا قلیل و الآخرة خیر لمن اتقی (سورة النساء:۷۷) ترجمہ: ان سے کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔

نصیحتوں اور کئی دیگر چیزوں کی وجہ سے لیکن دنیا سے بھی غفلت نہیں برتی جاسکتی، اگر آخرت احسن، زیادہ خیر والی اور افضل ہے تو دنیا حسن، خیر فضل خداوندی اور عظیم نعمت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی اولویت اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ دنیا میں نیک اعمال کا بہت زیادہ خیال رکھا جائے تاکہ اس کا بدلہ آخرت میں حاصل ہو۔

اسلام دین و دنیا کے توازن پر قائم ہے، روح کے مسائل اور جسم کی خواہشات جائز وسائل کے ذریعہ زیب و زینت، کمالیات و

جمالیات اور دنیوی زندگی کی تمتع والی چیزوں سے محظوظ ہوا جائے، اور آخرت کے بڑے حظ کو نہ بھلایا جائے گا، اللہ تعالی فرماتا ہے وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (سورة القصص:۷۷) ترجمہ: اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول، اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے، اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جبکہ مادہ پرستوں پر مادیت غالب آ گئی یہاں تک کہ انہوں نے اس کو معبود کا درجہ دیدیا جیسا کہ سامری نے اپنا بچھڑے کو اپنا الہ بنایا تھا، اسی طرح آج کل کے مادہ پرستوں کا حال ہے ان کا دین دینار اور شہوتیں ہیں، ان کی طبیعتیں دنیا و مال سے بھری پڑی ہیں اس سے انہیں وہ محبت ہے جو خدا سے ہونا چاہئے وہ چاہتے ہیں کہ ان کی جنت ان کو دنیا ہی میں مل جائے، نہ موت چاہتے ہیں کہ اس کی تمنا کرتے، اس کے برعکس رہبانیت اور ترک دنیا ہے۔

یہ دقیق توازن، سلوک، اخلاق، تصرفات اور عقیدہ، فکر اور تصورات میں برابر ہو، قرآن کریم اور سنت نبوی میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ یہ اخلاق، ترقی، بلندی اور دقت و جمال میں اپنی مثال آپ ہیں اور افراط و تفریط سے پاک ہونے کی وجہ ان میں بلندی ارتقاء و جمال بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔

اسلام میں یہ بات نہیں کہ جو انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی منقول ہے، جو تمہارے داہنے گال پر تھپڑ مارے تم اس کے سامنے بایاں گال بھی پیش کر دو، اور اگر کوئی تمہارا قمیص چوری کر لے تو اسے اپنا پاجامہ بھی دے دو، اکثر عیسائیوں نے ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا بلکہ اس کے برخلاف انہوں نے چرچ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے علماء کو جلایا، اور اندلس میں مسلمانوں کو جلایا گیا، اور نہ عرب کے جہلاء کی طرح کہ ایک برائی کا بدلہ سو برائی کے ذریعہ دیا جائے اگر ایسا کرنے پر قدرت ہو، ان کے ایک شاعر نے کہا کہ:

لا يجهلن أحد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلينا

ترجمہ: کوئی ہمارے ساتھ جہالت کا برتاؤ نہ کرے، ورنہ ہم جاہلوں سے زیادہ جہالت کریں گے۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے عفو و درگزر، غصہ پینے، احسان کرنے اور برائی کا مقابلہ اچھائی سے کرنے کا حکم دیا، اور یہ بھی اجازت دی کہ بالمثل بدلہ لیا جا سکتا ہے، ارشاد ہے: و جزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا و أصلح فأجره على الله انه لا يحب الظالمين (الشوریٰ: ٤٠) ترجمہ: اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالی ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام نے عبادات اور مذہبی معاملات میں ان تمام چیزوں کو بیان کر دیا، جن کا ایک مسلمان اپنے نفس، قلب، جذبات، جسمانی، بدنی اور دنیاوی تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ذکر، نماز، روزہ زکوٰۃ و حج وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے، اسی کے ساتھ اسلام نے بندوں کو ان کی بقدر طاقت ان احکامات کی بجا آوری کا حکم دیا، جو بہت قلیل ہیں، ۲۴ گھنٹے میں پانچ فرض نمازیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند رکعات سنتوں کا بھی حکم دیا، جن کی ادائیگی میں انسان کا بہت کم وقت صرف ہوتا ہے، مال میں اللہ تعالی نے ۲.۵% ڈھائی پرسینٹ زکوٰۃ فرض کی، اسی طرح زمین کی پیداوار میں ۱۰% کا حکم دیا جبکہ دوسرے مصارف نہ ہوں، حج کو زندگی میں ایک مرتبہ فرض کیا اور یہ بھی اس شخص کے لئے فرض کیا جو وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، اور سال میں ایک ماہ کے روزے اس شخص پر فرض کئے جو ان کی ادائیگی پر قادر ہو، اگر ایسا مرض ہو کہ اس سے بظاہر شفا ممکن نہ

ہواور بوڑھا شخص تو ان پر روزہ فرض نہیں ہے بلکہ وہ فدیہ دیں گے، مریض اور مسافر افطار کرسکتا ہے، بعد میں اس کی قضا کرلے۔

اسلام نے یہ سب اس توازن کو باقی رکھنے کے لئے کیا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں، تاکہ تعمیر ارض اور خلافت علی الارض کی ذمہ داری کو انسان زیادہ وقت سے انجام دے، اللہ تعالی نے اس وجہ سے نماز کی ادائیگی کے بعد کام کو انجام دینے کا حکم دیا، فرمایا: فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا فی الأرض و ابتغوا من فضل الله و اذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون (الجمعة: ۱۰) ترجمہ: جب نماز ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو، اور خدا کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

بعض وہ عبادات جن میں عبادت اور علت عبادت دونوں جمع ہوتی ہیں مثلاً ہم زکوٰۃ میں اصل اور پیداوار کے درمیان، وجوب زکوٰۃ کے اعتبار سے توازن اور مکمل عدل دیکھتے ہیں، زکوٰۃ میں ایک سال میں تکرار نہیں ہوتی، عروض تجارت میں سنِ زکوٰۃ اصل، فرع اور پیداوار کے اعتبار سے ہوتی ہے، یہ زکوٰۃ اس سے مختلف ہوتی ہے جو صرف پیداوار کے اعتبار سے ہوتی ہے، زراعتی زمین پر پیداوار کے اعتبار سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، آسمان کے پانی سے بلا سنچائی پیداوار پر ۱۰% اور نہر چشمہ وغیرہ سے سنچائی پر ۵% زکوٰۃ ہوگی، عروض تجارت میں اصل اور منافع پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

یہی توازن ہم اصول میں بھی دیکھتے ہیں، وہ اصول جو بذات خود نامی ہوتے ہیں جیسے حیوانات، یا جو حکماً نامی ہوتے ہیں جیسے نقود اور غیر نامی جامد اصول جیسے انسان کی مستعمل اشیاء اور غیر متداول اصول ثابتہ۔

معاملات مالیہ میں نفع، ضمان، فائدہ، نقصان اور بالضمان خراج کے اندر بھی توازن کو ملحوظ رکھا ہے،، اور اسے تجارت میں نفع کے حلال و جائز ہونے کی بنیاد بتایا ہے، اگر کسی کا سرمایہ تجارت میں ڈوب جائے تو مضاربت و مشارکت کے ذریعہ نفع کمانا اس کے لئے جائز ہوگا، لیکن اس کے علاوہ نفع حاصل کرنے کی دوسری اشکال میں سود ہونے کی وجہ سے حرمت ہوگی، جسے قرآن نے ظلم کہا ہے، اور اگر کوئی اپنے مال کو خطرہ سے بچانا چاہتا ہے تو وہ قرض لے سکتا ہے، یہ قرض قرض لینے والے کے لئے ضمانت ہوگا، اس میزان سے حقیقی عدالت متحقق ہوتی ہے، اس طرح ایک ہی شخص کے لئے دونوں خیر اور دونوں ضرر کا جمع ہونا جائز نہیں ہوگا، سود خوار کا سرمایہ بھی محفوظ ہوتا ہے، اور ۱۰% سود بھی مضمون ہوتا ہے، اس طرح حدیث نبوی کے مطابق وہ ظالم وملعون ہوگا، اور سود لینے والے پر تمام حالات میں ضمان ہوگی اور سود ہوگا، وہ ایک جانب سے مظلوم اور دوسری جانب سے ظالم وملعون اس وجہ سے ہوگا کہ اس نے سودی کاروبار کو فروغ دیا اور گناہ کے عمل پر معاونت کی۔

اسی وجہ سے ان شروط میں انتہائی شدت اختیار کی ہے جو مشارکت یا مضاربت کو زائد شرطیں لگا کر یا سرمایہ میں کسی مبلغ کو متعین کر کے ختم کردے۔

اللہ تعالی کی رہنمائی سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ تمام عقود دو پلّے والی دقیق میزان پر قائم ہیں، ایجابی وسلبی چیزوں کو ان پلّوں میں دقت و باریکی سے رکھا جاتا ہے مثلاً قرض حسن کی میزان کے دو پلّے ہیں قرض دینے والے کے ایجابی پلّہ میں اس کی ضمانت ہوتی ہے کہ تمام حالات میں اسے مثل حقیقی یا عادلانہ قیمت ملے، لیکن سلبی پلّہ میں اس کے لئے کسی بھی صورت میں یہ جائز نہیں ہوتا اور طویل مدت گزرنے کے باوجود بھی وہ کسی زیادتی یا منفعت کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اور قرض لینے والے کے بھی ایجابی وسلبی پلّے ہوتے ہیں، ایجابی پہلو سے وہ قرض میں ہر طرح کا تصرف کرنے میں آزاد ہوتا ہے، اور کسی زیادتی کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اور سلبی پہلو سے وہ قرض کی واپسی کا مطلقاً ضامن ہوتا ہے۔

لیکن اگر عقد سود کی بنیاد پر ہو تو تمام سلبیات قرض لینے والے کے پلّہ میں اور تمام ایجابیات قرض دینے والے کے پلّہ میں جمع ہو جاتی

ہیں،اس طرح میزان کا توازن بگڑ جاتا ہے اور خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

میزان میں بگاڑ اور خلل کے بڑے تباہ کن نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور اس سے طبقاتی نظام پیدا ہوتا ہے، اقتصادی توازن بگڑ جاتا ہے، اور مال، حقوق ومنافع کی مطلوبہ اشکال میں نظم ونسق باقی نہیں رہتا، جس کے نتیجہ میں کساد بازاری، افراط زر بیکاری جیسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور اجتماعی ظلم وستم کے دروازے کھلتے ہیں، اور فطری شرعی قاعدہ (الغنم بالغرم) فائدہ نقصان کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، جیسے کہ بعض بڑے علماء نے آج سے سو سال قبل تحقیق وتفتیش کے بعد کہا کہ اگر دنیا میں سودی لین دین اس طرح جاری وساری رہا تو دو سو سال کے اندر، چند محدود اشخاص کے پاس دنیا کی دولت جمع ہو جائے گی، اور آج سو سال کے بعد دیکھتے ہیں کہ دنیا کی آدھی دولت چند دولتمند اشخاص کے ہاتھوں میں جمع ہو گئی ہے، ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۵ء تک امریکہ اور دوسرے ممالک میں زبردست مظاہرات ہوئے اور صنعتی حلیف ممالک پر قبضہ کرنے کے نعرے لگائے گئے، امریکہ میں ایک فیصد مالدار اشخاص امریکہ کی تقریبا پوری دولت پر قابض ہیں اور ۹۹ فیصد اشخاص محروم ہیں۔

اس کے مقابلہ میں عقد مضاربہ (تجارتی شرکت) میں ایجابیات وسلبیات (مثبت ومنفی) اخراجات کو طرفین پر تقسیم کرنے کی صورت میں اگر صاحب مال کو اس کے شریک کی محنت اور تجربہ سے نفع حاصل ہوتا ہے تو یہ مثبت پلّہ ہوگا، لیکن اگر صاحب مال کا سرمایہ اس کے شریک کی تقصیر وزیادتی کے بغیر ضائع ہوتا ہے تو اس سے کوئی ضمانت وسیکورٹی نہیں ملے گی، یہ میزان کا منفی پلّہ ہوگا،، مضارب کے لئے میزان کا مثبت پہلو یہ ہوگا کہ اگر اس نے کوئی زیادتی اور تقصیر نہیں کی تو اسے مال میں بلا ضمانت مکمل تصرف کرنے کا حق ہوگا، اور منفی پہلو یہ ہوگا کہ نفع کی ایک مقدار رب المال کو ملے گی، اس طرح عدل وانصاف کے ساتھ فطری، شرعی قاعدہ کی تطبیق، فائدہ کے ساتھ نقصان کی تطبیق ہو جائے گی، اسی طرح دوسرے اسلامی مالی معاملات میں ہوگا۔

تہذیب کے میدان میں اسلام نے اپنے احکام وقوانین، پابندیوں اور ذمہ داریوں میں توازن رکھنے اور تہذیب وتمدن اور زمین پر خلافت کے قیام کے لئے، بنائے ہوئے قواعد وسنن میں انسان کی صلاح وفلاح کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے اور انسان کو خلافت کا بار اٹھانے کے قابل بنایا ہے، اس کے لئے ایمانی عقیدہ کو آخرت کے دن سے مربوط کیا اور عمل صالح پر ثواب اور بداعمالی پر عذاب مقرر فرمایا ہے، اور نماز اور روزہ جیسی عبادات کو صلاح وپاکیزگی اور محرمات وسیئات سے دوری کا ذریعہ بتایا ہے، ارشاد گرامی ہے: و أقم الصلاة ان الصلاة تنهى عن الفحشاء و المنكر (العنكبوت: ٤٥) ترجمہ: اور نماز کی پابندی رکھئے بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها (التوبة: ١٠٢) ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے

جب انسان حقیقی طور پر صالح، نافع ومصلح اور انصاف پسند ہوگا تو زمین کی تعمیر اور دنیا میں خلافت وجانشینی میں مشیت الٰہی کے ساتھ تناسق ہوگا، اور تمام لوگوں کو نفع بخش زندگی گزارنے اور وسائل وذرائع اور احکامات وصلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا نظم ہوگا، شر وفساد، سرکشی ونافرمانی معاشرہ سے دور ہوگی، اور پھر علمی، اقتصادی اور عسکری طاقتوں کو ان مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر قوت وطاقت، تہذیب وتمدن، سرپرستی ونگرانی سے مسلط قبضہ سرکشی وانارکی پیدا ہوگی، جیسا کہ ہم آجکل مادی لنگڑی ٹیڑھی تہذیب کو دیکھ رہے ہیں کہ جس کی تمام کوششیں مظلوم ومقہور، ناتواں وکمزور اقوام پر تسلط وقبضہ کے لئے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ تمام غیر اسلامی بڑی طاقتیں وحکومتیں مشرق ومغرب میں ہر جگہ دوغلی پالیسی اختیار کرتی ہیں، ان کی نظر میں اخلاق واقدار کا کوئی احترام نہیں ہوتا،

یہاں تک کہ خود ان ممالک میں رائج اخلاق واقدار کا وہ مطلق لحاظ نہیں رکھتیں، اور اگر تعلق مسلمانوں کے حقوق وواجبات سے ہو تو پھر جمہوریت، انسانیت اور کرامت کو مطلقاً بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔

اس لئے عقل ونقل میں توازن ہونا اور ان میں سے ہر ایک کا اپنے دائرہ میں رہ کر کام کرنا اور دوسرے سے کام کرانا ضروری ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''جس نے اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ دیا وہ جاہل ہے اور جس نے صرف اپنی عقل پر اعتماد کیا وہ مغرور ہے، اس کے لئے اصول وقواعد، ہم عصری، ثابت ومتغیر ہونے والی چیزوں میں توازن لازمی ہوتا ہے۔

اس کا نتیجہ فقہ موزون، فکر موزون اور حکم موزون:

نتیجہ اگر دقت وباریکی سے فقہ موزون، فکر موزون اور حکم موزون کی تطبیق کریں تو کائنات ومعاشرہ میں عدل وانصاف حق ومعرفت اور اعتدال ومساوات کے ساتھ توازن قائم رہے گا، ارشاد ربانی ہے: و أنبتنا فيها من كل شئ موزون (الحجر: ۱۹) ترجمہ: اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی۔

یہ توازن تخلیق انسانی اور اس کی مادی تکوین میں بھی ہے، ارشاد ہے: و لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقويم (التين: ٤) ترجمہ: اور ہم نے انسان کو خوبصورت سانچے میں پیدا کیا۔

اسلامی شریعت میں بھی یہ توازن بدرجہ اتم موجود ہے، کیونکہ یہ شریعت اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہے جو خالق کائنات کا عظیم مبدع ہے، ارشاد ہے: أ لا يعلم من خلق و هو اللطيف الخبير (الملك: ١٤) ترجمہ: کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا وہ باریک بیں اور پورا باخبر ہے۔

اس شریعت اور الٰہی قانون کو سمجھنا اور اس کی باریکیوں تک رسائی حاصل کرنا اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم فہم وسمجھ میں توازن اور بیلینس قائم کریں، اور ہماری تمام سرگرمیاں اور تصرفات شریعت کے مطابق ومتوازن ہوں۔

یہ آخری شریعت سابقہ امتوں کے اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے آئی ہے جن میں وہ امتیں اپنی سرکشی، نافرمانی، جہالت اور تعصب کی وجہ سے گرفتار ہوئیں، اسی وجہ سے اس آخری شریعت کے ساتھ موازین وتوازن کو اتارا گیا کہ اگر امت ان کو پکڑے تو سابقہ امتوں کی طرح گمراہ نہ ہو، اور یہ چیز اسی وقت متحقق ہوسکتی ہے جب ان موازین کی ہمارے بیان کردہ چاروں عناصر کے ساتھ تطبیق کی جائے۔

فصل سوم

فقہ المیزان کی مشروعیت کے دلائل

اول: فقہ المیزان کامل چھان بین اور تحقیق کے ذریعہ اسلامی شریعت میں ثابت ہے:

اگر ہم آیات قرآنی، احادیث نبوی وسیرت خاتم الانبیاء اور خلفاء راشدین کی حیات طیبہ کا مطالعہ اور اس پر غور وخوض کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ''فقہ المیزان'' شریعت مطہرہ میں راسخ و پختہ اور قرآن کریم میں نازل اور ایسے دلائل و براہین سے ثابت ہے جو ہمیں قطعی و یقینی درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ (جیسا کہ ہم آگے تشریح کریں گے)۔

۱۔ قرآن کریم نے میزان کا تذکرہ کتاب کے ساتھ کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ دونوں اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہیں، ارشاد ہے: الله الذی أنزل الکتاب بالحق و المیزان (شوریٰ: ۱۷) ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی۔

ارشاد گرامی ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبینٰتِ و أنزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید: ۲۵) ترجمہ: ہم نے بھیجے اپنے رسول نشانیاں دیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

نازل کردہ یہ میزان وہ مادی میزان نہیں جس سے مادی اشیاء کو تولا جاتا ہے، کیونکہ یہ مادی میزان پہلے سے موجود اور فطرتاً معلوم ہے، بلکہ میزان سے مراد انبیاء کرام پر نازل کردہ کتابوں سے حاصل ربانی ہدایت ہے جس کی انسانیت محتاج اور خود آسمانی کتابوں کی فہم وتطبیق حاصل ہوتی ہے، اور جس میں حقوق وواجبات، احکام وعقائد، اور شرائع وقوانین کا علم ہوتا ہے، یہ میزان یا موازین صرف معنوی نہیں بلکہ مادی موازین بھی اس میں شامل وداخل ہیں۔

قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ ہر چیز کی ایک خاص میزان ہوتی ہے، زمین وآسمان کی بھی خاص میزان ہے ارشاد ربانی ہے: و السماء رفعها و وضع المیزان (رحمن: ۱۹) ترجمہ: آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو۔

اور ارشاد ہے: و الأرض مددناها و ألقینا فیها رواسی و أنبتنا فیها من کل شئ موزون (حجر: ۱۹) ترجمہ: اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھدیئے اس پر بوجھ، اور اگائی اس میں ہر چیز اندازہ سے۔

یہاں تک کہ قیامت کے دن خاص موازین ہوں گی جو دنیاوی موازین سے مختلف ہوں گی، ارشاد ہے: و نضع الموازین القسط لیوم القیامة فلا تظلم نفس شیئا (الأنبیاء: ٤٧) ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

میزان سے متعلق قرآن مجید میں یہ آیتیں ۲۳ کے قریب ہیں اور موازین قسط کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز کی ایک الگ میزان ہے، اور دینی امور کے لئے بھی ضروری ہے کہ زندگی کی بقاء وقیام کے لئے خاص میزان ہو، قرآن کریم نے وضاحت سے بتلا دیا ہے کہ کتاب کے ساتھ اللہ تعالی نے میزان کو اتارا تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں، یہ بات واضح ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف مادی موازین سے قائم نہیں ہوسکتا چاہے وہ موازین کتنی ہی دقیق کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ ان موازین سے عدل وانصاف صرف مادی چیزوں میں ہو سکتا ہے، لیکن حقیقی عدل حقوق وواجبات میں انصاف، ہر چیز، ہر حکم اور مامور بہ کا وزن، بلا موازین حاصل نہیں ہوسکتا، تا کہ ہر حقدار کو اس کا حق ملے، اور ہر میزان کے ذریعہ صحیح ومناسب طور پر وزن کیا جاسکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: و أعط کل ذی حق حقه

(البخاری مع فتح الباری: ٤ ١٨٢-١٨٤ ترجمہ: ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو

پھر دنیاوی وکونی امور کی صرف ایک میزان نہیں ہوگی بلکہ ہر مجموعہ کی ایک الگ میزان ہوگی جس سے اس کا وزن کیا جائے گا، پانی تولنے کی ترازو، بجلی تولنے کی ترازو سے مختلف ہوگی، اس سے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ شریعت، احکام شریعت، افعال اللہ اور افعال عباد اور عقائد عبادات اور عادات ہر ایک کی الگ میزان ہو۔

جس طرح کی ایک مادی ترازو سے تمام مادی اشیاء کو تول کر عدالت متحقق نہیں ہوسکتی، اسی طرح ایک میزان سے شرعی امور ومعاملات کا اگر کوئی وزن کرے وہ وزن حق وانصاف پر نہ تو مشتمل ہوگا نہ ہی ہر حقدار کو اس کا حق ملے گا۔

۲۔ جن لوگوں نے مختلف موازین اور مختلف اوزان میں برابری کی ہے، قرآن کریم نے ان کی زجر وتوبیخ کی ہے، فرمایا: أ جعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله و اليوم الآخر و جاهد فى سبيل الله لا يستؤن عند الله و الله لا يهدى القوم الظالمين الذين آمنو و هاجروا و جاهدوا فى سبيل الله بأموالهم و أنفسهم أعظم درجة عند الله و أولئك هم الفائزون (التوبة: ١٩-٢٠) ترجمہ: کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کردیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں لڑا، اللہ کہ ہاں یہ برابر نہیں ہیں، اور اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اللہ کے ہاں ان کے لیے بڑا درجہ ہے، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اور ارشاد ہے: ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق و المغرب و لكن البر من آمن بالله و اليوم الآخر و الملائكة و الكتاب و النبيين (البقرة:١٧٧) ترجمہ: یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر۔

اور ارشاد فرمایا: و ليس البر بأن تأتوا البيوت من ظهورها و لكن البر من اتقى و أتوا البيوت من أبوابها و اتقوا الله لعلكم تفلحون (البقرة:١٨٩) ترجمہ: اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

اور فرمایا: يَسـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرة:٢١٧) ترجمہ: آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے، اور اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے، اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔

موازین میں برابری نہ ہونے کو قرآن کریم نے بار بار بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے: لَّا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء:٩٥) ترجمہ: کسی عذر کے بغیر گھر بیٹھے رہنے والے مسلمان ان کے برابر نہیں جو اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرتے ہیں، اللہ نے جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا بیٹھنے والوں پر درجہ بڑھا دیا ہے، اگرچہ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے۔

اور ارشاد باری ہے: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ

قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ (الحدید: ۱۰) ترجمہ: اور تمہیں کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ ہی کے لیے ہے، تم میں سے اور کوئی اس کے برابر ہو نہیں سکتا جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، یہ (لوگ) ہیں کہ اللہ کے نزدیک جن کا بڑا درجہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا، اور اللہ نے ہر ایک سے نیک جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے مادی ظاہری چیزوں میں عدم مساوات کا ذکر کرتے ہوئے معنوی امور میں عدم مساوات پر استدلال کیا ہے، ارشاد فرمایا: وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوۡرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الۡحَرُوۡرُ وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسۡمِعُ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ (فاطر: ۱۹-۲۲) ترجمہ: اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی اور نہ سایہ اور نہ دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں، بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے، اور آپ انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں۔

اسی طرح بہت سی قرآنی آیات میں جو میزان اور اوزان کے اعتبار سے بہت سے حالات میں فرق کرتی ہیں، یہ اسلئے کہ مسلمان ربانی طریقہ پر گامزن ہو سکیں۔

۳۔ سنت نبویہ میں ہم بہت سی احادیث میں اشیاء کے درمیان فرق اور عدم مساوات پاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مراتب اعمال کو بیان فرماتے ہوئے کبھی افضل الأعمال ، أحسن الأعمال ، خير الأعمال اور ثواب کے لحاظ سے بہتر اعمال کا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح شر الأعمال ، اقبح الأعمال وغیرہ کے ذریعہ برے اعمال کی نشاندہی کی ہے، ان کے ذکر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر وثواب، خیر وشر، حسن وقبح کے اعتبار سے مراتب کا ذکر کیا ہے۔

صحابہ کرام بھی اعمال کے موازین واوزان کی معرفت سے خاص دلچسپی رکھتے تھے کیونکہ قرآن کریم نے ان کو افضل واقوی اعمال کی تعلیم دی تھی اور اعمال میں عدم مساوات کے بارے میں بتلایا تھا، صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ سلم سے افضل، احسن اور اکمل اعمال کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے، اور برے اعمال سے بچتے تھے، وہ حضور سے ایسے اعمال کے بارے میں دریافت کرتے تھے جو انہیں جنت میں داخل کریں، ان کے متعلق وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شافی وکافی جواب سن کر مقتنع ہوتے تھے، عملی تربیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے لئے قدوہ ونمونہ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقہ المیزان، اوزان، موازنات اور توازن ہر حیثیت سے ان کی ترتیب فرماتے تھے۔

دوم: سنت نبوی سے فقہ المیزان کا ثبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اپنے تمام تصرفات، سرگرمیوں اور لوگوں کے ساتھ معاملہ میں دقیق موازین پر قائم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اللہ تعالی نے بہترین طریقہ سے کی تھی، ارشاد ہے: وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ (طور: ٤٨) ترجمہ: اور اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کر، کیونکہ بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے جب آپ اٹھا کریں۔

قرآن کریم کی تطبیق میں وہ سب سے اول اور لوگوں میں سب سے بہتر تھے، ان کی مثال ایسی تھی جیسے قرآن لوگوں کے درمیان چل پھر رہا ہو، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا قرآن ان کے اخلاق

تھے(کان خلقه القرآن)جب قرآن کریم جیسا کہ ہم نے دیکھا میزان کی تاکید کرتا ہے اور اس کی اہمیت بتلاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اصول کی تطبیق کرنے والے سب سے اول اور سب سے بہتر تھے، ہم یہاں چند مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ومعطر سیرت سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ بات مزید وضاحت سے ثابت ہو جائے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی سورت مبارکہ کی پہلی آیت نازل ہوئی جو اپنی قوت، وزن، ثقل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور امت کی تکوین کی دلیل ورہبر تھی، اس کے بغیر نہ تو امت کی تعمیر ہو سکتی تھی نہ امت ترقی کے منازل طے کر سکتی تھی، اس آیت کریمہ میں علم وقراءت کی تعلیم دی گئی، اسی طرح سورہ محمد میں فرمایا گیا کہ:فاعلم أنه لا اله الا الله (محمد: ۱۹) ترجمہ:اور جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اس میں توحید کے علم کو مقدم کیا گیا اور بتلایا گیا کہ علم عمل سے پہلے ہے، جو ایمان وغیرہ کی صحت کے لئے شرط ہے، سورۃ العلق کی تیسری آیت اقرأ و ربك الأكرم پڑھئے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے سے پتہ چلا کہ قراءت کی میزان کتاب، کائنات، انسان سب کو شامل ہے، یہاں صرف دین اور قرآن مراد نہیں، اور یہ میزان دو ستونوں پر قائم ہے، ان میں سے پہلا ستون ایسی قراءت جو عقیدہ واخلاق کے زیر سایہ ہو اور دوسرا ستون ایسی آزادانہ قراءت جو انسانی کرامت وحقوق کی چھاؤں میں ہو۔

(۲) اللہ تعالی کے اوامر کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی تعمیر اور روحانی اور تعمیری اعتبار سے دعوت سے قبل آپ کا تزکیہ وتربیت کرنے سے ہوا، آپ کو رات میں نماز اور ترتیل سے قرآن کی تلاوت کا حکم ہوا، سورہ مزمل میں ہے:یا ایها المزمل قم اللیل الا قلیلا (المزمل: ۱-۲) ترجمہ:اے چادر اوڑھنے والے رات کو قیام کر مگر تھوڑا حصہ

اسی طرح ان کو ذکر کثیر اور اخلاص کے ساتھ عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرنے کا حکم دیا، ارشاد ہے:و اذکر اسم ربك و تبتل الیه تبتیلا (المزمل: ۸) ترجمہ:اور اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آجاؤ

پھر اللہ تعالی نے توکل صرف اسی پر اعتماد کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہی کائنات کا اور کائنات کی تمام چیزوں کا تنہا مالک ہے، اذیت پر صبر اور ھجر جمیل کی تعلیم دی، اور بتلایا کہ مکذبین کا انجام ہلاکت ہے جیسے فرعون اور دوسرے سرکشوں کو ہلاک کیا گیا، اس کے بعد دعوت کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:یا ایها المدثر قم فانذر و ربك فکبر (المدثر: ۱ -۳) ترجمہ:اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو اور ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔

یہ دلیل ہے اور قوی میزان ہے کہ پہلے تیاری، تربیت اور تزکیہ ہو اس کے بعد دعوت کے کام کا آغاز اور خدائی پیغام کی نشر واشاعت ہو۔

یہ تین اوائل سورتیں ہیں جن میں سے پہلی سورت میں اقرأ کے ذریعہ نظام تعلیمی کی اصلاح اور وسیع پیمانہ پر قراءت کی تعلیم دی، پھر سورہ مزمل میں حضور کی تربیت، تزکیہ اور بھاری امانت کے اٹھانے کے لئے انہیں تیار کیا، پھر سورہ مدثر میں دعوت اور اس کے متعلقات کا حکم دیا، یہ تربیت، توازن اور موازین کی اعلی مثال ہے، جس میں امت کو ان حسین موازین پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی کی تطبیق اور مواطنین کے درمیان جامع قانون کی تنفیذ تاکہ انہیں ان کے حقوق ملیں اور ذمہ داریاں معلوم ہوں، مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی پھر مدینہ میں استقرار کے بعد اپنے اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ کیا جس میں سب کے حقوق وواجبات تحریر کئے گئے، تاکہ سرزمین اسلام پر جو بھی رہے اسے قوت وطاقت حاصل ہو اور جو بھی مدینہ کا رخ کرے اسے متحد صورتحال کا مقابلہ کرنا پڑے کیونکہ یہاں کے باشندہ مسلمانوں کو دینی اخوت

اور غیر مسلموں کو انسانیت کے بندھن میں باندھ دیا گیا تھا۔

اسلام نے مسلمانوں کی وحدت اور اخوت کو ایک بھاری وزن دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اخوت و بھائی چارگی پر ان کی تربیت فرمائی جس کے نتیجہ میں حقیقی اخوت قائم ہوئی جس کے دوررس نتائج برآمد ہوئے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرہ کو متحد کیا جس کی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی اور جس میں غیر مسلم بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی صحیفہ یعنی دستور بنا کر ہر باشندہ کو اس کے حقوق عطا فرمائے، کوئی بھی حکومت یا تہذیب بلا اندرونی پختگی و مضبوطی کے قائم نہیں رہ سکتی، اسی وجہ سے جب مدینہ کے یہودیوں نے اجتماعی دستور کی مخالفت کی تو ان کو سزا دی گئی اور مدینہ سے ان کو نکال دیا گیا، پھر مدینہ دعوت، قیادت اور حکومت کا مرکز بن گیا تھا۔

(۴) غزوہ بدر میں قیدیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی کتاب اور میزان کی سمجھ پر قائم تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ اس فدیہ سے ہم کفار کے خلاف قوت و طاقت حاصل کریں گے، اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی ان کو اسلام کی ہدایت دیدے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، اور فرمایا کہ یہ کفر کے ائمہ وسرغنہ ہیں حضور نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا اور ان سے کہا کہ اے ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت موسی علیہ السلام کی طرح ہے (۱) رواہ احمد فی مسندہ ۲۲۷/۵، مسلم ۷۶۳)

اس تمثیل میں دو اشارے ہیں: پہلا اشارہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر سے افضل ہیں، دوسرا اشارہ یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے لئے قدوۃ ونمونہ بنایا ہے،، ارشاد ہے: قد كانت لكم اسوة حسنة فى ابراهيم و الذين معه (ممتحنة: ٤) ترجمہ: بیشک تمہارے لئے ابراھیم میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے۔

تمام انبیاء کرام قدوۃ ونمونہ ہیں، لیکن حضرت ابراھیم کو اس دلیل خاص کے ذریعہ مزید خاص کیا گیا ہے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ فيهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانفال: ٦٧-٦٩)
ترجمہ: نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں قیدیوں کو رکھے یہاں تک کہ ملک میں خوب خونریزی کرلے، تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو، اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو تم نے لیا اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب ہوتا پس جو مال تمہیں غنیمت میں حلال اور طیب ملا ہے اسے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

آیت کریمہ سے ایک عام حکم اور جنگ کی ایک میزان سمجھ میں آتی ہے، وہ میزان جنگ میں قوت وشدت کو اختیار کرنا ہے، جنگ کرنے والوں کی صرف دنیاوی مال ومتاع پر نظر جائز نہیں، وہ جنگ کے مقصد اور اس کی غرض کو بروئے کار لانے کے لئے سعی وکوشش کریں، فرمایا گیا ہے: حتى تضع الحرب أوزارها (محمد: ٤) ترجمہ: جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں

آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ خوب خونریزی کے بعد قیدی بنانا جائز ہے، ستر مشرکین کے قتل کے بعد یہ بات متحقق ہوگئی، اس کی تاکید اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہوتی ہے: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد: ٤) ترجمہ: پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کرلو تو

ان کی مشکیں کس لو، پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو۔

آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس میں قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا اثبات ہے، اس لئے فوراً بعد یہ ارشاد وارد ہوا لَوۡلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ فيه عَذَابٌ عَظِيۡمٌ (الانفال:٦٨) ترجمہ: اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو تم نے لیا اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب ہوتا۔

آیت میں لولا امتناع عذاب کے لئے ہے، اس لئے کہ دوسری چیز اللہ تعالی کی کتاب کی طرف سے تمہیں فدیہ لینے کی اجازت ہے، اس لئے فوراً بعد یہ ارشاد وارد ہوا: فَكُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال:٦٩) ترجمہ: پس جو مال تمہیں غنیمت میں حلال اور طیب ملا ہے اسے کھاؤ۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے بارے میں وحی کا انتظار فرمایا تو قیدیوں کے قتل کے بارے میں کیا انتظار نہیں کر سکتے تھے، یہ ترمذی، نسائی، ابن حبان اور بزار میں منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدر کے دن آئے اور فرمایا کہ "اپنے اصحاب کو فدیہ اور قتل میں اختیار دیجئے" (۱) ترمذی ۱۵۱۷، نسائی ۸۶۶۲، بزار ۵۵۱)

قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قیدیوں کو مخاطب فرما کر ان کی دلجوئی کے لئے ارشاد وارد ہوا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلۡ لِّمَنۡ فِيۡۤ اَيۡدِيۡكُمۡ مِّنَ الۡاَسۡرٰٓى اِنۡ يَّعۡلَمِ اللّٰهُ فِيۡ قُلُوۡبِكُمۡ خَيۡرًا يُّؤۡتِكُمۡ خَيۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (الانفال: ٧٠) ترجمہ: اے نبی جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخشے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسرے پہلو سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ جنگی مجرمین کے علاوہ قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، عصر حاضر میں بھی یہی قاعدہ ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید نے سورہ محمد میں جو غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی ہے قتل کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ بلا معاوضہ لیئے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے: فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد: ٤) ترجمہ: پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو

اس سے مشابہ آیات یہ تاکید کرتی ہیں کہ جنگ میں شدت وسختی اور میدان کارزار میں خونریزی کا حکم ہے: فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ (محمد: ٤) ترجمہ: پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کر لو تو ان کی مشکیں کس لو۔

پھر قیدیوں سے متعلق میزان خاص کو بیان کیا گیا ہے: فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد: ٤) ترجمہ: پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات سے فقہ المیزان اور فقہ الکتاب کا علم ہوتا ہے جنگ کے وقت حدود سے تجاوز نہ کرتے ہوئے، شدت وسختی اور پھر نرمی ورحمت یہاں تک کہ قیدیوں کے ساتھ نرمی وشفقت کا معاملہ ہوگا، سوائے ان کے جو مجرمین جنگ ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت کے پہلو کو ترجیح دیتے ہوئے ان مصالح کو مدنظر رکھا جو ان قیدیوں کے قتل سے متحقق نہیں ہو سکتے تھے، ان قیدیوں میں سے زیادہ تر اسلام لائے اور انہوں نے اسلام کی زبردست خدمتیں انجام دیں، اس کے علاوہ ستر کفار کے قتل سے خونریزی متحقق ہو چکی تھی، ان کے علاوہ ستر مشرکین بھی قید ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ کتاب کے مطابق اس رحمت سے میل

کھاتا تھا جس کے ساتھ آپ کی بعثت ہوئی تھی، وہ میزان کے عین مطابق اور اپنے انجام اور مستقبل کے آثار کے اعتبار سے حکمت عملی پر مبنی تھا۔

(۵) فقہ الکتاب کے ساتھ، غزوہ بدر میں فقہ المیزان کی تطبیق کی مثال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی ایک خاص میزان بیان فرمائی جو مشورہ پر قائم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا، پھر صحابہ حضور کے ساتھ ایک شخص کی طرح متحد ہو گئے (۱)

کسی بھی قائد کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بلا مشورہ جنگ کرے کیونکہ جنگ کے نتائج صرف قائد کو نہیں بلکہ سب کو بھگتنا ہوتے ہیں، یہ بڑا مشورہ جو تمام مہاجرین اور انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج کو شامل تھا یہ میزان حرب اور عادات کے ساتھ خاص ہے، اس کا تعلق ان عبادات سے نہیں ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا مشورہ لوگوں کو پہونچاتے تھے۔

(۶) غزوہ بدر میں میزان کی مثال وہ عقود اور بیعت ہے جس کی دفعات کا باریکی سے احترام کرنا یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وحی نازل ہوئی تھی مشورہ کا احترام فرماتے تھے، حضور نے مشورہ میں انصار کی رائے خاص طور پر معلوم کی، کیونکہ بیعت عقبہ میں انصار نے مدینہ میں رہ کر حضور کی حمایت پر بیعت کی تھی، اور یہ جنگ مدینہ سے باہر ہو رہی تھی، اس لئے حضور نے انصار کی موافقت صراحت سے معلوم کرنا چاہی، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہا کہ کیا اللہ کے رسول آپ ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں، حضور نے فرمایا، ہاں، حضرت سعد بن معاذ نے فرمایا ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور یہ گواہی دی کہ جو آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے، اور اسی پر ہم نے آپ سے سننے اور اطاعت کرنے کا عہد و پیمان کیا، اے اللہ کے رسول جو آپ نے ارادہ فرمایا ہے اسے پورا کیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ ہم سے سمندر میں داخل ہونے کا کہیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں داخل ہو جائیں اور ہم میں سے ایک بھی شخص پیچھے نہ رہے، ہم کل دشمن سے ملنے کو ناپسند نہیں کرتے، ہم جنگ میں صبر کرنے والے، دشمن سے جنگ میں سچے ہیں، شاید کہ اللہ ہم سے آپ کو ایسی چیز دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اللہ تعالی کی برکت کے سایے میں چلئے۔(۱)

(۷) غزوہ بدر میں چوتھی میزان رائے وتدبیر، نص قرآنی کا نزول اور جنگ میں دھوکہ دینا، چال چلنا اور کوئی خفیہ تدبیر کرنا۔

جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب بن منذر بن جموح کی رائے کو لشکر کے پڑاؤ ڈالتے وقت قبول فرمایا، ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ جب قریش وادی کے بالائی حصہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ نشیبی حصہ میں اترے تو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالی نے آپ کو یہاں اترنے کا حکم دیا ہے، کیا ہم یہاں سے آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتے، یا رائے، جنگ اور تدبیر ہے، حضور نے فرمایا رائے، حرب اور تدبیر ہے، حضرب حباب بن منذر نے کہا کہ اے اللہ کے رسول یہاں اترنا مناسب نہیں، آپ لوگوں کو لے کر چلیں اور دوسری جانب قائم فرمائیں جو پانی کے نزدیک ہے، وہاں ہم ایک حوض بنا کر پانی سے بھر لیں اور دوسرے تمام کوئیں پر کر دیں، پھر ہم دشمن سے جنگ کریں، ہم پانی پیتے رہیں گے اور انہیں پانی نہیں ملے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے صحیح مشورہ دیا۔

یہاں استدلال اس سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی میزان رائے، مشورہ اور تدبیر کو قرار دیا، یہ تدبیر خیانت سے جدا ہے، تدبیر سے مراد خفیہ وظاہری اسباب کو اختیار کرنا اور جس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو وہاں میزان، سعی وکوشش اور افضل مصلحت کے حصول کے لئے اجتہاد کرنا ہے، لیکن نص کی موجودگی میں نص پر عمل کرنا لازم ہے۔

(۸) مشورہ کے بعد اکثریت کے فیصلہ پر عمل ہی میزان ہے

غزوہ احد میں مشورہ کے بعد اکثریت کی رائے پر عمل ہی میزان ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ قریش کے لشکر سے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر جنگ کی جائے، زیادہ تر لوگوں نے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا، حضور کی رائے بھی مدینہ میں رہ کر لڑنے کی تھی تا کہ شہر کی عمارتوں وگھروں سے قلعہ کی طرح مدد لی جاسکے، حضور نے اکثریت کی رائے قبول کی، صحابہ کرام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے کے بعد حضرت ہمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا، اور کہا کہ: اب ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں، حضور نے فرمایا کہ جب کوئی نبی ہتھیار جنگ پہن لیتا ہے تو بلا جنگ کئے انہیں نہیں اتارتا۔(۱) طبری، ۲۷۹/۷)

اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آ گئی کہ جنگ کی میزان مشورہ پر قائم ہے، اور مشورہ کے مطابق عمل کرنا لازمی ہے، اور سپہ سالار کے لئے اکثریت کی رائے کو نہ ماننا جائز نہیں کیونکہ پھر آزادانہ رائے کے لئے مشورہ کرنا بے سود ہوگا۔(۲) ڈاکٹر اکرم عمری، ۲۵۰/۲)

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سپہ سالار کی میزان مشورہ کے بعد عزم وحزم پر قائم ہوتی ہے، جو کہ قرآن سے ثابت ہے: و شاورهم فی الأمر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين (آل عمران: ۱۴۹) ترجمہ: اوران سے معاملہ میں مشورہ کیجئے، اور جب آپ عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(۹) الف: غزوۂ خندق میں نئے منصوبوں، وسائل اور طریقوں کو اختیار کرنا، اور مشورہ کے بعد دوسروں کے تجربات سے استفادہ کرنا یہ میزان ہے، جب قریش اور قبائل عرب نے بڑی تعداد میں متحد ہوکر مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں اس وقت مقابلہ مناسب نہیں، اس لئے مدینہ کے شمالی جانب ایک خندق درۂ واقم سے درۂ وبرہ تک کھودی جائے، کیونکہ دشمن کے سامنے یہی حصہ کھلا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی، صحابہ کرام نے بھوک اور ٹھنڈ کا احساس نہ کرتے ہوئے یہ خندق کھودی جس کا طول پانچ ہزار گز اور گہرائی نو گز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس میں شریک تھے، حضور اور صحابہ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، جب کوئی بڑی چٹان آجاتی تو صحابہ حضور سے عرض کرتے، اور حضور ہتھوڑا لے کر اسے توڑ دیتے۔(۳) صحیح البخاری مع فتح الباری، ۳۹۶/۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اور مقابلہ ومقاومہ کرنے میں ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی تجدید فرماتے تھے، غزوہ بدر میں حضور نے صف بندی فرمائی، جس سے قریش جو جنگ میں کروفر کے طریقہ سے جنگ کرتے تھے حیرت زدہ ہوگئے، غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کی صورت میں گھروں اور قلعوں سے حفاظت کا منصوبہ بنایا، لیکن جب اکثریت کی رائے کو اختیار فرمایا تو جنگ کا ایک مستحکم نقشہ بنایا، احد پہاڑ کو لشکر اسلام کے پس پشت کیا، اور چہرے مدینہ کی طرف رکھے، اور اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں دشمن کے سوار پیچھے سے حملہ آور نہ ہوں، احد پہاڑ کے درے پر پچاس تیرانداز مقرر فرمائے، لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری نہیں کی تو نقصان ہوا۔(۱) فتح الباری، ۱۳۶/۶)

غزوۂ احزاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جدید پلان ومنصوبہ پر عمل کیا آپ نے خندق کھود کر مدینہ سے دشمن کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

ب: کامیاب قیادت کی میزان یہ ہے کہ قائد ورہبر اس کا اہتمام رکھے کہ وہ لوگوں کے لئے قدوہ ونمونہ ہو اور ہر کام میں آگے رہے، اور ہر

صورتحال میں مشورہ کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تھے۔

ج: بے پایاں جذبہ وحوصلہ اور جنگ میں بلند پایہ معنویات کی میزان وہ بشارت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے وقت صحابہ کرام کو دی کہ عنقریب شام، ایران اور یمن کے علاقے فتح ہوں گے۔

د۔ جنگ میں دشمن کو دھوکہ وفریب دینے کی میزان

نعیم بن مسعود غطفانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں لیکن میرے قبیلے غطفان کو اس کا علم نہیں، اب آپ کا جو منشا ہو مجھے حکم دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایک شخص ہو تم مشرکین کی صفوں میں انتشار پیدا کر سکتے ہو، کیونکہ الحرب خدعۃ جنگ مغالطہ کا نام ہے (ا) المعجم الکبیر ۳۶۳۷۔ ابن حبان ۳۳۷)

نعیم بن مسعود پہلے یہود بنوقریظہ کے پاس پہونچے اور یہود کے خیر خواہ بن کر قریش اور احزاب کے خلاف ان کو بھڑکاتے ہوئے کہا کہ یہ شہر تمہارا ہے، اس میں تمہاری اولاد اور املاک ہیں یہ عرب قبائل کر وفر والی جنگ لڑنے کے عادی ہیں، اگر محاصرہ طویل ہوا تو یہ اپنے اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم محمد (ص) کے رحم وکرم پر ہوگے، بنوقریظہ کے یہودیوں نے نعیم کے مشورہ کو قبول کیا، پھر نعیم قریش کے پاس پہونچے اور کہا کہ میں تمہارا ہی خواہ ہوں، اس لئے تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، یہودی محمد (ص) کے ساتھ اپنے برتاؤ پر نادم ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ندامت کی اطلاع دے کر کہا ہے کہ ہم قریش اور غطفان اشراف کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو تیار ہیں، نعیم نے بنوغطفان سے بھی یہی کہا۔

ابوسفیان اور رؤساء غطفان نے ایک وفد یہودیوں کے پاس بھیجا، اور انہیں جنگ پر آمادہ کیا، بنوقریظہ نے جو جواب دیا اس میں یہ بھی کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک کہ تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس رہن نہ رکھو، ان قبائل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، اس طرح دشمنان اسلام آپس میں ہی تفرقہ اور انتشار کا شکار ہوگئے۔ (ا) سیرۃ ابن ھشام ۲، ۲۳۰/۲۲۹، البدایۃ والنھایۃ ۴، ۱۱۳)

الحرب خدعۃ جنگ مغالطہ کا نام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں دھوکہ دیکر کر مغالطہ میں ڈالنے کی اجازت دی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ میں دشمن کو جیسے بھی ممکن ہو دھوکہ دیا جا سکتا ہے، سوائے اس کے کہ کسی عہد و پیمان یا امن کے عہد کو توڑا جائے، یہ جائز نہیں ہوگا، حدیث سے ثابت ہے کہ تین جگہ جھوٹ بولنا جائز ہے ان میں سے ایک جنگ ہے۔ (ا) شرح مسلم النووی ۴۵/۴۳)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کسی چیز کے اظہار اور اس کے خلاف اخفاء کو خداع کہتے ہیں اس میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ جنگ میں احتیاط کو ملحوظ رکھیں اور جو یہ احتیاط نہیں رکھے گا وہ معاملہ برعکس ہونے سے محفوظ نہیں رہے گا، دشمن سے احتیاط رکھنا مستحب ہے۔

حدیث میں رائے وتدبیر کرنے کا اشارہ ہے بلکہ اس کی ضرورت بہادری وشجاعت سے زیادہ ہے۔ (فتح الباری ۶، ۱۴۹)

ابن عربی فرماتے ہیں جنگ میں خداع غیر صریح الفاظ کو استعمال کر کے یا کمین گاہ وغیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ہ۔ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے جنگ احزاب میں دشمن کی ناکامی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر اب حملہ نہیں کریں گے''، یہ بھی ایک میزان ہے، جو دفاع سے ہجوم کی طرف حکمت عملی اور نقطہ نظر کو واضح کرتی ہے، میزان ہجوم، میزان دفاع سے اپنے شروط، ضوابط اور موارد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔

۱۰۔ صلح حدیبیہ میں بھی ہم کو عظیم موازین ملتی ہیں:

حتی الامکان صلح و نرمی اور فراخ دلی و چشم پوشی صلح کی میزان ہوتی ہے، اور صلح میں اصول و مبادی کے علاوہ طرفین اپنے حقوق سے دست بردار ہونے پر تیار ہوں اور انجام کو وقتی فائدہ پر ترجیح دیں، اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالی نے اس صلح کو فتح قرار دیا، عقل کی میزان کو، جذبات واحساسات و مذہبی علامات پر اور صلح کو جنگ کی میزان پر مقدم کیا، جبکہ اس صلح میں بظاہر بعض شگاف وسوراخ نظر آرہے تھے، اسی طرح جنگ کی میزان میں ان تمام وسائل اور ذرائع کو استعمال کیا جاتا ہے جو دشمن کو کمزور کریں، اور تنگی و پریشانی میں مبتلا کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہزار چار سو صحابہ کے ساتھ احرام باندھ کر تلبیہ کہتے ہوئے عمرہ کے قصد سے نکلنا، اس نے قریش کو دشواری و پریشانی میں مبتلا کر دیا کیونکہ اس سے یہ بات ظاہر و باہر ہوگئی کہ قریش بیت اللہ شریف کے حج وعمرہ وغیرہ سے روکتے ہیں۔

صلح حدیبیہ سے سیاست رشیدہ کی طرف بھی رہنمائی ہوئی کہ قائد ورہبر کو میزان عمل میں فاعل اور محرک ہونا چاہئے، جو مقصد ومنصوبہ ہو اس کے مطابق حالات کو موڑنا چاہئے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے مسئلہ کو ایک عظیم صلح میں تبدیل کر دیا جسے اللہ تعالی نے فتح مبین قرار دیا، کیونکہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی قبائل سے معاہدے کرنے، دعوت کو پھیلانے اور بقیہ اعداء اسلام کے لئے یکسوئی سے کارروائی کرنے کا موقع فراہم ہوا، کیونکہ قریش جو اپنی فصاحت، بلاغت، مقام ومرتبہ اور تنظیمی صلاحیتوں میں مشہور تھے اب غیر جانبدار اور کنارہ کش ہوگئے تھے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ چھٹی ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور کے ساتھ ڈیڑھ ہزار صحابہ تھے جبکہ دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

اس سے یہ بات بھی آشکارا ہوگئی کہ بحیثیت مبدأ صلح کا وزن اسلام میں جنگ وقتال سے زیادہ وقوی ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اس کا نام فتح رکھا ہے(۱) بخاری شریف، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس مذہب میں اصل دعوت اور اس کی تبلیغ واشاعت ہے، قرآن نے اسے جہاد کبیر کہا ہے و جاهدهم به جهادا كبيراً (فرقان:۲۹) ترجمہ: اور ان سے اس قرآن کے ذریعہ بڑا جہاد کیجئے۔

قرآن کریم میں جہاد کا وصف اس صفت کے ساتھ اس وقت نظر آتا ہے جب دعوت وتبلیغ اور دین کی نشر واشاعت میں جدوجہد کا ذکر ہو، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ کا وزن دوسری چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

صلح حدیبیہ سے مستنبط موازین میں سے ایک میزان یہ بھی ہے کہ جب کوئی موقع ملے تو اسے ضائع کئے بنا استعمال کرنا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک وامراء کو اسلام کی طرف دعوت کے خطوط لکھے، آپ نے قیصر، کسری، مقوقس اور دوسرے امراء کو اس لئے خطوط تحریر فرمائے تاکہ اسلام کی عالمی دعوت ظاہر ہوجائے، ملوک وامراء کو تحریر کردہ ان خطوط سے مندرجہ ذیل موازین کا استنباط ہوتا ہے۔

(الف) دعوت کی میزان اور اس کے وسائل بہت ہیں یہ وسائل تطویر، تغییر اور تجدید کو قبول کرتے ہیں، یہ تعبدی شعائر دینیہ سے مختلف ہیں جن میں زیادتی اور تغیر جائز نہیں ہے، امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم ہرقل کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ شہنشاہ روم آپ کا خط اس وقت تک نہیں پڑھے گا جب تک کہ وہ مہر بند نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔

(ب) دعوت کی میزان میں حکمت ودانش اور جن کو دعوت دی جارہی ہے ان کے مرتبہ ومقام اور زمان ومکان اور احوال کا خیال رکھا جاتا ہے،

امام بخاریؒ نے اس خط کا مضمون ذکر کیا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل روم کے بادشاہ کے نام لکھا تھا ''اے اہل کتاب آؤ ایسی کتاب کی طرف کہ برابر ہے ہم میں اور تم میں، یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی پرستش نہ کریں، اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں، اور نہ بعض ہم میں سے خدا تعالی کے سوا کسی اور کو رب قرار دیں، اب اگر وہ منھ پھیریں تو کہو گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں'' یا أهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم ألا نعبد الا الله و لا نشرك به شيًا و لا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون ۔ (بخاری مع فتح الباری، ۱۰/۳۲۳)

حضور پرنور کے اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ دعوت ترازو کے دو پلّوں پر قائم ہوتی ہے: ایک حق کا بیان اور حکمت کا لحاظ وخیال۔

پھر بیان حق کے پلّہ میں اسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين وان تولیت فان علیک اثم العریسین ترجمہ: اسلام قبول کرو گے تو بچ جاؤ گے اور اگر تم منھ پھیرو گے تو تمام رعیت کا گناہ تم پر ہوگا، اور حکمت کے پلّہ میں اس کو عظیم روم کہہ کر مخاطب کیا گیا اور والسلام کہہ کر سلامتی کی دعا دی گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک میں آیت کریمہ علی من اتبع الھدی (جس نے صحیح راستہ کی پیروی کی) یہ کوئی تعریض یعنی غیر صریح الفاظ میں کوئی اشارہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام میزان ہے جس میں بھی یہ وصف پایا جائے گا وہ اس میں داخل ہوگا، یہ بھی میزان کا ایک پلّہ ہے جو حکمت پر مشتمل ہے، اس لئے کہ وہ گمان کر سکتا تھا کہ وہ ہدایت کے پیروکاروں میں سے ہے۔

اسی کے ساتھ یہ جملہ اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اشخاص حق وہدایت سے خالی ہوتے ہیں، لیکن اشخاص کو حق وہدایت کی اتباع وپیروی سے پہچانا جاتا ہے، اس کے برعکس نہیں ہوتا۔

میزان حکمت کے پلّہ سے متعلق یہ بھی ہے کہ حضور نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ہے، اس میں حضور نے اپنے ملک، قوت اور یہ کہ وہ مدینہ واطراف مدینہ کے حاکم ہیں، اسے تواضعاً نہیں لکھا اور اس لئے بھی کہ کہیں بادشاہ دھمکی اور قوت وطاقت کا اظہار نہ سمجھ لے، یہی انبیاء کرام وداعیان دین کا مقام ومرتبہ ہوتا ہے۔

حکمت کے پلّہ میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے کلام میں ترغیب وترہیب دونوں ہیں، ترغیب اس طرح کہ اسلام لانے کی صورت میں اجر دوگنا ملے، اور ترہیب اس طرح کہ اسلام نہ لانے کی صورت میں رعایا اور متبعین کا گناہ گردن پر ہوگا۔

حکمت کے پلّہ میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اریسیین'' کا لفظ استعمال فرمایا اس کے مختلف معانی ہیں، ان میں سے راجح قول یہ ہے کہ یہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جس کی نسبت اُریوس کی طرف کی جاتی ہے جو چوتھی صدی ہجری میں ظاہر ہوا، اور تثلیث کی تردید کی، یہ فرقہ اہل توحید میں سے ہے جیسا کہ امام طحاوی نے ذکر فرمایا ہے۔ (۱) فتح الباری، تاریخ طبری، ۱/۱۳۵)

اس میں یہ حکمت ہے کہ اریسیین کہہ کر ہرقل کو یہ بتلانا تھا کہ جس توحید کی میں دعوت دے رہا ہوں وہ انبیاء اور تمہاری رعیت کے موحدین کا دین ہے، اب اگر تم ایمان نہیں لاتے، اور تمہاری قوم تمہاری اتباع کرتی ہے تو تم اللہ تعالی کے سامنے اور اپنے متبعین کے سامنے ذمہ دار ہوگے۔

حکمت کے پلّہ میں آیت کریمہ کا ذکر جس میں یہ دلالت ہے کہ ''ہرقل'' اہل کتاب میں سے ہے، یہ ہرقل کی تعریف ہے، اس طرح اس میں یہ دلالت بھی ہے کہ تمام آسمانی مذاہب اصول دین میں متحد ہیں، اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہیں ''کلمۃ سواء'' کہہ کر اسلام اور

اہل کتاب کے درمیان مزید قربت کی طرف بلایا گیا ہے کہ عقیدہ، اخلاق اور تشریعی قوانین کے مشترکہ اصول اس تقارب کا سبب ہیں۔

حکمت کے پلّہ میں ''تعالوٗ'' کلمہ دو مقصود معانی کی طرف اشارہ کرتا ہے (۱) ان مشترکہ اصول کی طرف آؤ اور آگے بڑھو (۲) بلندی اختیار کرو، کیونکہ اختلافات کو چھوڑ کر حق کو اختیار کر کے اور مشترکات پر عمل پیرا ہو کر بلندی و رفعت اور ترقی و عظمت کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۱۱) فتح مکہ مکرمہ میں بھی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے بہت سے واقعات پاتے ہیں جن میں فقہ الکتاب اور فقہ المیزان کے تطبیقی پہلو اجاگر ہوتے ہیں، ان میں سے:

الف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے صلح حدیبیہ کی تمام شرطوں کا مکمل احترام کیا، لیکن قریش نے مسلمانوں کے حلیف خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنی بکر کی ہتھیار و اشخاص سے مدد کی اور معاہدہ توڑ دیا، عمرو بن سالم خزاعی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی، حضور نے فرمایا، نُصرتَ یا عمرو بن سالم (اے عمرو بن سالم تیری مدد کی گئی) حضور نے اپنا ایک قاصد قریش کے پاس بھیجا کہ حسب ذیل شرائط میں سے کوئی شرط قبول کر لیں۔

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیں۔

۳۔ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے تیسری شرط مان لی، مگر بعد میں پشیمان ہوئے، اور اس زود پشیمانی کا مداوا کرنے کے لئے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا، صلح کی بحالی کے لئے گفت و شنید ہوئی لیکن بے نتیجہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید معاہدہ سے انکار کر دیا، ابوسفیان کی روانگی کے بعد آپ نے مکہ روانہ ہونے کا اعلان فرما دیا اور راز داری کی تلقین فرمائی۔

ب: فتح مکہ کے لئے روانہ ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات میں ہم کو ایک میزان اور نظر آتی ہے کہ آپ نے صحابہ کو مکمل راز داری رکھنے کا حکم دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کو اس وقت تک خبر نہ ہو سکی جب تک کہ مکہ کے پہاڑوں کے دامن میں دس ہزار کا یہ لشکر نہ پہونچ گیا۔

ج: یہ ایک میزان اور نظر آتی ہے کہ سابقین فی الاسلام اور شرکاء غزوہ بدر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص برتاؤ رہا، واقعہ یہ ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کو ایک خط لکھ کر قریش کے پاس بھیجا، اللہ تعالی نے آپ کو صورتحال سے آگاہ کر دیا، آپ نے حضرت علی، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن اسود کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا، انہوں نے عورت سے وہ خط لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے حاطب کو بلا کر ایسا کرنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، لیکن میرا نہ کوئی قبیلہ ہے اور نہ کوئی خاندان، میرے بال بچے اور اہل خانہ انہی لوگوں میں موجود ہیں اس لئے میں نے ان کے اور اپنے درمیان ایک معاملہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہا کہ یہ شخص منافق ہو گیا ہے، مجھے اس شخص کی گردن مارنے دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو معاف کر دیا اور حضرت عمر سے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم اے عمر اللہ تعالی نے اصحاب بدر کے لئے فرمایا ہے کہ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم (تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی) (۱) بخاری مع الفتح ۴۲۷۴)

اس واقعہ سے سابقین فی الاسلام اور غیر سابقین فی الاسلام کی موازین کا فرق ظاہر ہو گیا، اور جو شخص شدت کے وقت، دعوت یا

حکومت کے ساتھ کھڑا ہو،اس کی وفاداری کی اہمیت بھی ظاہر ہوگئی۔

د: ایذاء رسانی اور جنگ وقتال کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ جو احسان وکرم کا معاملہ فرمایا وہ دعوت، رحمت، معافی ودرگزر کی اعلیٰ میزان ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا میں وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم و هو أرحم الراحمين (سيرة بن هشام ،۲ /۴۱۳) ترجمہ:تم پر آج کوئی الزام نہیں،اللہ تعالی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے

ھ: مکان زمان اور احداث وواقعات سے مرتبط احکام میں تغیر کی میزان مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اعلان فرمایا، فتح کے یا فتح مکہ کے بعد اب ہجرت نہیں ہے،لیکن جہاد ونیت ہے، جب تم سے نکلنے کو کہا جائے تو نکلو۔(بخاری رقم ۳۷۸۳)

امام بخاری وامام مسلم نے اپنی اپنی سند سے حضرت عطا بن ابی رباح سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے عبید بن عمیر اللیثی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اور ہم نے ان سے ہجرت کے بارے میں سوال کیا،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ’’آج کے بعد ہجرت نہیں،فتنہ کے خوف سے مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے تھے،لیکن اب اللہ تعالی نے اسلام کو غلبہ دیدیا ہے،اور مسلمان جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرسکتا ہے،اب صرف جہاد ونیت ہے۔(بخاری حدیث ۳۹۰۰،مسلم رقم ۱۸۶۴)

و: ضعف وقوت کے اوقات کی موازین:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قیام مکہ کے زمانہ اور عمرۃ القضاء میں اپنی آمد کے وقت بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی، بیت اللہ شریف میں ۳۶۰ رکھے ہوئے بتوں کو ہٹانے کا آپ نے صحابہ کرام کو کوئی حکم نہیں دیا، کیونکہ اس وقت آپ کو وہ قوت وطاقت حاصل نہیں تھی کہ آپ دائمی طور پر یہ کام کرواسکتے،لیکن فتح مکہ کے وقت آپ نے ان بتوں کو اپنی نگرانی میں ایک ایک کر کے ہٹوایا، آپ یہ ارشاد بھی فرماتے جاتے تھے:قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (بخاری مع الفتح،۱۱۸/۵، مسلم ۲ /۹۵-۹۷) ترجمہ: دین حق آ گیا اور باطل چلا گیا باطل تو جانے والا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جاہلی رسم ورواج اوطور طریقے ختم فرمادیئے،صرف حجاج کو پانی پلانا اور بیت اللہ شریف کی خدمت و نگہداشت کے کام کو باقی رکھا،اس طرح آپ نے معاہدہ،حق کی نصرت ومدد اور صلہ رحمی کے تمام طریقوں کو بھی باقی رکھا۔

(۱۲) حضور کے دوسرے تصرفات:

جنگ وجہاد سے متعلق محدثین نے کتب احادیث میں بہت سے ابواب باندھے ہیں جن کی تطبیق ابواب جہاد کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوسکتی مثلاً بخاری شریف میں جہاد سے متعلق ۱۹۹ ابواب ہیں،جن میں غنیمت اور خمس سے متعلق ۲۰ ابواب، جزیہ اور دلوں میں الفت ومحبت کے فروغ سے متعلق ۲۲ ابواب ہیں،انہی ابواب میں جہاد کے اعلان،عورتوں کی جنگ میں شرکت،ان کا مردوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شرکت کرنا،مشکیزہ لے کر مجاہدین کو پانی پلانا، زخمیوں کی تیمارداری کرنا، جنگ میں چوکیدار کے فرائض انجام دینا،مختلف کام انجام دینا، زخمیوں اور مقتولین کو مدینہ منورہ لانا ابواب بھی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو شریعت کی حدود سے محدود اور اخلاق وکردار کی قیود سے مقید کیا، بتلایا کہ جہاد خود کوئی مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد کے حصول کا محض ایک وسیلہ ہے،آپ نے بقدر ضرورت ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دی،عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا،

جنگ میں شریک مقاتل عورتوں کے قتل کی اجازت دی، جنگ میں مقاصد جنگ کی تکمیل کے لئے جنگی داؤ پیچ استعمال کرنے کی اجازت دی، دشمن سے بدعہدی اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا،لیکن فرمایا الحرب خدعۃ (بخاری۲/۱۱۰۲،مسلم۳/۱۳۶۱)

مال غنیمت اور جنگی قیدیوں کے اصول وضوابط مقرر فرمائے، جنگ میں تنازع اور خلاف سے منع فرمایا، جنگی مجرمین کو قتل کرنے، قیدیوں کے چھڑانے ،مشرکین کو فدیہ لے کر رہا کرنے، وفود کا استقبال کرنے وغیرہ کے احکام منضبط فرمائے ،ان کا تعلق دعوت وصلح اور امن سے نہیں ہے، یہ تمام چیزیں میزان حرب میں داخل ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد مقصود لعینہ نہیں بلکہ مقصود لغیرہ ہے، تاکہ دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

(۱۳) جنگ میں فخر، بڑائی اور اتراہٹ کے جواز کی میزان:

جنگ میں فخر، بڑائی اور اتراہٹ کے جواز کی میزان، امام احمد بن حنبل، ترمذی، نسائی وغیرہ نے اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فخر و بڑائی کو کبھی اللہ پسند فرماتا، اور کبھی اسے ناپسند ومبغوض فرماتا ہے، پسندیدہ فخر ومباحات جنگ میں ہوتی ہے، یہاں حکم میں تغیر وتبدیلی میزان کے مطابق ہوئی۔

یہ سب چیزیں فقہ الکتاب اور فقہ المیزان سے متعلق ہیں، ہم نے جو بیان کر دیا ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات، اور آپ کی پاک سیرت اور آپ کے تمام مبارک اعمال وافعال کا دارومدار فقہ الکتاب وفقہ المیزان پر ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صادر کردہ تمام احکام بھی فقہ المیزان ہیں کیونکہ یہ احکام قرآن کا بیان ہیں جو قرآن میزان حق ہے، جسے میزان کے اثبات کے لئے اتارا گیا ہے، ہماری یہ کتاب اسی میزان کی شرح سے متعلق ہے، ہم اللہ تعالی سے مدد وتوفیق و نصرت وصحیح راستہ کے طالب ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کی میزان:

یہ بات واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف حالات تھے، بشریت کے تقاضے سے آپ کھاتے پیتے تھے، راضی ہوتے، غصہ ہوتے اور بھولتے بھی تھے، آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں ایک انسان ہوں اسی طرح راضی وخوش ہوتا ہوں جس طرح انسان راضی وخوش ہوتا ہے، اور اسی طرح غصہ ہوتا ہوں جس طرح کہ ایک انسان غصہ ہوتا ہے(۱)

ایک حدیث میں فرمایا میں بھی بھولتا ہوں جیسا کہ تم بھولتے ہو۔(۲) مسلم حدیث ۱۶۳۰)

اس حالت کی ایک میزان ہے جو عوارض اور بشری تصرفات پر قائم ہے، اس کے علاوہ اللہ سبحانہ وتعالی نے رسول اور مبلغ ہونے کی وجہ سے آپ کی حفاظت فرمائی ہے، بشری تقاضے سے کسی کام کو دلیل شرعی اسی وقت بنایا جائے گا جبکہ شرعی دلیل پائی جائے۔

اس کے علاوہ جو کچھ حضور سے روایت کیا گیا اور کتب حدیث میں مدون کیا گیا اس کی دو قسمیں ہیں:

اول: اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی رسالت کی تبلیغ کرنا جیسے علم آخرت، غیب، عبادتوں کا بیان اور ان کے احکام، اور تمام احکام تکلیفیہ ان کی خاص میزان ہے ان میں وجوب، مستحب، مباح، تحریم، کراہیت وغیرہ داخل ہیں، ان کے علاوہ احکام وضعیہ ہیں جیسے سبب، شرط، صحت، بطلان، عزیمت ورخصت وغیرہ۔

دوم: دوسری قسم وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور اجتہاد پر مبنی احکام ہیں، یہ احکام نبی، امام اور قاضی کی حیثیت سے ہیں، ان

تمام حالات کی الگ الگ ایک میزان ہے۔

حضور ﷺ کے تصرفات میزان سیاست پر قائم تھے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی تصرفات کی میزان کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے بارے میں احکامات شرعیہ کا نزول ہوا ہے جیسے غنیمت، فیئ اور معاہدین کے ساتھ برتاؤ، ان میں حضور نصوص قرآنی کی پابندی فرماتے اور حسب ضرورت اجتہاد فرماتے تھے۔

مصالح کی رعایت اور مفاسد سے گلوخلاصی کی دو اقسام ہیں:

الف: جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد سیاست شرعیہ کی میزان، ان میں سے بعض موازین کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ب: حالت امن میں سیاست شرعیہ کی میزان، اس دوسری قسم کی ہم کچھ تشریح کرتے ہیں۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے لئے صدقات کے اموال میں سے لوگوں کو مال دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اجتہاد کے ذریعہ یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ حضور نے تالیف قلب کے لئے صدقات میں سے جو کچھ دیا، وہ اسلام کی تقویت اور مصلحت عامہ کو دیکھتے ہوئے دیا، لیکن اب حالات بدل گئے ہیں، اسلام کو تقویت وقوت حاصل ہوگئی ہے، اس لئے اب تالیف قلب کے لئے دینے کے ضرورت باقی نہیں رہی، بلکہ یہ رقم اب اسلام اور مسلمانوں کے دوسرے منفعت بخش کاموں میں صرف ہونا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تصرف میں تالیف قلب سے متعلق نص قرآنی سے کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق سیاست شرعیہ کی میزان، تحقیق المصالح اور درء المفاسد سے ہے، اس میزان کا تعلق عدم وجود دونوں اعتبار سے مصالح حقیقیہ سے ہے۔

۲۔ حرمت شراب کے بعد شراب کے برتنوں کو توڑنا، احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ شراب کی حرمت قطعی کی آیت کے نزول کے بعد حضور نے شراب کو بنانے اور شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ (بخاری ۷/۹۲-۹۳/ ترمذی حدیث رقم ۱۲۹۳)

جبکہ مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔ (بخاری ۸/۴۲۴۸)

لیکن یہاں یہ حکم سیاست شرعیہ سے تعلق رکھتا ہے تاکہ سختی سے اس چیز سے روکا جائے جس کے عرب ایک مدت دراز سے عادی تھے اور ان کا اس سے تعلق ختم کیا جائے، خاص طور سے حکم شرعی کے آغاز میں، جبکہ شراب کو پھینک کر برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جا سکتا تھا، اور ان سے استفادہ کیا جا سکتا تھا، توڑنے کے حکم کا تعلق سیاست شرعیہ سے تھا۔ (۲) فتح الباری ۵/۱۲۲)

۳۔ مانعین زکوٰۃ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نصف مال لینا

امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے اپنی اپنی سند سے بہتر بن حکیم سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چرنے والے اونٹوں میں چالیس اونٹ پر ایک بنت لبون زکوٰۃ میں دینا ہوگی وہ اونٹنی جو تیسرے سال میں لگی ہو، جس نے زکوٰۃ میں دودھ دینے والی یہ اونٹنی دی اور اجر وثواب کی امید رکھی تو اسے اس کا اجر ملے گا۔

اور کسی نے اگر زکوٰۃ نہیں دی تو ہم زکوٰۃ کے ساتھ اس کا آدھا مال بھی زکوٰۃ میں لے لیں گے یہ ہمارے پروردگار کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ ہے، اس مال میں سے آل محمد کو کچھ نہیں ملے گا۔ (احمد ۲۰۰۱۶/ابوداؤد ۱۵۷۵/ نسائی ۲۴۴۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصرف یعنی مانعین زکوٰۃ پر یہ مالی جرمانہ زجر وتوبیخ اور زکوٰۃ کو بلا تاخیر ادا کرنے کے لئے ایک سیاسی تدبیر تھی، یہ کوئی عام تشریعی حکم نہیں تھا، بلکہ حاکم کو یہ جرمانہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اپنے زمانے کے حالات ومصالح کو دیکھ کر کرنے کا اختیار ہے۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کے منافقین اور خصوصیت سے ان کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور ان کو معقول سزا نہ دینا بھی ایک سیاسی عمل تھا، منافقین کا یہ قول: یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الأعز منه الأذل (مسلم ۱۷۵۲)
ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔

کھلا کفر اور صریح ارتداد تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سزا نہیں دی، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم اس خبیث کو قتل نہ کر دیں، (ان کی مراد منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول سے تھی) حضور نے اس سے درگزر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، حضور نے منافقوں کو ان سیاسی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے سزا نہیں دی جن کا تعلق خاص فقہ المیز ان سے ہے، جن میں مصالح کے ساتھ انجام پر بھی نظر رکھی جاتی ہے۔

۵۔ اگر کوئی مجاہد مال غنیمت میں خیانت کرے تو غنیمت میں سے اس کا حصہ روک لیا جائے گا، بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کو حق ہے کہ وہ غنیمت میں خیانت کی شکل میں مجاہد مقاتل کو اس کا حصہ نہ دے۔ (بخاری ۳۵۱۸/ مسلم ۲۵۸۴/ ترمذی ۳۲۱۵ وغیرہ)

۶۔ مصلحت کے پیش نظر قاتل کو مقتول کا چھینا ہوا مال دیا جائے گا، بعض فقہاء نے قاتل کو مقتول کا سلب کیا ہوا مال دینے میں امام کی اجازت کی شرط لگائی ہے، اور بعض نے اس حق کو عام رکھا ہے، اختلاف کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے اگر کسی نے کسی کو قتل کیا اور اس کے پاس اس کی دلیل ہے تو اس کا سلب کیا ہوا مال اس کا ہے، یہاں امام کے حکم سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے، یا اس کا تعلق تبلیغ یا عام تشریع سے بھی ہو سکتا ہے۔ (کتاب الاجتہاد والفتوی اھمیتھا ص ۲۷ و مابعد)

جو بھی اختلاف ہو امام مسلم نے اپنی سند سے عوف بن مالک اشجعی سے یہ روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا کہ حمیر قبیلہ کے ایک شخص نے دشمن کے ایک شخص کو قتل کیا، اور اس کا مسلوبہ مال لینا چاہا، حضرت خالد بن ولید جو اس وقت امیر تھے انہوں نے مسلوبہ مال دینے سے انکار کر دیا، عوف بن مالک نے واپس آ کر حضور سے واقعہ بیان کیا، حضور نے حضرت خالد سے پوچھا کہ اس کا مسلوبہ مال دینے سے تمہیں کس چیز نے روکا، حضرت خالد نے فرمایا کہ مجھے وہ مال بہت زیادہ لگا، پہلے تو حضور نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ وہ مال قاتل کو دیدیں لیکن پھر آپ کی رائے ہوئی کہ اس طرح امراء کے خلاف جرأت پیدا ہوگی، آپ نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ مسلوبہ مال اس شخص کو نہ دیں، اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ مسلوبہ مال کا فیصلہ امام کے اختیار میں ہے۔

امام خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مسلوبہ مال تھوڑا یا زیادہ جو بھی ہو وہ قاتل کا حصہ ہے، اس میں پانچ حصے نہیں کئے جائیں گے، پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو حکم دیا کہ باوجود زیادہ ہونے کے وہ مال قاتل کو دیدیں، پھر حضرت خالد کو مال دینے سے منع فرمایا، تاکہ لوگ ائمہ کے خلاف جرأت مند نہ ہوں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ مجتہد تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتہاد کو نافذ فرمایا، کیونکہ اس میں عام مصلحت تھی، لیکن حضرت خالد کو پہلے ان کی غلطی پر تنبیہ بھی کی، یہاں امر خاص کا احاطہ امر عام نے کیا ہے اور زیادہ نفع وصلاح کے حصول کے لئے تھوڑا نقصان برداشت کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ قیدیوں کو احسان کرتے ہوئے بلا فدیہ، یا فدیہ لے کر چھوڑ نا بھی راجح مصلحت پر منحصر ہے اسی قبیل سے مسلمان یا غیر مسلمان مواطنین کو قید سے چھوڑنے کا حکم ہے۔ (فتح الباری ۶/۱۱۷/۴)

۸۔ جزیہ: مال کی ایک مقررہ مقدار جو حکومت کو ادا کی جائے، جزیہ ایک علامتی ٹیکس ہے جسے حکومت کے اعتراف، اس کے حقوق، محبت

وفاداری اور اطاعت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، مثلاً ایک دینار سالانہ تقریباً اس شخص سے لیا جاتا ہے جو کام کرتا اور نفع حاصل کرتا ہو جس کے بدلہ میں حکومت اسے امن وامان سے رہنے اور تکافل اجتماعی کی ضمانت دیتی ہے، تقریباً یہی معنی فقہاء اسلام نے جزیہ کے بیان فرمائے ہیں، شیخ الحصنی الشافعی نے فرمایا ہے کہ جزیہ باہمی رضامندی سے لیا جاتا ہے، اس لئے کہ غیر مسلموں کو اپنے ملک میں رہنے دیتے ہیں۔(۱)

اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے اس کی مقدار میں مصالحت اختیار کی ہے، اور حسب مصلحت اس کی تحدید میں کمی وزیادتی کی جاسکتی ہے، اس لئے جزیہ میزان مصالح کے تابع ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ کے تین درجات مقرر فرمائے تھے، مالدار، متوسط، فقیر۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد جزیہ دینے والے کی طاقت پر مبنی تھا، اسی وجہ سے ابوعبید نے فرمایا کہ ''جزیہ اور خراج اہل ذمہ کی طاقت پر منحصر ہے''(۲) فقہ اسلامی نے جزیہ کے نام میں بھی وسعت اختیار کی ہے، یہ بھی جائز ہے کہ ہم جزیہ کو زکوٰۃ کے نام سے موسوم کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنی تغلب سے صحابہ کرام کی موجودگی میں ان کی رضا ورغبت سے زکوٰۃ سے دوگنے پر مصالحت کی (۳) اگر آج ہم اس کا نام ٹیکس رکھ دیں تو کوئی مانع نہیں ہوگا، یہ ٹیکس اہل ذمہ کو فوج میں خدمت اور زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے، اگر اہل ذمہ فوجی خدمات انجام دیں گے تو ان پر جزیہ نہیں ہوگا، اسی طرح شہریت ووطنیت کے مفہوم میں بھی جزیہ کو لیا جاسکتا ہے کہ اسے شہریت کا پروانہ متقابل حقوق کے بدلہ میں دیا جائے۔

۹۔ بلا جزیہ کے غیر مسلموں کے ساتھ صلح: بعض ائمہ کرام نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں یہودیوں سے بغیر جزیہ کے صلح کی۔(الشافعی فی الأم،۴۰۲)

اسی طرح حضور نے اہل مدینہ سے جو صلح کی اس وثیقہ میں جزیہ کا کوئی نمبر نہیں تھا، ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے گورنر ہوئے تو اہل مصر نے ان سے کہا کہ جو معاہدہ اور صلح ہو وہ بلا جزیہ کے ہو، حضرت عبداللہ نے اسے قبول فرمایا۔(طبقات ابن سعد۲۰۵)

۱۰۔ سیاست شرعیہ کی خاص میزان میں مطلقاً سفراء کو قتل نہیں کیا جائے گا، جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کا خط لے کر عبداللہ بن نواحہ اور ابن اثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، حضور نے ان دونوں سے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، حضور نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں اس کے بعد سے یہ سنت رائج ہوگئی کہ سفراء کو قتل نہیں کیا جائے گا(۱) احمد فی مسندہ۱۳۰۹/۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ دونوں نے حضور سے سوال کیا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ حضور نے فرمایا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں سفراء کے وفد کو قتل کرسکتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔(ابن حبان حدیث ۴۸۸۹)

کسی سفیر یا پیامبر کو اسلام میں قتل نہیں کیا جاتا، چاہے وہ کتنا ہی برا سلوک کرے یا مرتد ہو جائے، یہ اس وجہ سے کہ دشمنوں سے خط و کتابت جاری رہے، یہ مصلحت دوسری مصالح پر فوقیت رکھتی ہے، اس سے یہ بات پتہ چلی کہ سفراء وقاصدوں کی میزان بقیہ موازین سے مختلف ہے۔

۱۱۔ تعزیر، مالی سزائیں اور تہمت والزام میں قید وبند یہ سب سیاسی شرعی موازین کے تحت ہے جس میں سزا کی مقدار ونوعیت کا لحاظ کرتے

ہوئے یا معاملہ کرتے ہوئے مصالح کی تحقیق اور مفاسد کے دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔(۱) الموسوعۃ الفقھیۃ۔

۱۲۔ بعض حالات میں مالی جرمانہ دوگنا ہوتا ہے، اور بعض حالات میں چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

الف: جیسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگر کوئی ضرورت منداس میں سے کچھ کھالے لیکن لے کر نہ جائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اسے لے کر جائے گا تو اس پر اس کے برابر جرمانہ بھی ہوگا اور سزا بھی ہوگی۔(۱) رواہ احمد حدیث ۳۸۳۷)

یہ مالی تاوان سیاست شرعیہ میں داخل ہے، امام احمد، نسائی، ابن ماجہ نے اپنی اپنی سند سے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور دادا سے روایت کیا ہے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پھلوں کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا: اگر کسی نے کھجور کے خوشے توڑے تو اس کی قیمت اور اس کے برابر جرمانہ دینا ہوگا، اور اگر کسی نے تھیلا بھر کر چرایا تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن اگر اس سے صرف کھایا اور کچھ لیا نہیں تو اس پر کچھ نہیں، اس نے پوچھا اگر کسی نے پالتو بکری چوری کر لی تو آپ نے فرمایا بکری کی قیمت اسی کے مثل جرمانہ اور عبرتناک سزا۔

ب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گمشدہ اونٹ کو پکڑنے سے منع فرمایا، اور حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا مالک اسے ملجائے۔

یہی حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما کے زمانہ میں رہا، جب حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ نے اسے پکڑ کر اعلان کرنے کا حکم دیا، اگر اس کا مالک نہ ملے تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا، اس سے یہ پتہ چلا کہ اس کی میزان مصلحت اور سیاست شرعیہ ہے، اسی سلسلہ میں حضور کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر کوئی اونٹ کو پکڑے اور چھپالے تو اس کا جرمانہ اونٹ اور اس کے مثل دوسرا اونٹ ہے۔(۱)

۱۳۔ مالِ عام کی میزان، مال کی وصولیابی کرنے والے عمال و ملازمین کی نگرانی اور ان کا مراقبہ ومحاسبہ کرنا ہے، چاہے وہ شخص کتنا ہی متقی و پرہیزگار کیوں نہ ہو، مثل مشہور ہے، ''جو فاسد ہوا وہ رسوا ہوا'' عام مال کی میزان خاص مال کی میزان سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے عام مال کی نگرانی حکمراں اور اس کے کارندے کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن لتبیہ کو صدقات کی وصولی پر مقرر فرمایا، حضور کو علم ہوا کہ انہوں نے ہدیہ کے نام پر کچھ رقم اپنے پاس رکھ لی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور ممبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم ایک شخص کو عامل بنا کر بھیجتے ہیں وہ واپس آ کر کہتا ہے یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ ملا ہے، کیا اس نے اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر انتظار نہ کیا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔

۱۴۔ دارالحرب اور دارالاسلام میں دونوں کی میزان الگ الگ ہے، دارالحرب میں حدود کا نفاذ نہیں ہوگا، اس طرح جنگ کے دوران بھی حدود اسلامیہ نافذ نہیں کی جائیں گی، بہت سی احادیث اور اقوال و آثار سے پتہ چلتا ہے کہ دوران جنگ دارالحرب میں حدود قائم نہیں کی جائیں گی، امام شافعی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: دارالحرب میں حدود کا نفاذ اس لئے نہیں ہوگا کہ کہیں وہ لوگ دشمن سے نہ مل جائیں۔(۱) ابوداؤد حدیث ۱۷۱۸)

امام ترمذی، ابوداؤد اور امام احمد نے یہ حدیث مرفوع بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: جنگ میں

ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔(۱)الترمذی:۱۴۴۰)

امام ترمذی نے فرمایا کہ اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، جن میں امام اوزاعی بھی ہیں کہتے ہیں جنگ میں حدود کا نفاذ دشمن کے سامنے اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ جس پر حد قائم کی گئی کہیں وہ دشمن سے نہ مل جائے۔(۲) ترمذی ۴،۴۵۳ حدیث ۴۴۰۲) جیسا کہ یہ صحیح حدیث ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ سفر میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔(۳) ابوداؤد ۲/۱۳۲۱)

خلاصۂ کلام:

دوسرے ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کو ہم نے ذکر نہیں کیا جن سے یہ بات نکھر کر آتی ہے کہ موازین ایک نہیں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تطبیق کی، اور ہمیں واضح دلائل دیئے کہ ہم ان کی روشنی میں غور وفکر کر کے مسائل کا استنباط کریں، اس سے یہ بات بوضاحت سمجھ میں آجاتی ہے کہ جنگ کی میزان، دعوت وتبلیغ اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے کی میزان سے مختلف ہے، اور سیاست شرعیہ کی میزان مابقی موازین سے مختلف ہے، اسی طرح صلح کی میزان بھی دوسری موازین سے جدا ہے اور اسی طرح.....۔

جنگ کی میزان قوت، شدت، سختی، فخر اور دکھلاوے وعزت نفس پر قائم ہے، تاکہ دشمن کے ساتھ مخادعہ، مناورہ اور تمام طاقت کا استعمال اور جنگ میں فتح کے لئے تمام جائز طریقوں کو استعمال کیا جائے گا، لیکن دھوکہ وغیرہ اور خیانت جائز نہ ہوگی۔

اور صلح کی میزان تسامح اور درگزر پر مبنی ہوتی ہے چاہے اس میں ثابت اصول ومبادی کے علاوہ بہت سی چیزوں سے تنازل ہی کیوں نہ اختیار کیا جائے، جیسا کہ ہم نے صلح حدیبیہ میں دیکھا۔

اور سیاست شرعیہ کی میزان، نیک نیتی، مصالح کی تحقیق اور مفاسد کے ختم کرنے پر ہوتی ہے اس میں زمان ومکان، احداث واشخاص کے تغیر کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اس میں تجدید، تطویر اور جدت ہوتی ہے، اس کا مدار قدرت واستطاعت پر ہوتا ہے، علماء محققین نے فرمایا ہے کہ سیاست شرعیہ کا دارومدار راجح مصالح پر دو شرطوں کے ساتھ ہوتا ہے۔(احکام أھل الذمۃ ۳/۱۳۶۴)

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سیاست، اسلام کے عام مبادی جیسے عدالت، شوری، مساوات اور عدم خیانت سے متعارض نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قطعی خاص نصوص سے ان کا تعارض نہ ہو، اس قسم کی چیزیں سیاست شرعیہ میں بہت ہی کم ہین، امام حرمین نے فرمایا ہے کہ زیادہ تر سیاست شرعیہ کے مسائل کا دارومدار ظنیات پر ہے جو قطعیات سے بالکل جدا ہیں۔(۱)

دعوت وتبلیغ کی میزان تمام جدید وسائل کا استعمال ہے جو عقل وجذبات، نصیحت، حکمت، نرمی، تشویق، وتبشیر، عدم تنفیر، گفتگو وبات چیت اور بہتر اور اچھے طریقہ سے مناظرہ ومباحثہ۔

دوسروں کے ساتھ معاملات کی میزان، دوسروں کے لئے خیر وبھلائی چاہنا اور اچھائی واحسان کا معاملہ کرنا ہے، لیکن اگر کوئی ظلم وزیادتی کرتا ہے تو اس کے ساتھ عدل وانصاف کے قوانین کے مطابق عمل کیا جائے گا لیکن اس میں بھی معافی اور غصہ پر قابو کو ترجیح دی جائے گی، ارشاد ہے:لَّا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (ممتحنة: ۸-۹) ترجمہ:اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے

شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تمہیں اللہ انہیں سے منع کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر مدد بھی کی یہ کہ ان سے دوستی کرو، اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں۔

ان تین آیتوں نے غیر مسلموں کے ساتھ بنیادی عام مبادی کو بیان کر دیا، ان کا خلاصہ بالاختصار یہ ہے کہ:

۱۔ غیر مسلموں کو دعوت دینا اور ان کے اسلام قبول کرنے سے مایوس نہ ہونا۔

۲۔ عداوت ودشمنی کے بجائے یا تو ان کے اسلام لانے کے بعد مودّت ودوستی ہو یا صلح ہو یا اس طرح کی امن وسلام کی کوئی صورت پیدا ہو

۳۔ جنگ وجدال اور عدوان وسرکشی کی صورت میں ان کا جواب بالمثل دیا جائے اور ان سے مولات ودوستی نہ اختیار کی جائے۔

۴۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم واعتداء نہ ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ عدل وانصاف اور نیکی وبھلائی کا سلوک کیا جائے۔

ان تمام صورتوں میں مسلمانوں کی طرف سے جواب عدل وانصاف اور حق سے متجاوز ہونے کی شکل میں ہوگا، اور ان کو صبر وتحمل کے ساتھ دعوت دی جائے گی، اگر اس سے ضرر عام کا اندیشہ نہ ہو، ارشاد ہے: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (النحل: ۱۲۶) ترجمہ: اور اگر بدلہ لو تو اتنا بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

سوم: خلفاء راشدین کے یہاں فقہ المیزان

خلفاء راشدین کی سیرت پاک میں فقہ المیزان اس کے مشتملات: تاکہ احکام شرعیہ کے اوزان کا علم ہو، فقہ الموازنات، آیات قرانی اور ابواب فقہیہ میں تفرقہ اور ان میں باہم ایک دوسری کی تصدیق تاکہ میزان کے دونوں پلّے رکھ کر تولا جا سکے اور عدل وحق تک پہونچا جا سکے۔

خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ:

۱۔ پہلی مصیبت وحادثہ جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واسطہ پڑا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقعہ تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتہائی حکمت ودانش کی میزان سے اس کا مقابلہ کیا، اور عظیم مصلحت کو بروئے کار لاتے ہوئے متوقع فتنہ وفساد کا مداوہ کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی تدفین سے پہلے آپ مسلمانوں کے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ میں مشغول ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲/ربیع الاول پیر کے دن ہوئی تھی اور آپ کی تدفین منگل کی رات کو عمل میں آئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مصیبت کا علاج دو طرح کیا، پہلے تو جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ اللہ تعالی کے پاس اس طرح گئے ہیں جس طرح کہ حضرت موسی اللہ تعالی کے پاس گئے تھے، حضرت ابوبکر وفات کے وقت مدینہ سے باہر تھے، جب آپ تشریف لائے تو حضور کے جسد مبارک کے پاس گئے، چہرہ مبارک کو بوسہ دیا، اور باہر نکل کر فرمایا، اے لوگوں: جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے لیکن جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالی زندہ ہے، کبھی مرتا نہیں، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران: ۱۴۴) ترجمہ: اور محمد تو ایک رسول ہے، اس سے پہلے بہت رسول گزرے، پھر کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گویا کہ لوگوں کو اس آیت کریمہ کے نزول کا علم ہی نہ تھا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو تمام لوگوں نے اسے قبول کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دشوار گزار موقف میں انسانی میزان سے استدلال فرمایا کہ ہر انسان مرتا ہے یہاں تک کہ انبیاء کرام بھی بشر ہیں اور وفات پاتے ہیں، صرف اللہ تعالی زندہ جاوید ہے جسے کبھی موت نہیں آتی۔ (ابن حبان ۶۶۲۰، ابن حزم فی المحلی ۷/ ۳۴۴)

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عقل اور مصلحت عامہ کی میزان کو استعمال کرتے ہوئے، امت مسلمہ کی وحدت کی حفاظت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوراً مسلمانوں کا امام اور خلیفہ منتخب کرنے کے لئے سعی وکوشش کی تا کہ کوئی ایسا فتنہ برپا نہ ہو جائے جس کے نتیجہ میں امت انتشار کا شکار ہو، جب انصار سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی، وہ حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح سقیفہ بنی ساعدہ انصار کے پاس گئے، اور پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امراء ہم میں سے ہوں گے اور وزراء تم میں سے، پھر مناقشہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، یہ پیر کا دن تھا، امام طبری لکھتے ہیں کہ منگل کے دن عام بیعت ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ممبر پر بیٹھے اور لوگوں نے بیعت عامہ کی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں عمل میں آئی۔ (۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۳۱/۸، والبدایۃ والنھایۃ ۵/ ۳۴۴-۳۵۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل فقہ المیزان کے عین مطابق تھا، اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے امام کی تعیین اہم فرائض میں سے تھا، اس منصب کا خالی ہونا سخت ترین فساد وانتشار کا سبب اور خانہ جنگی کا موجب بھی ہوسکتا تھا، جن کے انجام کا علم سوائے اللہ تعالی کے کسی کو نہیں ہو سکتا تھا، اللہ تعالی نے اپنے دین کی حمایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کی حفاظت کی، خلیفہ کے منتخب ہونے سے سیاسی نزاع فرو ہوا اور بڑے فتنہ سے حفاظت ہوئی، قبیلہ قریش کو خاص قوت وطاقت اور عصبیت حاصل تھی، اگر قریش کے علاوہ کوئی اور خلیفہ منتخب ہوتا تو اس سے شقاق واختلاف پیدا ہونے کا امکان تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس منصب کے لئے مناسب ترین شخصیت تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم موجودہ اشخاص میں حضرت ابوبکر کی بیعت سے زیادہ بہتر کوئی صورت فتنہ وفساد کو ختم کرنے کی اور کوئی نہ تھی۔ (مسند احمد، ۱/۵۵-۵۶، البدایۃ والنھایۃ ۵/ ۳۴۴)

جی ہاں جذبات کا تقاضا اس کے برخلاف تھا، لیکن شریعت وعقل کے مطابق عمل سب سے بہتر وافضل تھا اور حکمت ودانائی کا تقاضا بھی یہی تھا،، یہاں فقہ المیزان یہی ہے کہ حضرت ابوبکر نے جذبات پر عقل وحکمت کو ترجیح دی، اور بڑے فتنہ کو دفع کرنے کے لئے خلیفہ کے انتخاب کو زیادہ وزن دیا۔

۲۔ حق عام کی میزان کو فرعی فریضہ کی میزان پر مقدم کرنا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فقہ المیزان کو زکوۃ پر منطبق فرمایا، زکوۃ ایک مالی رکن، باہمی تعاون کے ذریعہ ایمانی اخوت وبھائی چارگی کو متحقق کرتی ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (التوبۃ: ۱۱) ترجمہ: اگر یہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ہم سمجھداروں کے لیے کھول کھول کر احکام بیان کرتے ہیں۔

اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر انہوں نے ان شرطوں کو پورا نہیں کیا تو وہ تمہارے اپنی بھائی نہیں ہیں، اس وجہ سے زکوٰۃ کو اسلامی حکومت کے زیر سایہ بڑا وزن دیا گیا ہے، زکوٰۃ کو صرف ایک فریضہ کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا کہ مسلمان ترک زکوٰۃ کی وجہ سے صرف گنہگار ہو اور روزہ کی طرح اس کے اثرات دوسروں پر نہ پڑیں، بلا حقوق مالیہ کی ادائیگی کے نہ تو حکومت قائم رہ سکتی اور نہ حکومت اپنا فرض باہمی تعاون اور باہمی ضمانت کا ادا کر سکتی ہے، جب بعض بڑے صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ زکوٰۃ ایک فریضہ ہے، اور اس کو نہ دینا ارتداد نہیں ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس نے زکوٰۃ اور نماز میں فرق کیا میں اس سے جنگ کروں گا، زکوٰۃ مال کا حق ہے اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بکری کا بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا، اگر اس نے اسے نہیں دیا تو میں اس سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالی نے حضرت ابوبکر کا دل جنگ کے لئے کھول دیا ہے تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے۔(۱) بخاری ۱۹۲۴-۱۹۲۵، مسلم حدیث ۲۰)

اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے کہ آپ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کس طرح کر سکتے ہیں، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہدیں، اگر انہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو انہوں نے اپنی جان مال کو مجھ سے بچالیا، سوائے اس کے حق کے، اس کا حساب اللہ تعالی پر ہے۔(۲) بخاری ۶۹۲۴)

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی سابقہ جواب دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل مطمئن ومنشرح فرمادیا۔

یہاں فقہ المیز ان یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ادائیگی زکوٰۃ کو حکومت، امت اور ایمانی اخوت کے حقوق کی میزان بنایا، اگر اس میں سوراخ ہوجائے تو پھر حکومت کی اطاعت ختم ہوجائے اور نافرمانی پر جرأت ہوجائے، جس کے نتیجہ میں حکومت کی ہیبت وخوف جاتا رہے، اس کی بنیاد گر جائے، اسی کے ساتھ حکومت متبادل حقوق پر قائم ہوتی ہے جو خلیفہ اور امت کے درمیان ہوتے ہیں، اگر امت دینی واجبات میں حکومت کی فرمانبرداری نہ کرے گی تو پھر حکومت کے کیا حقوق باقی رہیں گے۔

زکوٰۃ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالی کی طرف سے فرض کردہ مال حق ہے جس سے ایمانی قوت متحقق ہوتی ہے، جیسا کہ سابقہ آیت کریمہ سے واضح ہوگیا، اگر زکوٰۃ نہ رہے گی تو اخوت کا بندھن ٹوٹ جائے گا، معاشرہ منتشر ہوجائے گا، اسی وجہ سے زکوٰۃ دوسرے دینی ومذہبی واجبات سے مختلف ہے، مانعین زکوٰۃ کا ادائیگی زکوٰۃ سے انکار سرکشی، نافرمانی اور حکومت کو ایک طرح کی دھمکی تھی، اگر ان کو اس کی اجازت دیدی جاتی تو اطاعت وفرمانبرداری ختم ہوجاتی، بیعت کا بندھن ٹوٹ جاتا، اور حکومت کی بنیاد ہل جاتی، اس لئے یہ واجب و ضروری تھا کہ اس کے لئے فیصلہ کن وشدید وسخت میزان کا استعمال ہو۔

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حفظ قرآن کی میزان کو دوسری موازین پر مقدم کرنا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی نے باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تدوین قرآن کریم کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن آپ نے تدوین نہ ہونے کی صورت میں خطرناک نتائج کے رونما ہونے کے خطرہ کے پیش نظر قرآن کریم کی تدوین کا کام کیا، امام بخاری اور دوسرے محدثین نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جنگ یمامہ میں بڑی تعداد میں حفاظ قرآن کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، مجھ سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تھے، اور کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قراء کرام شہید ہوگئے، اس طرح

دوسری جنگوں میں شہادت ہوسکتی ہے، اس طرح حفاظ قرآن کے ساتھ ساتھ بہت سا قرآن بھی جاتا رہے گا، میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کی تدوین کا حکم دیدیں، حضرت ابوبکر نے کہا میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلسل مجھ سے مراجعہ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرے سینہ کو بھی اس طرح کھول دیا جیسا کہ حضرت عمر کا سینہ کھولا تھا، حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے مجھے کہا کہ تم عقلمند ایسے نوجوان ہو کہ ہم تم پر کوئی اتہام نہیں لگا سکتے، تم حضور پر نازل ہونے والی وحی بھی لکھا کرتے تھے، قرآن کریم کو تلاش کرو اور ایک جگہ جمع کرو۔ (بخاری حدیث رقم ۷۱۹۱، ۴۹۸۶)

ہم اس سے دوسرے موازین کا استنباط کرسکتے ہیں کہ مقاصد کی میزان، ظواہر کی میزان سے زیادہ قوی ہوتی ہے، اور مصالح عامہ کی میزان عام ظواہر کی میزان سے طاقتور ہوتی ہے۔

خلفیہ حضرت عمرؓ کا زمانہ:

پہلا مسئلہ: میزان عدل کی ظاہر نص پر تقدیم:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دو مسائل میں ماں کو باپ سے زیادہ حصہ مل رہا ہے، مندرجہ ذیل نص قرآنی کے ذریعہ: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء: ۱۱) ترجمہ: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، پھر اگر دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ چھوڑے گئے مال میں سے ہے، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے، اور اگر میت کی اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو کل مال کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہیں اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے، پھر اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے، اس کی وصیت یا قرض کی ادائیگی کے بعد، تمہارے باپ یا تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والے ہیں، اللہ کی طرف سے یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے، بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

آیت کریمہ کے ظاہری معنی فقہ المیزان اور عدل سے متفق نہیں ہوتے، نہ ہی بظاہر اس میں مساویانہ برابری اور قوی کو ضعیف پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، نص قرآنی کے بموجب ماں کو باپ سے زیادہ حصہ مل رہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کرکے دو مسائل میں مشورہ کیا:

الف: جب کسی عورت کا انتقال ہوجائے اور وہ شوہر کے ساتھ والدہ اور والد کو چھوڑے تو مسئلہ ۶ سے بنے گا ماں کو ثلث کل، شوہر کو نصف اور باپ کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے ایک حصہ ملے گا

مسئلہ ۶ میت زینب

زوج	ماں	باپ
نصف	ثلث کل	عصبہ
۳	۲	۱

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ سے مشورہ کے بعد باپ کو ماں کے مقابلہ میں زیادہ دلوانے کے لئے ماں کو ثلث باقی دلوایا جیسے:

مسئلہ۶ میت زینب

زوج	ماں	باپ
نصف	ثلث باقی	عصبہ
۳	۱	۲

اس طرح باپ کا حصہ زیادہ ہوگیا۔

ب: اس طرح مسئلہ ذیل میں ماں کو زیادہ مل رہا تھا

مسئلہ۱۲ میت زید

شوہر	ماں	باپ
ربع	ثلث کل	عصبہ
۳	۴	۵

اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجماع صحابہ سے یوں حل کیا۔

مسئلہ۱۲ میت زید

بیوی	ماں	باپ
ربع	ثلث باقی	عصبہ
۳	۳	۶

اس صورت میں باپ کا حصہ بڑھ گیا۔

اس طرح تقسیم سے للذکر مثل حظ الانثیین کا مبدأ متحقق ہوگیا (لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے) ان دونوں مسئلوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ المیز ان کی تطبیق اس طرح کی کہ باپ کا وزن میراث میں ماں کے وزن سے بڑا رکھا، صحابہ کرام نے اس میں معارضہ نہیں فرمایا، اس طرح اجماع ہوگیا۔ (۱) تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہوگیا، سوائے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے)

دوسرا مسئلہ: مورث سے قرب پر توارث کی میزان قائم ہوتی ہے۔

رشتہ جتنا قریب اور قوی ہو، میراث میں بھی حصہ اسی تناسب سے ہونا چاہئے، اس لحاظ سے سگے بھائی کو میراث میں ماں شریک بھائی سے زیادہ ملنا چاہئے، لیکن اگر اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن کے ساتھ حقیقی بھائی بہن ہوں اور میت نے ساتھ میں شوہر اور ماں کو چھوڑا ہو تو حقیقی بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں جبکہ ان کا رشتہ قوی ہے، اس مسئلہ کو مسئلہ مشرکہ یا مسئلہ حجریہ یا یا ترابیۃ کہتے ہیں۔

مسئلہ۶ میت فاطمہ

زوج	ماں	۲ اخیافی بھائی بہن	دو سگے بھائی
نصف	سدس	عصبہ	محروم
۳	۱	۲	×

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا، دو سگے بھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ

سمجھ لیجئے کہ ہمارے والد پتھر تھے لیکن کیا ہماری ماں ایک نہیں تھیں، دوسرے نے کہا کہ اگر ان کے باپ ریت تھے لیکن کیا ہماری ماں ایک نہیں تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو میراث میں اس طرح شریک فرمایا کہ اخیافی اور سگے بھائی بہنوں کو ثلث میں سے للذکر مثل حظ الانثیین قاعدہ کے تحت حصہ دیا۔

مسئلہ ۶ میت فاطمہ

زوج	ماں	۲ اخیافی	دو سگے بھائی
نصف	سدس	عصبہ	عصبہ
۱		۱	

اس طرح سگے بھائی محروم نہیں رہے، اس مسئلہ کا حل میزان عدل اور میزان قرب کے ذریعہ ہوا کہ اگر سگا بھائی زیادہ کا مستحق نہیں ہوا لیکن ان کو میراث سے محروم نہیں ہونا چاہئے اور نہ ماں شریک بھائی بہنوں سے کم ملنا چاہئے۔

دو مرتبہ دو سال میں یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ (المستدرک ۴/۳۳۷، السنن الکبری للبیہقی ۶/۲۵۵)

پہلے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ۶ فرائض کو اس کے مستحق کو دو، اور جو بچے وہ پہلے مرد شخص کا ہے۔ (بخاری حدیث ۱۷۳۵-۱۷۳۶، مسلم ۱۶۱۵)

اس تقسیم میں سگے بھائیوں یا بھائی کو کچھ نہیں ملا، اس کو امام ابوحنیفہ نے امام احمد نے ایک قول میں لیا ہے، دوسرے سال بھی یہ واقعہ پیش آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سابقہ فیصلہ کرنا چاہا، لیکن حضرت زید بن ثابت نے ان سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ اگر ان کے والد گدھا ہوں لیکن ان کی ماں تو ایک ہے، یعنی اگر باپ قرابت و رشتہ کو قوی نہیں کرتا تو کم از کم وہ رشتہ کو کمزور نہ کرے، حضرت زید بن ثابت نے مزید فرمایا: باپ نے تو رشتہ کو اور قریب کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سگے بھائیوں اور ماں شریک بھائیوں کو ثلث میں شریک کرایا، اس دوسرے فیصلہ کو مالکیہ و شافعیہ نے اختیار کیا ہے (۲) الحاکم فی المستدرک ۴/۳۳۷، السنن الکبری للبیہقی ۶/۲۵۵-۲۵۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا فیصلہ فقہ المیز ان کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں میراث میں قوی رشتہ کا لحاظ ہے اور عدالت و توازن کا محقق ہونا ہے۔

۳۔ نص ظنی پر نص متواتر کی میزان کی تقدیم:

اس میزان کی تطبیقات بہت ہیں، انہی میں سے حضرت فاطمہ بنت قیس کا واقعہ ہے کہ ان کے شوہر عمرو بن حفص نے اپنی غیر موجودگی میں طلاق بائن دیدی، حضرت فاطمہ نے حضور سے اس کا تذکرہ کیا، حضور نے فرمایا کہ شوہر پر تیرا نفقہ واجب نہیں، پھر حضور نے ان کو حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت گزاریں، لیکن فرمایا کہ ان کے گھر پر صحابہ بہت جاتے ہیں، تم ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزارو وہ نابینا شخص ہیں۔ (مسلم ۲/۱۱۱۴)

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری مطلقہ عورت کے قضیہ میں حضرت فاطمہ کی حدیث کو نہیں لیا، اور مطلقہ عورت کے لئے نفقہ و سکنی کا فیصلہ فرمایا، اور حضرت فاطمہ کی حدیث کے جواب میں فرمایا کہ ہم اللہ تعالی کی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر نہیں چھوڑ سکتے جبکہ ہمیں معلوم نہیں کہ اسے یاد رہا کہ بھول گئی، مطلقہ عورت کو گھر اور نفقہ ملے گا، ارشاد ہے: لا تخرجوهن من بيوتهن و لا

یخرجن الا أن یأتین بفاحشة مبینة (الطلاق: ۱، مسلم ۲ /۱۱۱٤) ترجمہ: اوران عورتوں کوان کے گھروں سے مت نکالواور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریں۔

دار قطنی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے جس میں سنت نبوی کی صراحت نہیں ہے، ان کی نظر میں محفوظ وقوی نص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ ہم اللہ کی کتاب کو ایک عورت کے قول پر ترک نہیں کر سکتے (۲) سنن دار قطنی ۴/۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شک ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فاطمہ کو یاد نہ رہا ہو جب کہ نسائی وغیرہ نے صحیح سند سے بیان کیا ہے، حضرت عمر نے فاطمہ سے کہا دو ایسے گواہ لاؤ جو حضور سے سننے کی گواہی دیں، ورنہ ہم کتاب اللہ کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں ترک کر سکتے۔ (نسائی حدیث ۳۵۵۱، البانی اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی ہے، ابن حزم المحلی ۲۹۱/۱۰)

یہاں یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ مطلقہ عورت کو ایام عدت میں مسکن ونفقہ ملنے کا اثبات واضح وصریح ہے، اس میں ایک عام حکم کی بجا آوری ہے جبکہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں بھولنے کے شک کے ساتھ ان کے ساتھ حکم خاص کا بھی احتمال ہے، اس طرح آیت کا مدلول عدل ومیزان کا مقتضی ہے، اس لئے کہ مطلقہ عورت کی عدت شوہر کے حق کی وجہ سے ہے کہ رحم میں حمل ہے کہ نہیں ہے، لہذا شوہر کو نفقات برداشت کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عورت کی یادداشت میں جو شک ہوا اسے نسائی اور دوسرے محدثین نے صحیح سند سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے فاطمہ سے کہا کہ دو گواہ لے کر آؤ جو گواہی دیں کہ انہوں نے حضور سے یہ بات سنی ہے، ورنہ ہم کتاب اللہ کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھور سکتے۔ (نسائی ۲۵۵۱)

حضرت عمر کا قول عورت کی استہانت پر مبنی نہیں تھا لیکن اس میں حقیقت حال کا بیان تھا، اور اس میں یہ دلالت بھی تھی کہ وہ عورت تنہا بیان کرنے والی تھی، اگر عورت کے بجائے کوئی مرد ہوتا اور تنہا اس کے قول کی بنا پر بھی کتاب اللہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا تھا، اس کی دوسری اور مثالیں بھی ہیں، درپیش مسئلہ میں حضرت عمر کی میزان واضح ہے کہ حدیث متواتر کو خبر آحاد پر مقدم کیا جائے گا، اور کتاب اللہ کو سنت نبوی پر تقدیم حاصل ہوگی۔

وہ احادیث نبویہ جن کے بارے میں حضرت عمر کو علم نہ ہوتا تھا ان میں حضرت عمر دو گواہ پیش کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابوموسی اشعری نے جب یہ حدیث بیان کی کہ حضور کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص تین مرتبہ داخلہ کی اجازت طلب کرے اور اسے داخلہ کی اجازت نہ دی جائے تو اسے لوٹ جانا چاہئے، حضرت عمر نے ابوموسی اشعری سے کہا کہ کوئی گواہ لاؤ جو اس کی گواہی دے۔ (۱) بخاری ۶۲۴۵، مسلم ۲۱۵۳)

۴۔ مصلحت عامہ کی میزان کی تقدیم:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے محل کو جلانے کا حکم دیا جو کوفہ میں تھا، جب وہ اس گھر میں روپوش رہتے تھے، اس میں مال کا تلف کرنا تھا لیکن مصلحت عامہ کے لئے عبرت وموعظت اور گورنر کو عام لوگوں سے ملنے کے وجوب کے بیان گردانے اور عدم احتجاب کے لئے ایسا کیا۔ (۱) مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ ۳۸۴/۲۰، اعلام الموقعین ۳۴۳/۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے قائم کی کہ ولایت وگورنری کی میزان یہ ہے کہ والی لوگوں کی خدمت کرے، ان کی مشاکل کو حل

کرے لیکن اگر وہ پردہ پوشی کرے گا تو بہت سے مصالح ختم ہو جائیں گے اور مفاسد پیدا ہوں گے، اس طرح گھر کو جلانے کا نقصان روپوش رہنے کے وزن اور بہت سے مفاسد پیدا ہونے کے خطرہ سے کم ہوگا، یہ حکم سیاست شرعیہ کے تابع ہے، اور اس کا مقصد مصالح کی تحقیق، مفاسد سے اجتناب اور وسائل کا رفع اور انجام کی سمجھ ہے

۵۔ حاکموں کے ساتھ سیاست شرعیہ کی میزان اور تجارت وغیرہ کرنے میں ان کا محاسبہ:

اسلامی نظام سیاست میں اصل بات یہ ہے کہ امراء و حکام مصالح عامہ کے لئے اپنے آپ کو فارغ کریں اور رعایا کے ساتھ تجارت وغیرہ میں مزاحمت نہ کریں اس لئے کہ اس طرح کی مزاحمت میں وہ خود بگڑیں گے اور تجارت میں فساد پیدا کریں گے، اسی وجہ سے صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بیعت کے بعد تجارت کرنے سے منع کیا اور ان کا وظیفہ مقرر کیا تا کہ وہ مصالح عامہ کے لئے فارغ ہو سکیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حکام و گورنروں کے محاسبہ کا یہ شعار بنایا تھا کہ من این لک ھذا؟ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا، اس لئے کہ جاہ و سلطنت مال کمانے اور مال میں زیادتی کرنے کے اہم مصادر میں سے ہیں، اگر یہ بات واضح ہو جاتی کہ حکام نے مال حرام طریقہ سے کمایا ہے تو وہ ان کو سزا دیتے، مال کو ضبط کر کے ان کے حقیقی مالکوں تک پہونچاتے، یا بیت المال میں داخل کرتے تھے، اگر یہ پتہ چلتا کہ یہ مال جائز و مشروع تجارت کے ذریعہ کمایا گیا ہے تو اس مال میں سے ایک حصہ لے لیا کرتے تھے، اس لئے کہ حکومت میں ان کا رہنا مالی تسہیلات و آسانیاں حاصل کرنے میں معاون ہوتا اور تجارت میں نفع کا سبب بنتا تھا، امام بلاذریؒ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حاکم بناتے تو ان کے اموال کو لکھتے پھر اس میں زیادتی ہوتی اسے تقسیم کرتے یا اسے ضبط کر لیتے۔(۱) فتوح البلدان ۱/۲۵)

(نوٹ: حضرت عمر نے حضرت عمرو بن العاص کے مال کو تقسیم فرمایا جب وہ حاکم مصر تھے، حجاج بن عتیک ثقفی کا نصف مال ضبط کیا وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں وہ کام کیا جو آج معاصر نگراں تنظیمیں کرتی ہیں، اگر کوئی شخص کسی کام کا ذمہ دار بنتا یا اسے کوئی عہدہ دیا جاتا تھا تو حضرت عمر اس سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ اپنے تمام اموال کی صراحت کرے اور لکھے، پھر مال میں زیادتی پر اس کا محاسبہ کیا جاتا، اس کی نگرانی کی جاتی، اور سابقہ بیان کردہ دونوں صورتوں کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کیا جاتا۔

۶۔ اس کی اور بھی مثالیں ہیں مثلاً تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کے مال میں سے دیا جانا منسوخ فرمایا، قحط سالی میں حدود وغیرہ کا نفاذ رد کر دیا، یا ان میں عام قحط سالی یا خاص قحط سالی کے مطابق تخفیف کی، یا حد کا نفاذ نہیں کیا، حضرت عمر کا یہ عمل بھی فقہ المیز ان میں داخل ہے۔

خلفیہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مختلف فتوحات میں اہل شام کے ساتھ آرمینیہ اور اہل عراق کے ساتھ آذربایجان کی لڑائیوں میں شریک ہوئے، انہوں نے قرآن کریم کی تلاوت و قراءت میں لوگوں کے درمیان بڑا اختلاف دیکھا، جس سے وہ بہت گھبرائے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین اس امت کی حفاظت کیجئے اس سے پہلے کہ وہ یہود و نصاری کی طرح اللہ تعالی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنھا کے پاس قاصد بھیجا اور ان سے کہا کہ قرآن مجید کا جو نسخہ ان کے پاس ہے وہ بھجوا دیں، ہم اسے واپس کر دیں گے، اس کے بعد حضرت عثمان نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث تھے، ان صحابہ نے قرآن کریم کے کئی نسخے تیار کئے پھر حضرت عثمان کا نسخہ ان کو واپس کر دیا گیا، حضرت عثمان نے

قرآن کریم کے یہ نسخے تمام اطراف میں ارسال کئے اور حکم دیا کہ اس نسخہ کے علاوہ جو بھی قرآن کریم کا نسخہ ہو اسے جلا دیا جائے، صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اسے ناپسند نہ کیا (۱) بخاری باب جمع القرآن، ۱۸۲/۶)

حضرت عثمان نے دوسرے تمام نسخوں کو فتنہ وفساد کے خوف سے جلوایا اور معتمد اور متفق علیہ نسخہ پر اعتماد کیا جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع کیا گیا تھا، یہ کام بہت ضروری تھا اور احتیاط کا تھا، اس کا تعلق بھی بلا شک وشبہ دقیق فقہ المیز ان سے تھا۔

خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان خوارج سے جنگ کی جنہوں نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا لیکن وہ غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ امت وحکومت کا اتحاد ایسا شرعی فریضہ ہے جو جنگ وجدال اور خون بہانے سے زیادہ قوی وبڑا ہے، اس لئے انہوں نے خوارج کے ساتھ ہر طرح کی تدابیر اختیار کیں، مناقشہ وبحث ومباحثہ کیا تا کہ وہ رشد وہدایت کی طرف لوٹ آئیں، ان سے یہ تک کہا کہ وہ اپنی رائے پر قائم رہیں لیکن اسلامی حکومت کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں، لیکن ان باغیوں نے حکومت سے جنگ وقتال پر اصرار کیا۔

اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں سے جنگ کے موازین، غیر مسلموں کی جنگ سے مختلف رکھے، نہ تو ان کے اموال غنیمت شمار ہوں گے، نہ ان کی عورتیں باندی بنائی جائیں گی، اور نہ ان کے زخمیوں کو قتل کیا جائے گا بلکہ ان کا علاج ودوا کی جائے گی۔ (تاریخ طبری ۴۷۲/۵)

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ اس حقیقت سے تھی کہ ان کی خلافت شرعی وقانونی تھی، اور کیونکہ ان کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہتھیار اٹھائے تھے اس لئے ان کی حیثیت باغیوں کی تھی، اس لئے ان سے جنگ کرنا واجب تھا تا کہ ایک امام پر قوم متحد ہو جائے، اسی طرح ان بزرگوں کی پاک سیرت، فقہ المز ان کے مطابق حکمت ودانائی پر قائم تھی۔

چہارم: تیسرے اور چوتھے ارکان سے متعلق بعض خاص دلائل:

سابقہ دلائل کے بعد اوزان کے امر فطری ہونے اور عقول مستقیمہ وفطرت سلیمہ کا ان اوزان کو قبول کرنا ایک بدیہی امر ہو گیا ہے، امام عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں ''خوب اچھی طرح جان لو کہ اصلح اور پھر اس سے زیادہ اصلح کی تقدیم اور فاسد اور اس سے زیادہ فاسد کو مٹانا وختم کرنا انسانی مزاج میں داخل ہے، اگر ہم کسی چھوٹے بچے کو کوئی لذیذ اور زیادہ لذیذ چیز کے لینے میں اختیار دیں تو وہ فطرتاً زیادہ لذیذ کو لے گا، اسی طرح اگر کسی کو حسن اور احسن (زیادہ اچھا) میں اختیار دیا جائے تو وہ احسن کو اختیار کرے گا، اسی طرح اگر کسی کو درہم ودینار میں اختیار دیا جائے تو وہ دینار کو پسند کرے گا، صالح کو اصلح پر مقدم وہی کر سکتا ہے جسے اصلح کی جانکاری نہ ہو یا ایسا بد بخت اور جہالت کا خوگر ہو جو دونوں میں تفاوت پر غور نہ کر سکے۔ (۱) قواعد الاحکام ۴۹/۱)

عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں شریعت وقانون میں خون، مال، سامان تجارت، اموال اور عزت وآبرو کی حرمت میں اسے ملحوظ رکھا جاتا ہے، اور افضل اور اس سے افضل اقوال واعمال کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح اطباء وڈاکٹر مریض کے بڑے مرض کا علاج کرتے اور چھوٹے ومعمولی مرض کو چھوڑ دیتے ہیں اور صحت وسلامتی والے اونچے درجات کا خیال کرتے اور معمولی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے، اور مرض کے تساوی وتفاوت میں کسی نتیجہ پر نہ پہونچنے کی صورت میں توقف اختیار کرتے ہیں۔

طب بھی شریعت کی طرح مصالح، سلامتی اور عافیت پیدا کرنے اور مفاسد، ہلاکت، بگاڑ اور بیماریوں سے بچانے کا کام حتی الامکان

کرتا ہے،اور جتنی بھی عافیت پیدا کی جاسکتی ہواس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔(۱) قواعدالاحکام ۱/۴۸)

یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ اس میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ صلاح وفساد کے درجات ہوتے ہیں ہمیں کتاب وسنت میں، اس کے بیشمار دلائل ملتے ہیں جوان مراتب پر دلالت کرتے ہیں۔

فقہ المیزان کے عملی اقدامات:

پہلا قدم ومرحلہ: قرآن کریم، حدیث نبوی اور سیرت پاک میں پھیلے ہوئے موازین کی تلاش وجستجو اوران کا اظہار وبیان:

۱۔ عقیدہ سے متعلق تمام موازین وانواع

۲۔ عالم غیب اور عالم مشاہدہ کے موازین

۳۔ دنیا وآخرت سے متعلق موازین

۴۔ صریح وخالص عبادات، مذہبی عادات واطوار، وشعائر کے موازین اور غیر صریح عبادات کے موازین

۵۔ حرام بدعات کے موازین اور شرعاً مطلوب جدید بدعات کی میزان

۶۔ رخصت کی میزان اور عبادات کی میزان

۷۔ مالی معاملات کی میزان

۸۔ خاندان سے متعلق موازین جیسے نکاح، طلاق، نفقہ ومیراث وغیرہ

۹۔ جہاد وقتال کے موازین اور امن ودعوت اور صلح کے موازین

۱۰۔ سزاؤں اور حدود کے موازین

۱۱۔ سیاست شرعیہ اور اس کے متعلقات کی موازین

۱۲۔ عقل، فطرت اور جذبات کے موازین اور شریعت ووحی سے متعلق موازین وغیرہ

دوسرا قدم ومرحلہ: کسی بھی نص، نشاط، سرگرمی اور حکم کی تحدید: مثلاً تمام آیات، احادیث جن کا تعلق شدت وسختی، قتل وغارت گری اور قید وبند سے ہے، ان کا جنگ، زیادتی اور دفاع کے موازین سے مقابلہ کرنا اور تطبیق دینا۔

اسی طرح وہ تمام آیات، احادیث جو نرمی، دوستی، غیر مسلموں سے محبت ولطافت سے گفتگو وملن ساری سے متعلق ہیں ان کو دعوت وامن کی ترازو سے تولنا۔

تیسرا قدم ومرحلہ: دوسرے مرحلہ کے بعد یہ تیسرا مرحلہ آتا ہے، اس میں اوزان ومرتبوں کو قوت وضعف کے اعتبار سے جانچا وپرکھا جاتا ہے، اس مرحلہ کے دو پہلو ہیں:

پہلا پہلو: ایک جنس اور دوسری جنس میں موازنہ (۱) جنس سے مراد وہ وصف ہے جو مختلف انواع کو شامل ہو جیسے الحیوان جنس ہے اس میں مختلف انواع جیسے انسان، گھوڑا، شیر وغیرہ داخل ہیں) مثلاً عقیدہ اور رسم ورواج سے متعلق عادات اور ان عادات، اخلاق، عبادات اور عادات میں موازنہ ومقابلہ۔

دوسرا پہلو: ایک ہی جنس کے تحت انواع وافراد باہمی کا مقابلہ وموازنہ: مثلاً خالص عبادات کے درمیان موازنہ، جیسے اسلام کے رکن

اول شہادت اوراس کے علاوہ اسلام کے ارکان اربعہ کے درمیان اس حیثیت سے موازنہ کہ ان میں کونسا رکن زیادہ قوی و بھاری ہے مثلاً نماز اور زکوٰۃ، روزہ اور حج اور نماز کے اندر فرض وسنت میں مقابلہ کہ کونسا فرض زیادہ قوی ہے اور کونسی سنت زیادہ بہتر ہے، پھر سنتوں کے درمیان تقابل جیسے وتر اور فجر کی سنتیں زیادہ وزنی ہیں اسی طرح اس کا تعلق فقہ اولویات اور فقہ مرتبہ واوزان سے ہے۔

تمام موازین کا مرجع دو کا مجموعہ یعنی جوڑ کا میزان ہے:

موازین بہت اور متنوع ہیں لیکن سب کا مرجع میزان الشفع ہے جو دو عدد ترازو کے پلّوں پر دلالت کرتا ہے، اللہ تعالی نے اپنی تمام مخلوقات کو زوجیت یعنی جوڑا پیدا کیا ہے، تمام انسان، حیوان، درخت، نباتات اور مادے وذرات سب کو اللہ تعالی نے جوڑا بنایا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: سُبۡحَانَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ (یٰسین: ۳۶) ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس نے زمین سے اگنے والی چیزوں کو گونا گوں (جوڑوں کی شکل میں) بنایا، اور خود ان (انسانوں) میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے۔

تمام کائنات زوج وشفع ہیں، صرف اللہ تعالی وتر واحد اور اُحد ہے و الشفع و الوتر (الفجر: ۲) ترجمہ: اور قسم ہے طاق اور جفت کی

علماء سلف کی ایک بڑی جماعت نے جس میں ابن عباس، مجاہد، حسن بصری اور مقاتل وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی وتر ہے اور شفع (یا جوڑا) اللہ تعالی کے علاوہ ہر چیز ہے، علامہ ابن کثیر اور حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالی وتر اور واحد ہے، اور تم سب شفع ہو، حسن بصری اور زید بن اسلم نے فرمایا تمام مخلوق شفع ہے، ارشاد فرمایا: و من کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (الزاریات: ٤٨) ترجمہ: اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا تا کہ تم سمجھو (ان موضوعات کو سمجھ سکو)

یعنی تمام جوڑوں کا خالق ایک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، الفجر ۳)

ثابت ہوا کہ اللہ تعالی نے اپنی شریعت کو دو کے مجموعہ پر مشتمل میزان پر نازل فرمایا جس کے دونوں پلّوں پر انسان کے تمام اعمال و افعال کا وزن ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حق کی موازین رکھیں تا کہ انسان گمراہ نہ ہو اور مشقت میں نہ پڑے، ارشاد ہے ما أنزلنا علیك القرآن لتشقی (طٰہٰ: ۲) ترجمہ: ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ سعادت حاصل کریں، متحد ہوں اور تقوی اختیار کریں۔

اسلامی شریعت کی بنیاد شفع پر ہے، اور انسان کے لئے عادلانہ ومناسب ترین حق ہے جو زوجیت اور شفع پر قائم ہے جو انسان اور شریعت دونوں کے ساتھ متفق ہے، اس کائنات کی ہر چیز زوج وشفع ہے، مرد وعورت، منفی ومثبت، حقوق واجبات، خیر وشر، ضلال وصواب، عقاب وثواب، سعادت وشقاوت، جنت ودوزخ، عیش وآرام وعذاب، دنیا وآخرت، مادی ومعنوی، ظاہر وباطن وغیرہ، ہر چیز زوج ہے، جوڑا ہے۔

یہ شریعت ان تمام احکام کی باریک ودقیق پیمانوں کے ذریعہ بیان وتشریح ہے تا کہ تمام لوگوں کے درمیان عدل وانصاف متحقق ہو اور ایک ذرہ کے برابر خیر وشر ضائع نہ ہو، ارشاد ہے: فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ (الزلزلة: ۷-۸) ترجمہ: پھر جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

باب دوم
فقہ المیزان کو واقعات پر منطبق کرنا ''عملی تطبیق''
فصل اول
بالاختصار تصورات، عقائد اور عبادات کے موازین

تصورات علم اور عمل کی میزان:

تصورات علم فکر اور ذہنی تخلیقات پر مشتمل ہوتے ہیں، ہم انہیں صرف مفرد تصورات پر منحصر نہیں کر سکتے، جیسا کہ علم منطق میں ہوتا ہے، بلکہ مفرد اور جمع ہر ادراک اس میں داخل ہوتا ہے، یعنی تصورات تمام اعمال اور نشاطات کے مقابل ہوتے ہیں، یہ علم کی ایسی میزان ہے جو معرفت کی تمام انواع واقسام پر مشتمل اور عمل کے تمام تصورات کو شامل ہوتی ہے۔

ہماری نظر میں جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ علم اور علم سے متعلق تمام تصورات کی میزان عمل اور عمل سے متعلق تمام تصورات کی میزان پر مقدم ہوتی ہے، اسی وجہ سے ارشاد باری تعالی ہے: فاعلم أنه لا اله الا الله (محمد: ۱۹) ترجمہ: تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں۔

اللہ تعالی نے علم کو مقدم فرمایا اس لئے کہ ایمان اور توحید کی شرط علم ہے، چاہے یہ علم مجمل ہی کیوں نہ ہو، اور ہوسکتا ہے کہ پہلے الٰہی حکم میں بھی یہی راز پوشیدہ ہو جس میں اس امت کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ''اقرأ'' اور اللہ تعالی نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں جب آدم علم کے امتحان میں کامیاب ہوئے هو أنشأكم من الأرض و استعمركم فيها (هود: ٦١) ترجمہ: اسی نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں۔

اسی وجہ سے علم اور تصورات صحیحہ کی میزان عمل سے متعلق تصرفات پر مقدم ہے۔

میرا یہ گمان ہے کہ اس میزان میں خلل ہی ہمارے بچھڑے پن، تفرق اور انتشار کا سبب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اللہ تعالی تمہیں علم عطا فرمانے کے بعد علم کو ایک دم نہیں کھینچتا لیکن علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھا لیتا ہے پھر جاہل لوگ باقی رہ جاتے ہیں، ان سے فتوی حاصل کیا جاتا ہے، وہ اپنی رائے سے فتوی دیتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی بھی گمراہ کرتے ہیں''۔ (۱) بخاری ۷۳۰، ابن حبان ۶۷۲۲، مسند احمد ۱۲۱/۱۱)

مسلم شریف میں یہ حدیث ان الفاظ سے آئی ہے: ''اللہ تعالی لوگوں کے درمیان سے علم ایک دم نہیں اٹھاتے، لیکن علماء کو اٹھا لیتے ہیں، ان کے ساتھ علم بھی ختم ہوجاتا، پھر جاہل لوگ باقی رہ جاتے ہیں، جو بلا علم لوگوں کے فتوی دیتے ہیں، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں''۔ (۲) صحیح مسلم ۲۶۷۳)

ہماری امت میں جو اختلاف وانتشار ہے اس کا سب سے بڑا سبب، پختہ علم وعلماء کا عدم وجود ہے جو مطلوب ومحبوب ہے، اس کے مقابلہ میں جاہل متعصب وتنگ نظر علماء کا ظہور ہے جنہوں نے امت کو مختلف جماعتوں وگروہوں میں تقسیم کر دیا کہ بعض بعض کی تکفیر کرتے ہیں۔

یہی حال ان تمام علوم ومعارف کا ہے جن پر انسان کی بقاء، تقدم، ترقی، بیداری نشأت ثانیہ اور کائنات کو مسخر کرنے کی قدرت وطاقت کا دارومدار تھا، واجب تو یہ تھا کہ ان چیزوں کی خاص رعایت، اہتمام اور ان میں جدت پیدا کی جاتی ہے۔

علم، ایمان وعقیدہ کی صحت اور شعائر اسلامیہ کی ادائیگی کے لئے شرط اولین اور دنیا میں خلافت اور تہذیب وتمدن کے حصول کے لئے شرط اساسی ہے۔

دوسرے پہلو سے اگر ہم دیکھیں تو میزان علم اور میزان عمل میں ہم کو جو معمولی اختلاف نظر آئے گا، میزان علم وسیع وشامل ہے، عمل کی شرح اس میں تکالیف اور ذمہ داریوں سے تعلق نہیں ہوتا۔

عالم حق تک پہونچنے کے لئے اندون نفس غور وفکر اور دل میں مناقشہ، مختلف احتمالات وافکار میں موازنہ کرسکتا ہے، علم کا دائرہ، تصورات اور وسیع ترین خیال کا دائرہ ہے جس پر بہت سی ایجادات واختراعات کا دارومدار ہے۔

لیکن عمل کا دائرہ، استطاعت کا ہونا، اور چیز کا حرام نہ ہونا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں اس طرف اشارہ ہے: ''دل کے وسوسہ وخیال سے اللہ تعالی درگزر فرماتا ہے، جب تک کہ انسان عمل نہ کرے اور اس کو کسی سے کہے نہیں'' (مسلم ۱۲۷، ابن حبان ۴۳۳۵)

علم بنیاد ہے اس کی میزان بھاری، اسبق وزیادہ وسیع ہے، اس کا دائرہ غیر محدود ہے اس میں کسی حد پر رکا نہیں جاتا، البتہ عمل وہ استطاعت کے تابع ہے اور اس سے مرتبط ہے۔

عبادات کی موازین:

لغت میں عبادت کے معنی تابعداری اور اطاعت کرنے کے ہیں، اسلام میں عبادت سوائے اللہ تعالی کے کسی کے لئے نہیں ہوگی، عبادت اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اپنے ارادہ واختیار سے اللہ تعالی کے لئے خشوع وخضوع اختیار کرنا ہے، بلا عابد کے اختیار وارادہ کے عبادت نہیں ہوتی۔

بعض علماء کرام نے تحقیق عبادت کے لئے محبت کی بھی شرط لگائی ہے، لیکن محققانہ بات یہی ہے کہ اللہ تعالی کے غضب اور دوزخ کے ڈر سے اپنے ارادہ واختیار سے اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا عبادت ہے، اس میں محبت کی شرط نہیں، لیکن خوف کے ساتھ محبت کا ہونا کمال عبدیت کی علامت ہے۔ (رسالۃ العبودیۃ لابن تیمیۃ الاسکندریۃ ۲۰۰۲/ مجموع الفتاوی، مطبوعہ ریاض ۱۱/۱۹۷، یوسف القرضاوی العبادۃ فی الاسلام ۷۷/۴۲، سید قطب.....القصد الاسلامی ۹۹)

مقصود عبادت ہے اور تعمیر رسالت ہے:

اللہ تعالی نے انسان کو بیکار وبلا ذمہ داری وبلا مقصد پیدا نہیں فرمایا، ارشاد گرامی ہے: أ فحسبتم انما خلقناكم عبثا و أنكم الينا لا ترجعون (المومنون: ۱۱۵) ترجمہ: کیا تم خیال رکھتے ہو ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے۔

اور انسان کو بلا محاسبہ ومسئولیت نہیں چھوڑا جائے گا، ارشاد ہے: أ يحسب الانسان أن يترك سدى (القيامة: ۲۶) ترجمہ: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اس کے بیکار پیدا کیا گیا ہے۔

اسی طرح تمام کائنات بھی بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی، ارشاد ہے: و ما خلقنا السماء و الأرض و ما بينهما لاعبين (الانبياء: ۱۶) ترجمہ: اور ہم نے نہیں بنایا آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کھیلتے ہوئے

اور ارشاد فرمایا: ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحانك فقنا عذاب النار (آل عمران: ۱۹۱) ترجمہ: اے ہمارے رب تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔

اللہ تعالی نے انسان کو اپنی عبودیت کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشاد ہے: و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (ذاریات: ٥٦) ترجمہ: اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سوا اپنی بندگی کو۔

اور ارشاد ہے: و ما أرسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه أنه لا اله الا أنا فاعبدون (الأنبیاء: ٢٥) ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یونہی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں ہے سوائے میرے سو میری بندگی کرو۔

اور ارشاد ہے: و لقد بعثنا فی کل أمة رسولا ان اعبدوا الله و اجتنبوا الطاغوت (النحل: ٣٦) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو شیطان سے۔

انسان کی پیدائش، انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا سب سے بلند مقصد اور اصل غایت اللہ تعالی کی عبودیت کا متحقق ہونا ہے، تاکہ بندہ نیک، نیکی کی طرف بلانے والا اور جس امانت کا اس کو مکلّف بنایا گیا ہے اس کو ادا کرنے والا ہو، وہ امانت جسے اٹھانے سے زمین و آسمان نے انکار کر دیا تھا، ارشاد ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّه کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الأحزاب: ٧٢) ترجمہ: ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی پھر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا نادان تھا۔

پہلا انسان جب آدم علیہ السلام کی شکل میں پیدا کیا گیا تو اسے ایک پیغام کا مکلّف بنایا گیا، وہ پیغام زمین کی خلافت اور زمین آبادی تھا تاکہ خیر اور عدل کا تحقق تمام لوگوں کے لئے ہو، ارشاد ہے: هو أنشأکم من الأرض و استعمرکم فیها (هود: ٦١) ترجمہ: اسی نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں۔

یعنی تم سے زمین کو آباد کرنے کا مطالبہ کیا، اس وجہ سے مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ تعمیر ارض بھی شرعی فریضہ ہے۔

عبادت کی جامعیت:

جب عبادت اسلام میں اللہ تعالی کی اطاعت کا نام ہے تو وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہوگی جن کا اللہ تعالی نے حکم دیا اور جن سے روکا، قرآن کریم اور سنت نبوی میں اوامر و نواہی زندگی کے تمام گوشوں کو شامل و محیط ہیں، عبادت نام ہوگا تمام واجبات، مستحبات کو کرنے اور تمام محرمات و مکروہات کو چھوڑنے کا، اسی طرح عبادت میں تمام مباح چیزوں کو کرنا اور ان کا چھوڑنا بھی داخل ہے (یعنی کرنے یا چھوڑنے کی نیت کرنا)۔

اللہ تعالی کی مشیت و ارادہ یہی ہے کہ اس کے اوامر و نواہی جن کا تعلق انسان سے یا اللہ تعالی سے یا انسان کا اپنے بھائی انسان سے، یا معاشرہ، کائنات اور دوسرے ذی روح افراد سے ہو وہ سب داخل و شامل ہوں۔

اوامر و نواہی کی اقسام:

ان اوامر و نواہی کی چار انواع ہیں:

نوع اول: جن کا تعلق خالص اللہ تعالی کے حقوق سے ہے، ان کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جن کا تعلق اللہ تعالی پر ایمان، اللہ کی نازل کردہ کتابوں، انبیاء و رسولوں، ملائکہ، یوم آخرت، قضاء و قدر اور عالم غیب کی تمام چیزیں جو دلیل صحیح سے ثابت ہیں۔

دوسری قسم: جن کا تعلق دینی شعائر و عبادت کی ادائیگی سے ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔

اس دوسری قسم کا نام خالص عبادتیں یا عبادتی طور طریق ہے، یہ سب چیزیں فقہاء کی اصطلاح میں تعبد کہلاتی ہیں، ان میں اصل توقف ہے۔

نوع دوم: اللہ تعالی اور انسان کے ملے جلے حقوق:

اس قسم کی دوسری بہت سی اقسام ہیں، ہمارے نزدیک جو قسم اہمیت رکھتی ہے وہ ہے جس میں دینی شعائر کی تطبیق ہوتی ہے، جیسے تعبد و توقف کی میزان، اور دوسرے تعلیل اور معنی کی معقولیت کی میزان مثلاً زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور شعائر دینیہ میں سے مالی عبادت ہے، لیکن اس سے باہمی تعاونی نظام بھی مراد ہوتا ہے تاکہ فقر و فاقہ کشی کو ختم کیا جا سکے اور فقراء و مساکین کی کفالت ہو سکے، اس پہلو سے اگر کسی نے بلانیت زکوٰۃ کی ادائیگی کر دی تو اس پر سے فرض زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اسی وجہ سے زکوٰۃ میں اجتہاد و قیاس جائز ہے۔

نوع سوم: ایسے اوامر و نواہی جو انسان کی بہتری سے جڑے ہوئے ہیں:

انسان کی اصلاح اور زیادہ بہتر و احسن کی طرف اس کی حقیقی تغیر اور اس کے ماحول کا تغیر تاکہ وہ حسب ذیل اصلاحات کے موافق امانت کو اٹھانے کے لئے تیار اور اس کی صحیح ادائیگی پر قادر ہو سکے۔

۱۔ قلب کی اصلاح تاکہ دل سلیم ہو سکے۔

۲۔ نفس کی اصلاح تاکہ نفس برائی پر ملامت کرنے والا، مطمئن راضی برضا ہو اور برائی پر اکسانے والے نفس کے دائرہ سے خارج ہو۔

۳۔ روح کی اصلاح تاکہ روح بلند و بالا ہو، محبوب و عزیز ہو، اور ہر قسم کی ذلت و پستی سے دور ہو۔

۴۔ اصلاح العقل تاکہ عقل اللہ تعالی اور اس کی صفات پر ایمان لانے والی ہو، جو کچھ اس نے اتارا ہے اس پر یقین رکھنے والی ہو، ایجاد و اختراع کرنے والی ہو، خیر و بھلائی، تعمیر و ترقی اور اس کے ذرائع میں غور و فکر کرنے والی ہو، زمین کے خزانے بلکہ کائنات کے خزانے تمام انسانیت کی بہتری و بھلائی کے لئے نکالنے والی ہو۔

۵۔ اخلاق و سلوک کی اصلاح تاکہ انسان صالح ہو، نفع بخش ہو اور اصلاح کرنے پر قادر ہو۔

نوع چہارم: لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ اور اس معاملہ میں تسلسل کی اہمیت:

أ۔ والدین کے ساتھ نیکی اور اولاد کے ساتھ احسان۔

ب۔ میاں بیوی کے درمیان احسان و حسن سلوک۔

ج۔ اقارب کے ساتھ حسن سلوک، غریب رشتہ دار اور دوسرے رشتہ دار۔

د۔ تمام لوگوں کے ساتھ احسان و حسن سلوک، سوائے حالت جنگ اور دشمن کے ظلم و ستم کے وقت اس کے لئے اسلام میں خاص میزان ہے، ارشاد ہے: و قولوا للناس حسنا (البقرۃ: ۸۳) ترجمہ: اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔

نوع پنجم: لوگوں کا اپنے اردگرد رہنے والوں سے تعامل کی کیفیت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم اور اللہ تعالی نے آسمان و زمین اور ان میں اور ان کے درمیان جن چیزوں کو مسخر کیا ہے ان میں تعامل

نوع اول میں سے پہلی قسم کے موازین:

امر اول: قسم اول دو چیزوں پر مشتمل ہے، جس کا تعلق اللہ تعالی پر ایمان سے ہے، اس کی دو انواع کے اعتبار سے اس کی اور موازین ہیں۔

پہلی میزان اللہ تعالی پر ایمان لانے سے پہلے کی ہے، اس میں قانون علیت اور سببیت، قانون خلق وحدوث، کائنات کی ایجاد اس کا اچھوتا اور عجیب نظام وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ تعالی پر ایمان لایا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتلایا کہ انہوں نے ستارے کو، چاند کو اور پھر سورج کو دیکھا پھر اپنی فکر وتدبر سے اللہ تعالی پر ایمان لائے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا پھر فرمایا: یَا قَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (الانعام: ۷۸-۷۹) ترجمہ: اے میری قوم میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو سب سے یکسو ہو کر میں نے اپنے منہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں

اس طرح عقل کے ذریعہ غور وفکر واستدلال یا انبیاء کے مادی اور معنوی معجزات کے ذریعہ اللہ کے رسولوں پر ایمان لایا جاتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء کے معجزات ہیں، لیکن اللہ سبحانہ وتعالی نے خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ قرآن عظیم عطا فرمایا۔

۲۔ ایمان کے بعد کی میزان:

جب انسانی عقل کی رسائی اللہ تعالی اور اس کے رسولوں پر ایمان تک ہو جاتی ہے تو معجزات سے تائید شدہ انبیاء کرام کے بیان کے مطابق اللہ تعالی کی تصدیق واجب ہو جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالی کے اوامر کے مطابق عمل بھی واجب ہو جاتا ہے، فرائض، واجبات اور مستحبات کی ادائیگی، حرام ومکروہات وغیرہ سے دوری واجتناب لازم آتا ہے۔

ایمان واقتناع کے بعد مابعد الایمان امور کو قبول کرنا اور زندگی میں انہیں جاری وساری کرنا، یہ میزان ہے۔

دوسرا معاملہ: اس میزان کا تعلق ان چیزوں پر ایمان جن کا تعلق غیب سے ہے جیسے جنات، شیاطین، یوم آخرت وغیرہ جن کا ذکر قرآن کریم میں اور احادیث نبوی میں ہے۔

یہ میزان بھی قسم اول کی میزان کے تابع ہے، اس کا تعلق عقل سے اتنا ہی ہے کہ خالق کائنات کی تصدیق اور جو کچھ اس نے نازل فرمایا یا بھیجا اور ارسال فرمایا اس پر ایمان رکھا جائے، اس میدان میں انسان نے طویل تجربات کئے ہیں، فلاسفہ گریک، یونان اور رومیوں نے عالم غیب جیسے عالم ماوراء الطبعیہ کہا جاتا ہے، اس میں بڑی محنت وکوشش کی، لیکن وہ حقائق تک نہیں پہونچ سکے ان کی تمام کوششیں رایگاں گئیں اور کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا جو قابل بیان ہو، اسی وجہ سے اسلام نے اللہ تعالی کی تصدیق کے بعد کائنات اور قدرتی وفطری چیزوں میں غور وفکر کی دعوت دی، اس طرح اسلامی عقل نے علوم معارف میں مختلف ایجادات واختراعات کیں کیونکہ انہوں نے صرف مادی ونیچرل پہلو کو مدنظر رکھا، اور تجربی طریقہ کو اپنایا، جبکہ یونانی اور رومانی عقل نے تجربی طریقہ کے بجائے نظری پہلو اور ماوراء الطبیعۃ پہلو پر کوششیں کیں۔

اسی وجہ سے عرب نے ماہرانہ پختگی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کئے، یہ میزان بلا کسی بحث ومباحثہ اور جدل ومناقشہ کے تصدیق کی اعلیٰ میزان ہے۔

نوع اول میں سے دوسری قسم کی موازین:

یہ میزان اخلاص، نیت، توقف اور اتباع پر مبنی ہوتی ہے۔

۱۔ مقدار میں اتباع جیسے فرض نمازوں میں رکعات کی تعداد، ان رکعات کی تعداد میں نہ کمی کی جائے گی اور نہ زیادتی، لیکن نفل نمازوں میں خود شریعت نے اضافہ وکمی کی گنجائش رکھی ہے لیکن اس کی کچھ حدود ہیں جیسے تہجد کی نماز میں کمی وزیادتی۔

۲۔ کیفیت یعنی صورت وحالت میں اتباع، مثلاً نماز تکبیر سے شروع ہوتی ہے اور تسلیم پر ختم ہوتی ہے، نماز کی اس صورت وکیفیت کو نہیں بدلا جاسکتا۔

۳۔ زمانہ میں اتباع: اگر زمانہ کے اعتبار سے تحدید کی گئی ہو، اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے:

أ۔ بہت سی ایسی عبادات ہیں جن کا تعلق زمانہ سے ہے، ان عبادات کو قضاء ہونے کی صورت میں بھی غیر زمانہ میں ادا نہیں کیا جاسکتا جیسے ''حج''، بعض عبادات باوجود اس کے کہ ان کا تعلق زمانہ سے ہے، لیکن اگر ان کا وقت نکل جائے تو ان کی قضا کی جاسکتی ہے جیسے فرض نمازیں، روزہ، صدقۂ فطر وغیرہ۔

ب۔ ایسی اور بھی عبادتیں ہیں جن کا تعلق زمانہ سے ہے، جیسے اللہ تعالی کا ذکر، قرآن کی قراءات، دعاء ان کی ادائیگی ہمیشہ کی جاسکتی ہے اگر کوئی دوسرا مانع نہ ہو۔

۴۔ اگر عبادت کی ادائیگی کے لئے کوئی مقام متعین ہو تو اس کی اتباع کرنا ضروری ہے جیسے بیت اللہ شریف کا طواف، وقوف عرفہ ان عبادات شرعیہ کی ادائیگی سے متعلق میزان تعبد اور توقف ہے۔

نوع دوم کی میزان:

اس کا ذکر اختصار سے پہلے گذر چکا ہے۔

نوع سوم کی میزان:

نوع ثالث کی میزان کا دارومدار اندرونی فعلی تأثر اور عملی تاثیر پر ہوتا ہے، اسی وجہ سے صلاح اور اصلاح صرف شعارات سے نہیں ہوتی بلکہ حقیقت داخلی تأثر وتغیر داخلی سے ہوتی ہے، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ میں قول بلاعمل سے ڈرایا گیا ہے، ارشاد ہے: يَآ اَيُّـهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُـوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُـرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۲-۳) ترجمہ: اے ایمان والوں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے جو کہو اس کو کرو نہیں۔

اللہ تعالی نے یہود کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے ان کے قول وعمل میں تناقض کے بارے میں فرمایا: اَتَـاْمُـرُوْنَ النَّـاسَ بِـالْبِـرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُـمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرة: ٤٤) ترجمہ: کیا لوگوں کو تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، پھر کیوں نہیں سمجھتے

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ یہ لوگ اچھائی کا حکم دیتے تھے لیکن خود اچھائی نہیں کرتے تھے اور برائی سے روکتے تھے اور خود برائی کا ارتکاب کرتے تھے، ان لوگوں کو قیامت کے دن سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ (البخاری ۳۲۶۷/ مسلم ۳۹۸۹)

دوزخ میں منافقین کا مقام سب سے نچلے حصہ میں ہوگا کیونکہ باوجود کافر ہونے کے یہ لوگ اسلام کا اظہار کرتے تھے اور فتنہ وفساد کے باوجود اصلاح کا دعوی کرتے تھے، ارشاد ہے: اِنَّ الْـمُـنَـافِـقِيْـنَ فِـى الـدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَـهُـمْ نَصِيْـرًا (النساء: ١٤٥) ترجمہ: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے، اور تو ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا۔

قرآن کریم اور سنت نبوی میں اخلاقی نفاق سے بھی سختی سے ڈرایا گیا ہے، لعان کرنے والوں سے پوچھا جائے گا اور وجود تناقض کی وجہ سے سخت عذاب ہوگا۔ (ابن حبان ۲۵۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم کو جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو خود جلتا ہے اور لوگوں کو روشنی پہونچاتا ہے۔(البیہقی فی مجمع الزوائد:۱/۱۸۹)

نوع چہارم کی میزان:

یہ میزان عدل، نیکی، بھلائی، احسان پر اعتماد رکھتی ہے، اور ایک عام قاعدہ کے تحت ان میں توازن واعتدال رکھتی ہے، لیکن حالت حرب کے قواعد جدا ہیں۔

نوع پنجم کی میزان:

نوع خامس کی میزان زمین اور تمام کائنات کی تعمیر کے ساتھ خاص ہے، وہ اللہ تعالی کے طریقوں کی میزان ہے جو تمام ایسے اسباب کو اختیار کرنے پر قائم ہے جو تہذیب وتمدن، تقدم کے حصول اور زمین میں مدفون خزانوں اور طیبات وخیرات کو نکالنے اور ان سے استفادہ کرنے کا حکم واجازت دیتی ہے، یہ میزان عام ہے اس میں کسی کی جانبداری نہیں، جس نے اس کی تطبیق کی اسے اللہ کی تقدیر سے اس کا پھل ملے گا، اسلام میں تعمیر سابقہ بیان کردہ امور کے علاوہ رحمت اور استخلاف کی میزان پر قائم ہے جو درج ذیل امور پر مشتمل ہوتی ہے۔

۱۔ تعمیر واستخلاف، تقدم وتہذیب رحمٰن ورحیم کے نام سے ہونا چاہئے جس میں عام رحمت کا اظہار وخیال ہے، اور اسم ''رب'' سے ہونا چاہئے جس میں تربوی پہلو کے ساتھ رفق ولین کی آمیزش بھی ہوتی ہے، جس کا ہدف ومقصد درجۂ کمال تک پہونچنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی آیت کریمہ کے نزول میں حکم دیا ہے، فرمایا ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (العلق: ۱-۲) ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا

اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ تعمیر تمام انسانیت کی، بلکہ تمام عالموں کی صلاح وفلاح کے لئے ہو، اس لئے اللہ تعالی رب العالمین ہے صرف رب المسلمین نہیں ہے، اس آیت کریمہ کو ہم وجوباً کم از کم سترہ مرتبہ پڑھتے ہیں الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم (الفاتحہ:۲-۳)

۲۔ تو یہ تعمیر تقدم اور تہذیب انسانی کرامت کے زیر سایہ اور کرامت انسانی کو محقق کرنے والی ہو، اس لئے کہ خطاب تکلیف اور استخلاف کا محور انسان ہی ہے، اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی پہلی سورت میں ہمیں حکم دیا ہے کہ کائنات، انسان اور کتب کے ساتھ ہماری قراءت انسانی کرامت کے لئے ہو، ارشاد ہے: اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (العلق: ۳) ترجمہ: پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم والا ہے۔

یعنی وہ پروردگار جو انسان کو کرامت وبزرگی عطا فرماتا ہے۔

۳۔ زمین کی تعمیر کے لئے مقابلہ آرائی، کسی امت یا قوم یا جماعت کو زمین کی خیرات کی اجارہ داری، اور دوسری امتوں واقوام کے بجائے ذخیرہ اندوزی اور بلا شرکت غیرے اپنے لئے خاص کر لینے تک نہ پہنچائے، اللہ تعالی نے اس زمین کو تمام انسانوں، بلکہ ساری مخلوقات کے لئے پیدا فرمایا ہے، ارشاد ہے: وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (الرحمن: ۱۰) ترجمہ: اور اس نے مخلوق کے لیے زمین کو بچھا دیا۔

۴۔ زمین کی تعمیر اور تقدم میں ہم کو جانوروں اور معاشرہ کے حقوق کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا یعنی زمین کو آباد کرنے اور اس کے خزانے نکالنے میں جانوروں اور معاشرہ کو ضرر ونقصان نہ ہو۔

اللہ تعالی نے ہم کو حکم دیا کہ ہم ہماری قراءت تمام عالم کے پروردگار اللہ پر ایمان کی روشنی میں ہو، فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ (العلق: ۱) ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے ہم کو منع فرمایا کہ ہم کوئی ایسا کام کریں جس سے توازن میں خلل واقع ہو فرمایا: و الأرض مددناها و ألقينا فيها رواسي و أنبتنا فيها من كل شئ موزون (حجر:۱۹) ترجمہ: اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھدیئے اس پر بوجھ، اور اگائی اس میں ہر چیز اندازہ سے۔

اللہ تعالی نے زمین میں کسی بھی فساد سے منع فرمایا، ارشاد ہے: و لا تفسدوا في الأرض بعد اصلاحها (اعراف:۸۵) ترجمہ: اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔

سرکشوں و نافرمانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرة:۲۰۵) ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالتا اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا کہ زمین میں فساد اور برے کام کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی کا عذاب و سزا نازل ہوگی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم:٤١) ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب سے فساد پھیل گیا ہے تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تا کہ وہ باز آ جائیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے زمین میں فساد کی سزا مطلقاً سخت مقرر فرمائی ہے، ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدة:۳۳) ترجمہ: ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں یہ کہ انہیں قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں، یہ ذلت ان کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

عبادات کی پانچ موازین:

سابقہ بیان کردہ اور لاحقہ بقیہ دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ اور عبادات کے وسیع مفہوم کو دیکھتے ہوئے کل اساسی و بنیادی موازین پانچ ہیں:

۱۔ غور و فکر، نظر و استدلال اور تعلیل و تحلیل کی میزان، ایمان باللہ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ گذرا۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام کی رسالت و نبوت کو ثابت کرنے کے لئے معجزات کی میزان، خوارق عادات سے متعلق ہے، اس کا تعلق صرف انبیاء کرام سے ہے تا کہ ان کی رسالت کی تصدیق کی جا سکے۔

۳۔ تبعیہ یعنی غلامی و دست نگری و ماتحتی کی میزان کا تعلق عالم الغیب سے ہے، اس میں ملائکہ، جنات، شیاطین، آخرت کے دن، جنت و دوزخ وغیرہ پر ایمان لانا لازمی ہے جیسا کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اس کا تعلق ماوراء المادۃ سے ہے، کیونکہ جو بھی اللہ تعالی پر ایمان لایا، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیب کی چیزوں پر بھی ایمان لائے، کیونکہ ان غیبیات کا مرجع سوائے اللہ تعالی اور اس کے رسول کے بتلانے کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ (۱) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۷۳-۸۰، التنویر والتعبیر ۱/ ۲۲۹، الدر المنثور ۱/ ۲۷۱-۲۷۷)

۴۔ اس میزان کا تعلق خالص عبادتی شعائر دینیہ سے ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔

۵۔ اختراع وایجاد کی میزان، خالص عبادتوں اور شعائر دینیہ سے الگ ہے اس کا تعلق عادات وافعال سے ہے۔

ان موازین میں خلط ملط جائز نہیں اور نہ سمجھنے میں غلطی کا امکان ہے، کوئی حکم لگانے میں ظلم وجور اور معاملات میں تشدد وسختی کا احتمال ہے۔

خالق ومخلوق سے متعلق خاص موازین اور ان میں فساد کے اثرات:

یہ بات بدیہی ہے کہ خالق مخلوق کی طرح نہیں ہوسکتا اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر وہ خالق نہیں ہوسکتا، وہ میزان جس سے خالق اور اس کی صفات کا علم ہوتا ہے، اس میزان سے الگ ہے جس سے مخلوق اور اس کی صفات کا علم ہوتا ہے، علامہ عبدالرحمٰن باجہ جی زادہ نے ایک نے بڑی کتاب لکھی ہے، مخلوق اور خالق کے درمیان فرق کرنے والی (الفارق بین المخلوق والخالق، مطابع البیان، ط ۱۴۰۷ھ)

انہوں نے اس کتاب میں دونوں کے درمیان جوہری فرق بیان کئے ہیں، یہ فرق ذات وصفات، مبدأ ومنتہی، قدیم وحادث، بقاء وفناء کے اعتبار سے ہے، کائنات کا خالق اور موجد اس طرح نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ عالم، قادر، مرید اور تمام صفات کمال سے متصف نہ ہو، کسی کا محتاج نہ ہو، اس میں صفت نقص، زوال، فناء اور حاجت کی صفات نہ ہوں، وہ نہ جسم ہو، نہ جوہر ہو اور نہ عرض ہو لیس کمثله شئ و هو السمیع البصیر (الشوریٰ ۱۱) ترجمہ: نہیں ہے اس کی طرح سا کوئی اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا

اس آیت کریمہ نے میزان اور توازن کو بیان کردیا ہے، میزان یہ ہے کہ خالق مخلوق کی طرح نہیں ہے، وہ سب سے اول ہے، اس سے پہلے کوئی چیز نہیں، وہ آخر ہے اس کے بعد کوئی چیز نہیں، وہ ظاہر وباطن ہے، اس کی تمام صفات مخلوقات کی صفات سے جدا ہیں قدامت، شمول اور خلود کے اعتبار سے۔

اور توازن آیت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ و هو السمیع البصیر، آیت کریمہ نے ثابت کردیا کہ اللہ تعالی ثبات اور وجود کی صفات سے متصف ہے، وہ سمیع وبصیر ہے، ہر صفت کمال سے متصف ہے، لیکن اس کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح قدامت، شمول اور خلود کے اعتبار سے نہیں۔

قرآن کریم نے اللہ تعالی سے متعلق موازین کو بیان فرمایا اور بہت سی آیتوں میں اسی سے متعلق جو خلل تھا اس کی تصحیح کی، ارشاد گرامی ہے: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (الطور: ۳۵) ترجمہ: کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہوگئے ہیں یا وہ خود خالق ہیں یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، نہیں بلکہ وہ یقین ہی نہیں کرتے۔

معبود برحق کی صفت کہ وہ خالق ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے، وہی ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کسی میں یہ استطاعت نہیں کہ وہ یہ دعوی کرے کہ اس نے آسمان وزمین دونوں کو یا صرف آسمانوں کو، یا صرف زمین کو پیدا کیا، یا اس کے پاس علم غیب ہے، اس سورت اور اس کے علاوہ دوسری سورتوں میں زندہ کرنا، مارنا، سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے لانے وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

اسی وجہ سے جب جاہل مشرکین سے پوچھا جاتا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ان کا جواب ہوتا ''اللہ'' اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (لقمان: ۲۵) ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، کہہ دو الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

اس عظیم کائنات میں اللہ تعالی ہی ہر چیز کا خالق ہے، اور اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق، ضعیف، حادث، محتاج اور ختم ہونے اور معدوم ہونے والی ہے، اللہ تعالی رب ہے، مالک ہے، معبود ہے، امر وحکم اس کے لئے ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، بلند وبالا صفات ہیں وہ اپنی

ذات الوہیت اور ربوبیت میں منفرد وتنہا ہے، اس اعتبار سے یہ ہرگز جائز نہیں ہوسکتا کہ انسانی موازین کا استعمال اللہ تعالی کے لئے کیا جائے، اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ راہ سے بھٹک گیا۔ (جیسا کہ آگے آتا ہے)

تمام عقائدی انحرافات اس میزان میں خلل اور اس کی سمجھ میں کجی کی وجہ ہیں:

اگر ہم تمام عقائدی انحرافات کا مطالعہ کریں چاہے اس کا تعلق الحاد وشرک سے ہو، یا اہل کتاب کی خرافات، یا ان انحرافات اور غلطیوں سے ہو جو امت مسلمہ اور اس کے عقائدی فرقوں و جماعتوں میں پیدا ہوئیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اس کا سبب فقہ المیز ان میں خلل کی وجہ سے پیدا ہوا۔

۱۔ ملحدین اور وہ لوگ جو معبود برحق کا انکار کرتے ہیں وہ مخلوق کی میزان کو خالق پر منطبق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب مخلوق کسی خالق کا محتاج ہے تو پھر خالق کو کس نے پیدا کیا؟ اس وجہ سے وہ مطلقاً خالق کا انکار کرتے ہیں۔

وہ بھول گئے یا ناواقف رہے کہ اس کلام میں لغزش ہے، اور کلام کا آخری حصہ پہلے کا نقیض ہے اس لئے کہ خالق کسی طرح بھی مخلوق نہیں ہوسکتا، اگر یہ سوال کچھ وزن رکھتا تو تسلسل لازم آتا اور تسلسل محال ہے، کیونکہ یہ بات عقلاً ثابت ہے کہ تمام محدثات کس محدث پیدا کرنے والے کی محتاج ہوتی ہیں، اب اگر خالق بھی کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا تو وہ بھی محدثات میں سے ہوگا۔ (۱) الارشاد الی قواطع الادلۃ فی أصول الاعتقاد، للامام جوینی، القاھرۃ)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح کا سوال خالق کے حق میں پیدا نہیں ہوسکتا اور یہ کہ مخلوق بلا موجد وخالق کے پیدا نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ مسبب بلا سبب کے متحقق نہیں ہوسکتا، علیت اور سببیت اس کے متقاضی ہیں کہ مسبب کو سبب سے مرتبط کیا جائے، اس کے برخلاف نہیں ہو سکتا، سبب کے لئے ضروری ولازمی ہے کہ وہ قطعی طور پر مسبب سے پہلے ہو، مخلوقات اور محدثات کے ساتھ خاص علت یہ ہوگی کہ جب پوچھا جائے اس مخلوق یا حادث کو کس نے پیدا کیا اور اور وجود بخشا تو جواب ہوگا کہ وہ اللہ تعالی خالق باری اور حکیم ہے۔

میزان کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے یہ دریافت کیا جائے کہ مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس طرح بالضرورۃ واجب الوجود اول کا اثبات ہو جائے گا کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، اب اس کے بعد واجب الوجود اول کے بارے میں سوال بیکار اور عقل کے منافی ہوگا کیونکہ دور وتسلسل لازم آئے گا جو مستحیل ہے۔

اس میزان میں خلل اس حیثیت سے ہوا کہ انہوں نے خالق کے ساتھ مخلوق کی میزان سے معاملہ کیا، اگر یہ لوگ خالق کے لئے اس کی خاص میزان اور مخلوق کے لئے اس کی میزان استعمال کرتے اور حادث اور مخلوق کے درمیان تفریق کرتے جو ہمیشہ خالق اور موجد کی محتاج ہوتی ہے اور کائنات کا وہ خالق وموجد جو کسی کا محتاج نہیں ہوتا.... تو وہ کبھی اس تناقض میں گرفتار نہیں ہوتے اور خالق کا انکار نہ کرتے اور ان عقائدی انحرافات میں نہیں گرتے۔

۲۔ مشرکین اور وہ لوگ جو اللہ تعالی کے ساتھ شریک کرتے ہیں خاص کر جاہلی زمانے کے وہ عرب جو اللہ تعالی پر ایمان تو لائے لیکن عبودیت، حکم اور الوہیت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا، مخلوق کو معبود بنایا، اور ملائکہ، جن وانس، سورج وچاند، انبیاء اور اصنام کو امر وحکم میں اللہ تعالی کا شریک بنایا، بتوں کی نسبت انہوں نے کہا: ما نعبدھم الا لیقربنا الی اللہ زلفی (زمر: ۳) ترجمہ: ہم تو ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ ہم کو پہنچادیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں

اوراللہ تعالی کا ارشاد ہے:وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:۷٤) ترجمہ:اور(یادکر)جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو خدا جانتا ہے، میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا لاجواب کرنے والا جواب اس پر قائم تھا کہ الوہیت اور پیدا کرنے کی میزان ان معبودان باطل میں پیدا نہیں ہوسکتی ہے،اس لئے فرمایا: يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا (مریم:٤٢) ترجمہ: اے میرے باپ تو کیوں پوجتا ہے ایسے کو جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ تیرے کچھ کام آسکے۔

اور فرمایا:هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ (شعراء:۷۲-۷۳) ترجمہ:کہا کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اسی معنی کی تائید اس فرمان سے ہوتی ہے:يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّه وَمَا لَا يَنْفَعُه ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّه اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ (الحج:۱۲-۱۳) ترجمہ:اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اسے ضرر دے سکے اور نہ اسے فائدہ پہنچا سکے، یہی وہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے ایسے کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے نزدیک تر ہے، ایسا کارساز بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا ہے

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مشرکین کی میزان کے بڑے خلل کو ایک مرتبہ اور ظاہر فرمایا کہ چاند وسورج میں بھی معبود بننے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ وہ نکلتے اور ڈوبتے رہتے ہیں، کسی کو پیدا کرنے پر قادر نہیں جبکہ خالق کو اول وآخر ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہونا چاہئے، ارشاد ہے:فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (الأنعام: ۷۷-۷۸) ترجمہ:پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غائب ہوگیا تو کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرے گا تو میں ضرور گمراہوں میں سے ہوجاؤں گا پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہی میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ غائب ہوگیا تو کہا اے میری قوم! میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو

اسی طرح اللہ تعالی نے ان لوگوں کا رد فرمایا جنہوں نے ملائکہ اور جنات کو اللہ تعالی کا شریک بنایا تھا، بتلایا کہ یہ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں،ارشاد ہے:وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحَانَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (سبا:٤٠-٤٢) ترجمہ:اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہی ہیں جو تمہاری عبادت کیا کرتے تھے وہ عرض کریں گے تو پاک ہے ہمارا تو تجھ سے ہی تعلق ہے نہ کہ ان سے، بلکہ یہ شیطانوں کی عبادت کرتے تھے،ان میں سے اکثر انہیں کے معتقد تھے پھر آج تم میں سے کوئی کسی کے نفع اور نقصان کا مالک نہیں،اور ہم ظالموں سے کہیں گے تم اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالی کا بیٹا اور شریک قرار دیا تھا ان پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا کہ عیسیٰ اللہ کے پیدا کردہ بندے تھے، یہ عبد مخلوق معبود اور مسجود کا شریک کس طرح ہوسکتا ہے، پر دونوں میزانیں مختلف ہیں اور دونوں مقام کسی ایک شخص میں جمع

نہیں ہو سکتے، ارشادِ گرامی ہے: وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم: ۹۲ -۹۳) ترجمہ: اور رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو رحمان کا بندہ بن کر نہ آئے۔

اور ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (المائدۃ: ۱۷) ترجمہ: بے شک وہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مریم کا بیٹا مسیح ہے، کہہ دے کہ پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چل سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ مریم کے بیٹے مسیح اور اس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے، اور آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، جو چاہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اللہ تعالی نے مخلوق کی میزان اور وہ میزان جس سے اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ وہ خالق ہے، اور خالق ہر چیز پر قادر ہوتا ہے، زندہ کرتا ہے، آسمانوں اور زمین پر اس کی بادشاہت ہے، مخلوق ان چیزوں میں سے کسی چیز پر قادر نہیں بلکہ وہ تو اپنے نفس سے ہلاکت و نقصان کو دفع نہیں کر سکتی۔

اسی طرح جب یہود و نصاری نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اللہ تعالی نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ایسے ہی ہوتے تو تمہاری تقدیر تکریم ہوتی اور تمہیں جنت ملتی جبکہ اللہ تعالی تم کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا اور تم تمہارے دوسرے انسانوں کی طرح مخلوق ہو، تمہارے اوپر انسانوں والی میزان منطبق ہوگی، ارشاد ہے: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (المائدۃ: ۱۸) ترجمہ: اور یہود اور نصاری کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دو پھر تمہارے گناہوں کے باعث وہ تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے، بلکہ تم بھی اور مخلوقات کی طرح ایک آدمی ہو۔

اسی طرح جب عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور راہبوں کو اللہ تعالی کے علاوہ اپنا رب بنایا تو اللہ تعالی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تو خود مخلوق اور اللہ تعالی کے غلام ہیں وہ رب کیسے ہو سکتے ہیں، فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبة: ۳۱) ترجمہ: انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی، حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے

اسی طرح یہود نے جب یہ دعوی کیا کہ ہم اللہ تعالی کے اولیاء ہیں تو اللہ تعالی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: فتمنوا الموت ان كنتم صادقين (الجمعة: ٦) ترجمہ: تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

۳۔ اہل کتاب یہود و نصاری کے بعض انحرافات:

یہود کے بعض انحرافات میں سے یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالی کو انسان کے اوصاف سے متصف کیا، مثلاً کہا کہ اللہ تعالی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالی کا جسم ہے اور اسی طرح کے فاسد مقولے، اللہ تعالی نے ان پر رد فرماتے ہوئے حق کو منکشف فرمایا اور ہر چیز کو اس کی میزان اور حقیقت پر لوٹایا، فرمایا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (المائدۃ: ٦٤) ترجمہ: اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، انہیں کے ہاتھ بند ہوں اور انہیں اس کہنے پر لعنت ہے، بلکہ

اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے۔

تلمود میں آیا ہے کہ دن بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے پہلے تین گھنٹوں میں اللہ تعالی بیٹھتا ہے اور شریعت وقانون کا مطالعہ کرتا ہے، دوسرے تین گھنٹوں میں فیصلے کرتا ہے، اور تیسرے تین گھنٹوں میں عالم کو کھلاتا ہے، اور آخری تین گھنٹوں میں نوعمر ونوجوانوں کے ساتھ اور مچھلیوں کے بادشاہ کے ساتھ بیٹھتا اور کھیلتا ہے۔(۱) کتاب المقدس، العھد القدیم ،منقول از العقیدۃ فی اللہ ذاکر عمر اشقر ص ۲۵۹، وراجع الشعب المختار فی المیزان للشیخ عبدالعزعبدالستار، القاھرۃ ۸۵/۳۹)

اس کا تعلق مخلوق کی میزان اور اس کی صفات سے ہے، اس میں خالق کی تشبیہ مخلوق کے ساتھ بیان کی گئی ہے، اللہ تعالی ان کے ان اقوال سے پاک اور بلند وبالا ہے۔

بعض عیسائیوں نے دونوں موازین میں اور زیادہ خلط ملط کیا ہے، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالی کی صفات کو ثابت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، اللہ تعالی اور روح القدس ہے، تین اقنوم ایک اقنوم میں داخل ہیں، وہ اللہ کا حکم ہیں، اور کلمہ اللہ تعالی ہے، وہ جسمانی اعتبار سے مخلوق اور نفسانی اعتبار سے خالق ہیں، ان کا جسم جان کے پیدا ہونے کی وجہ سے مخلوق ہے جبکہ وہ کامل معبود بھی ہیں اور انسان کامل بھی ہیں، اور لوگوں پر کامل رحمت کی وجہ سے وہ لوگوں کی طرف سے اپنا خون صلیب پر بہانے کے لئے تیار ہوئے اور اپنے دشمن یہودیوں کو اپنے اوپر قابو دیا، اور اس طرح۔(۲) ان کے عقیدہ کا مطالعہ ان کی کتابوں سے کریں، اور کتاب الفارق بین الخالق والمخلوق سے، ص ۷)

اللہ سبحانہ وتعالی نے قرآن کریم میں اس میزان میں اہم خلل کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِىْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدۃ:۱۱۶-۱۱۸) ترجمہ: اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنالو، وہ عرض کرے گا تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھے ضرور معلوم ہوگا، جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے وہ میں نہیں جانتا، بے شک تو ہی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، اور میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا پھر تو ہی ان کا نگران تھا، اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر تو انہیں معاف کردے تو بے شک تو زبردست حکمت والا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مخلوق کی میزان کو جو ضعف اور کامل وشامل علم پر قائم نہیں تھی، اچھی طرح جان لیا، اور اللہ تعالی کے لئے وجوب عبادت اور مکمل تابعداری کو ثابت فرمایا اور بتلایا کہ وہ مخلوق ہیں، انہیں موت آتی ہے، وہ خالق کے محتاج ہیں، صرف اللہ تعالی ہی ہر چیز کا علم رکھتا ہے، وہ عالم الغیب ہے، عبادت کا مستحق ہے اور ایسا خالق ہے جسے تکریم اور توہین کا پورا حق ہے۔

۴۔ فقہ المیزان میں خلل کے سبب بدعتی اسلامی فرقوں کے درمیان انحرافات:

عقیدہ، فکر اور تصورات سے متعلق بہت سے ایسے اہم موازین ہیں جو قرآن کریم، سنت نبویہ سے ثابت ہیں، ہم ان میں سے بعض اہم

موازین کا بیان کریں گے کہ کس طرح بعض اسلامی فرقوں نے ان میں اہل سنت والجماعت کے مبادئ عامہ سے انحراف کرتے ہوئے عقائد سے متعلق اپنی علیحدہ آراء بنائیں جیسے معتزلہ، مجسمہ، مشبہ، جبریہ، قدریہ، مرجئہ، باطنیہ، اور خوارج، یہ فرقے اسلام سے مکمل طور پر خارج تو نہیں ہوئے لیکن فقہ موازین میں خلل واقع ہوا۔

عقیدہ، فکر اور تصورات کے موازین:

الف: دنیا، آخرت، غیب اور مشاہدہ کی میزان

بیشک میزان الدنیا کا دار و مدار مادہ، مشاہدہ اور عقل سلیم کی سمجھ وفہم پر ہے، اور ادراک وتعامل وغیرہ کے اعتبار سے اس کے خاص قوانین وطریقے ہیں۔

دنیا میں جو کائناتی اسرار، علوم، صنعت وزراعت ہے، اسے عقل کی تفکیر کے ذریعہ کیا جاتا اور اس میں جدت واختراع کی جاتی ہے، لیکن وہ معاملات واحکام جن میں حلت وحرمت کا تعلق ہوتا ہے، انہیں وحی الٰہی کے زیر سایہ اور شریعت کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے، اور ان میں اخلاق، اسلامی عادات واطوار کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اللہ تعالی کے نور، رحمت اور عدل سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے کہ اللہ کے بندوں، حیوانات اور معاشرہ کے افراد کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا جائے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: أنتم أعلم بأمر دنیاکم (مسلم: ۲۳۶۲) ترجمہ: اپنے دنیوی معاملات تم بہتر جانتے ہو۔

اور نصوص شرعیہ جو ایک مؤمن کو تمام احکام تکلیفیہ، اخلاق اور بلند وبالا اسلامی اقدار کا پابند بناتے ہیں۔

اسلامی شریعت، علوم ومعارف، علمی نظریات اور ایجادات واختراع کی تفاصیل اور کیفیت میں تدخل نہیں کرتی، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی، کبھی اسے فرض کفایہ اور کبھی امت مسلمہ کی ضرورت وحاجت کے وقت اسے فرض عین قرار دیتی ہے، لیکن ان علوم اور دنیاوی معاملات میں شریعت کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ ان سے کسی دوسرے کو ضرر ونقصان نہ ہو، یا کوئی بڑا فساد پیدا نہ ہو، اسی کے ساتھ ان میں اخلاق عالیہ کا لحاظ و خیال رکھا جائے۔

ان دنیاوی کاموں میں دو موازین کی تطبیق ہوتی ہے، وحی وشرع کی میزان، اور عقل کی میزان جس کا دائرہ اور دور علمی میدانوں میں وسیع، بڑا اور مختلف ہوتا ہے۔

اور آخرت اور غیب کی میزان اس کے خاص قوانین اور طریقے ہیں، مثلاً دوزخی وجہنمی باوجود یکہ آگ میں جلتے رہیں گے لیکن مریں گے نہیں، یہ چیز دنیاوی قوانین کے تابع نہیں ہے، اسی طرح پل صراط سے گزرنے کی کیفیت اور اس کے علاوہ قیامت کے دوسرے احوال، اسی طرح جنت ودوزخ سے متعلق چیزیں، اور یہ کہ اہل جنت کھائیں گے پیئیں گے لیکن انہیں بیت الخلاء جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، یہ تمام چیزیں مستقل قوانین اور خاص طریقوں کے تابع ہوں گی، ان کو دنیاوی طریقوں کے تابع نہیں کیا جاسکتا، ورنہ راستہ سے گمراہی ہوجائے گی۔

اسی طرح آخرت سے متعلق طریقوں کو، دنیاوی طریقوں کے تابع کرنے میں، اور دنیاوی طریقوں کو آخرت کے طریقوں کے تابع کرنے میں بڑی مشکلات پیدا ہوں گی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے موازین اور طریقے الگ الگ ہیں۔

ب: شاہد اور غائب کی میزان:

شاہد سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ وادراک حواس خمسہ کے ذریعہ کیا جاسکتا ہو، وہ تمام مادی موجودات میں ان میں سے ہر ایک کے موازین، قوانین ہیں، غائب وہ عالم آخرت ہے دنیا میں حواس خمسہ کے ذریعہ اس کا ادراک ممکن نہیں ہے، وہ عالم الغیب ہے جو آخرت کے

تمام معاملات کوشامل ہے، وہ ملائکہ، جنات وغیرہ کوبھی شامل ہے، اس عالم کی بھی خاص میزان ہے۔

اشکال یقینی طور پر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب شاہد کی میزان غیب پر یا اس کے برعکس استعمال کیا جائے، بہت سے اسلامی فرقے و جماعتیں اس میں گرفتار ہوئے، معتزلہ نے اپنے بہت سے احکام، آراء اور افکار کو اللہ تعالی سے متعلق موازین میں غائب کو شاہد پر قیاس کرتے ہوئے اللہ تعالی کے لئے بہت سی چیزیں ثابت کیں، علامہ ابن حزم معتزلہ پر رد کرتے ہوئے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی پر کسی چیز کا واجب ہونا یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ میں زندہ اس کو کہتے ہیں جو حیاۃ سے متصف ہو، اس لئے اللہ تعالی کے لئے یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ حیاۃ سے متصف ہونے کی وجہ سے زندہ ہوں، ان دونوں اقوال میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں سے کسی ایک کو تسلیم کرنے سے دوسرا بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے، جبکہ دونوں گمراہی اور غلطی ہیں، اللہ تعالی کے لئے کسی حکم کو ثابت کرنا جیسا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لئے کوی حکم ثابت کرتے ہیں، یہ بہکی ہوئی گمراہی ہے''۔(۱) الفصل فی الملل، مطبوعہ القاھرۃ ۹۸/۳)

معتزلہ نے اس اصل کو افعال، صفات، حسن وقبح کے مسائل میں انسان کے حال پر قیاس کرتے ہوئے لیا ہے، اور اس کو بنیاد بنا کر اللہ تعالی سے خالق شر ہونے کی نفی کی ہے۔(۱) ڈاکٹر حسن شافی، المدخل الی دراسۃ علم الکلام، القاھرۃ، ص ۱۷۶)

معتزلہ نے حکمت، تعلیل اور مشیت الٰہی جس کا تعلق فعل اور وجود سے ہو، ان سب میں غائب کو موجود پر قیاس کیا ہے، اور اس پر قیاس کرتے ہوئے دنیا وآخرت میں اللہ تعالی کی رؤیت، دیدار کی نفی کی ہے، اس لئے کہ رؤیت میں رائی اور مرئی کا بالمقابل ہونا لازمی ہے، اسی طرح آنکھ کی شعاعوں کا جسم سے اتصال، یا مرئی کی صورت کی آنکھ میں تصویر، پھر یہ کہ مرئی زیادہ قریب یا زیادہ دور نہ ہو بالکل لطیف وصغیر نہ ہو، یہ سب چیزیں حوادث سے متعلق ہیں، اور اللہ تعالی ان سے پاک ہے، اسی وجہ سے معتزلہ نے ان آیات واحادیث میں تاویل کی جن سے آخرت میں اللہ تعالی کی رؤیت ثابت ہوتی تھی، اور اس تأویل میں سختی کی، اہل سنت والجماعت نے معتزلہ کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان کا یہ قول ایک فاسد اصل پر مبنی ہے، کیونکہ شدت سے متعلق جن شروط کا معتزلہ نے تذکرہ کیا ہے، ان کا اجسام اور محدثات کے دیکھنے سے تعلق ہے اللہ تعالی کی رؤیت کی میزان الگ وجدا ہے، جس طرح کہ لفظ ''کن'' سے اللہ تعالی کا جو حکم صادر ہوتا ہے وہ انسان کے فعل سے بالکل مختلف ہوتا ہے کیونکہ انسان اسباب کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔(۱) فتح الباری شرح البخاری کتاب الزھد ۴۱۹/۱۳-۴۳۴)

معتزلہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ وہ غائب کو شاہد پر قیاس کرتے ہیں، قاضی عبدالجبار معتزلی اس اصول کو ثابت کرنے اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اس لئے کہ دلیلوں کے طریقے حاضر اور غائب کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتے'' اس سے مثل قاضی صاحب نے فرمایا کہ ''کسی فعل کا درست ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس مثل کے کرنے پر قادر ہے، ہم شاہد میں دو چیزیں دیکھتے ہیں ایک یہ کہ اس سے فعل کا صدور اس طرح صحیح ہوا جیسا کہ ہم میں سے کسی سے ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ اس سے فعل نہ ہوسکا جیسے لبِ دم مریض اب اگر کسی سے فعل کا صدور ہوا وہ اس سے جدا ہوگا جس سے فعل کی وجہ سے نہ ہوسکا، تو فعل کا ہونا یا نہ ہونا ایک صفت ہے کہ اس میں ادائیگی فعل کی قدرت وطاقت ہے، اور یہ چیز حکم مطلق اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے، کیونکہ دلائل کے طریقے حاضر وغائب کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتے''۔ (۱) المغنی ۵۵/۱۴)

امام آمدی اصولی نے احکام عملیہ کے دائرہ میں قیاس کا دفاع کرتے ہوئے اس پر آگاہ وخبردار کیا اور بتلایا کہ مباحث کلامیہ کے اندر اس دلیل کی وجہ سے غائب کے اندر جامع کی معرفت مشکل ہوتی ہے، اس وقت ''جمع'' محض خودسری ومن مانی اور دعوی بلا دلیل ہوگا، اور اس

بات کے قائل کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام انسان حبشی کالے ہوتے ہیں، جس نے حبشیوں کے علاوہ کسی اور انسان کو نہیں دیکھا ہو۔ (الانباء۱/۳۹)

امام آمدی نے ہر اس شخص پر سخت تنقید کی ہے جو غائب کا قیاس شاہد پر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اشاعرہ بھی جو صفات امثال کے علاوہ یہی بات کہتے ہیں، انہوں نے اس قیاس کے ضوابط وقواعد مقرر کئے، انہی میں سے جامع کا کثرت سے ہونا بھی ہے، انہوں نے ذکر کیا کہ عالم کا شاہد میں ہونا معلل بالعلم یا علم کے ساتھ مشروط ہے، کیونکہ ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غائب بھی اس طرح ہو، وہ معنی جو شاہد میں مذکور ہوتے ہیں، غائب میں موجود نہیں ہوتے، اس سے حد سے بڑھنا لازم نہیں آتا، یا یہ کہہ سکتے ہیں اسے اس کی اطلاع اس وقت نہیں ہوتی، اور اس کے عدم علم سے اس کے معدوم ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ (۱) الأبکار، ۱/۴۰، أ، ب)

ڈاکٹر حسن شافعی کہتے ہیں: اس طرح آمدی اس قیاس کی قیمت ومنزلت میں شک پیدا کرتے ہیں، چاہے شاہد اور غائب کے درمیان کوئی سا بھی مزعوم جامع ہو، اسفرائینی کا طریقہ غائب کے شاہد پر قیاس کرنے میں صرف تلازم تک ہے یا اس کے حصول میں تشابہ تک ہے چاہے جامع متحقق نہ ہو، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی جوہر ہیں کیونکہ اللہ تعالی اپنے نفس کے ساتھ قائم ہیں (قائم بنفسہ ہیں) کیونکہ شاہد ہیں دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ہر قائم بنفسہ شاہد میں جوہر ہے، اور قائم بنفسہ ہے، اسفرائینی کو اسے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں، لیکن یہ بات ظاہری طور پر بالکل باطل ہے۔ (۱) ڈاکٹر حسن شافعی ص ۱۷۸-۱۷۹)

اسی وجہ سے اس قسم کے قیاس کی محققین نے سخت تنقید کی ہے جن میں ابن رشد فقیہ وفلسفی بھی ہیں، انہوں نے اس قیاس کو مطلقاً رد کر دیا ہے، اور عقل ودین کے درمیان توفیق کی کوشش کی ہے، اور اللہ تعالی کے فرمان لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر اللہ تعالی کی طرح کوئی چیز نہیں وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (المرجع السابق، ص ۱۰۸)

علامہ ابن حزم نے جیسا کہ پہلے گزرا اسے غلطی اور کھلی گمراہی قرار دیا ہے، اور امام جوینی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۱) الجوینی امام الحرمین، ص ۱۴۰-۱۴۲)

امام غزالی نے فرمایا کہ: غائب کو شاہد پر لوٹانے میں کوئی خیر وبھلائی نہیں ہے اس لئے کہ شواہد کے اعیان پوشیدہ ومخفی صفات پر مشتمل ہوتے ہیں، اس لئے معین شاہد کو پیش کرنا ضروری ہے، پھر فرمایا عقلیات میں اس طرح تمثیل کرنا باطل ہے، البتہ فقہیات میں معین جزئی کا حکم دوسرے جزئی کو منتقل کیا جا سکتا ہے کیونکہ دونوں وصف میں اشتراک رکھتے ہیں، لیکن اس وقت جب دلیل اس پر دلالت کرے۔ (۱) معیار العلم، ص ۹۴-۹۵)

اس اصل فاسد پر اعتماد کی وجہ سے اس طرح کے عقائدی مفاسد پیدا ہوئے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ''فرقہ جہمیہ'' جو اللہ تعالی کے لئے جسم ثابت کرتا ہے، انہوں نے ہی اس فاسد اصل کا سہارا لیا ہے، انہوں نے اللہ تعالی کے لئے ہاتھ، پاؤں، پنڈلی، چہرہ، بیٹھنا، اور کھڑے ہونا بلا کسی تاویل کے ثابت کیا ہے، اور کسی قسم کی نفی تشبیہ دینے میں اختیار نہیں کی، وہ اللہ تعالی کو تصویر جسم اور صورت کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اور ''فرقہ مشبہۃ'' اللہ تعالی کی صفات کو بندوں کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی طرح اللہ تعالی کا ہاتھ ہے، انسان کی طرح اللہ تعالی کا چہرہ ہے۔

تمام اہل سنت مجسمہ اور مشبہۃ کے کافر ہونے پر متفق ہیں، ان دونوں فرقوں کے بارے میں زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ یہودیوں اور

عیسائیوں کے فرقے ہیں۔

نعیم بن حماد نے کہا ہے کہ جس نے اللہ تعالی کی مشابہت اس کی مخلوق سے کی اس نے کفر کیا۔(۱) راجع الملل والنحل للشہرستانی ۱/۱۲۹-۱۳۰، فتح الباری، کتاب التوحید۱۳/ ۴۳۴۴)

یہی قول ائمہ اہل السنہ سے بھی منقول ہے جن میں ابی حنیفہ، مالک، شافعی، احمد وغیرہ ہیں۔شرح اصول الاعتقاد۳/ ۵۳۲)

یہ مجسمہ اور مشبہہ کفر وگمراہی میں اس لئے پڑے کہ انہوں نے خالق اور اس کی صفات اور مخلوق اور اس کی صفات میں اور دونوں کے مقام ودرجہ میں فرق نہیں کیا، انہوں نے غائب کو موجود پر قیاس کیا،، اس لئے گمراہیی میں پڑے، اگر وہ اللہ تعالی کا مرتبہ ومقام سمجھتے، اس کی صفات عالیہ کو سمجھتے، اللہ تعالی نے اپنی ذات اقدس کے بارے میں جو کہا ہے اس پر غور وخوض کرتے، خالق کو سمجھنے کی خاص میزان اور مخلوق کی میزان کو استعمال کرتے تو کبھی بھی اس کفر وضلال میں نہیں گرتے۔

ان تمام غلطیوں کا سبب، اس میزان میں خلل ہے جو اس خالق کے ساتھ خاص ہے جسے ہم نے دیکھا نہیں اور مخلوق کی میزان جس کو ہم نے دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے، اگر فقہ المیز ان کو استعمال کیا جاتا تو یہ خلل فہم، تصور اور احکام میں واقع نہ ہوتا۔

مطلق میزان الغیب کا نقلا اور عقلا یہ تقاضا تھا کہ عالم غیب پر غور وخوض نہ کیا جائے اور غیب سے متعلق کسی چیز کا ذکر نہ کیا جائے، غیب اللہ تعالی ہے، عقل انسانی کتنی بھی ترقی کر جائے تو کبھی بھی مطلق غیب کی حقیقت کے علم یقینی تک نہیں پہونچ سکتی، مثلاً اللہ تعالی اور اس کی حقیقت، اسکی اصل، عالم الجن، عالم الملائکۃ، جنت، دوزخ، عذاب قبر وغیرہ ہمارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ موجودات کے مشاہدہ پر قیاس کرتے ہوئے ہم ان غیبیات کے متعلق کوئی حکم صادر کریں۔

غائبانہ چیزوں کے متعلق عقل کا کام اتنا ہی ہے کہ عالم مشاہدہ سے استدلال کرتے ہوئے اور اس کے مختلف راستوں کو اختیار کرتے ہوئے خالق پر ایمان لایا جائے:أ أنتم تخلقونه أم نحن الخالقون (الواقعة: ٥٩) ترجمہ:اس کو تم آدمی پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔

اور غیبیات کا علم رکھنے والے تک پہونچا جائے:أ لا يعلم من خلق و هو اللطيف الخبير (الملك: ١٤) ترجمہ:اور بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین اور پورا باخبر ہے۔

اس کے بعد اس خالق عالم کی تصدیق اس کی طرف منسوب تمام چیزوں میں ان پر ایمان اور اس سے متعلق تمام مبادئ عامہ پر ایمان، لیکن ان کی حقیقت، ان کی معنی اصلی تک پہونچنا، غائب کا قیاس شاہد پر کر کے کسی طرح ممکن نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا یہ فاسد وباطل قیاس ہے، اس لئے کہ ان تفاصیل کو حواس، مشاہدہ اور ان پر قیاس کے ذریعہ نہیں جانا جاسکتا ہے، اور غیب کا مشاہدہ نہ تو کسی انسان نے کیا ہے اور نا ہی اسے اس کے بارے میں کوئی اطلاع وواقفیت ہے، پھر اس پر قیاس کیونکر کیا جاسکتا ہے اور اس کی خاص صفات کو بیان کیا جاسکتا ہے؟ (تحقیق الفاظ للعلۃ والنص، ص۲۰۴)

عقل کا رول اور کردار عالم مشاہدہ پر محصور ہے، وہ اس میں گھوم پھر سکتی ہے، اختراع وایجاد کر سکتی ہے، زمین کے خزانے نکال سکتی ہے اور اس کائنات سے جب سے اس کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے اسے آباد کر سکتی ہے اور ہر طرح کا تقدم، تمدن وتہذیب اور خوشحالی پیدا کر سکتی ہے۔

ج: نقل وعقل کی میزان

فقہ میزان العقل اور میزان النقل دونوں اس باب سے مرتبط ہیں، دونوں میں خلط ملط، دونوں میں سے کسی ایک کا درجہ ومقام کم کرسکتا ہے، یا اسے ختم کرسکتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل تکلیف کی بنیاد ہے، اگر عقل نہ ہوتو پھر تکلیف بھی نہ ہو، اسی طرح عقل لغت عربیہ کے قواعد اور مختلف ادلہ کے ذریعہ نصوص شرعیہ کو سمجھنے کی اساس ہے، عقل کے ذریعہ ہی قیاس، استحسان اور مقاصد وغیرہ کے ذریعہ اجتہاد کیا جاتا ہے، نصوص شرعیہ میں بلا عقل کے استعمال کے اجتہاد، استنباط اور قیاس ممکن نہیں۔ (کتاب المنصف الاجتہاد والفتوی، بیروت دار البشائر الاسلامیۃ ۱۴۳۸ھ)

نقل صحیح قرآن کریم اور صحیح سنت رسول، ان دونوں کے ذریعہ اس کا بیان ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں سے فرائض وواجبات کی ادائیگی اور محرمات اور منکرات سے اجتناب چاہتا ہے، تمام امور ومعاملات میں صراط مستقیم کی ہدایت انسانی ضروریات کی چیزیں اور دنیا و آخرت کی سعادت، گمراہی اور شر وفساد کے طریقے اور مفسدین وگمراہوں کے راستے ان کا علم نقل صحیح سے ہوتا ہے۔

نقل کے ذریعہ ہی غیبیات کا بیان اور انسان کی حاجت کے بقدر ان کی ضروری تفاصیل کا علم ہوتا ہے، صرف عقل کے ذریعہ ان غائبانہ چیزوں کی تفاصیل کا علم حاصل نہیں ہوسکتا، اس طرح نقل کے ذریعہ عبادات، دینی شعائر کی تفاصیل، ان کی صورت ومقدار اللہ کی مشیت کے مطابق معلوم ہوتی ہے، عقل کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ یہ معلوم کرسکے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں سے بالتفصیل کیا چاہتا ہے۔

نقل وعقل دونوں کا خاص کام ہے، بعض حالات میں ان میں سے ایک دوسرے کے کام کی تکمیل کرتی ہے، لیکن دونوں کے درمیان خلط ملط یا ایک کی میزان دوسرے کے لئے استعمال کرنا اس سے فساد، کمی ونقص پیدا ہوکر گمراہی تک پہونچنا ہوتا ہے، جب عقل کو نقل کے دائرہ کار میں استعمال کیا جائے تو بڑا خلل اور زبردست فساد پیدا ہوتا ہے مثلاً غیب سے متعلق چیزوں کا بیان، اور وحی کی مدد کے بغیر دینی شعائر کی تشریح، ان میں کمی زیادتی یا تغیر کرنے سے راستہ مسدود ہوجاتا ہے، ہدایت حاصل نہیں ہوتی اور نور باقی نہیں رہتا جس کی روشنی میں شعائر دینیہ پر عمل ہوتا اور تفاصیل کا علم ہوتا ہے، مثلاً فرض نماز، ہر نماز میں تعداد رکعات، ان کی ادائیگی کے اوقات وغیرہ، اسی طرح روزہ، حج کی تفاصیل، ان شعائر میں کمی زیادتی یا تغیر کی صورت میں گوناگوں بدعات میں گرفتار ہوکر گمراہ ہوتا ہے۔

خالص عبادات اور دینی شعائر کی میزان میں نص شرعی کے وجود پر اعتماد کیا جاتا ہے اس میں تغیر یا زیادتی ناپسندیدہ بدعت تک پہونچا دیتی ہے، خالص عبادات اور دینی شعائر دو چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں:

اول: معبود نے اس کی اجازت دی ہو، اس سے راضی ہو اور کوئی نص شرعی ہو جو اس پر دلالت کرنے والی ہو۔

دوم: اللہ تعالی کی دی ہوئی اجازت کے مطابق عبادت یا دینی شعیرہ (نماز وحج وغیرہ) کو ادا کیا جارہا ہو۔

اور دنیا سے متعلق جتنی بھی چیزیں ہیں اور عادات کی میزان وہ حقیقت سے اختراع وایجاد کرتا ہے تاکہ انسان کی خلقت سے متعلق جو قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے اس کی تحقیق ہوسکے، وہ دنیا کو آباد کرتا اور اس میں تعمیر کرتا ہے، ارشاد ہے: هو أنشأكم من الأرض و استعمر كم فيها (هود: ٦١) ترجمہ: اسی نے بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں۔

اس لئے جب خالص عبادات کے موازین کو عادات میں داخل کیا جاتا ہے اور عادات کو عبادتی شعائر کے تابع کیا جاتا ہے، اور دنیاوی سرگرمی میں بدعت کو ایجاد واختراع سمجھا جاتا ہے تو جیسا کہ آگے ذکر آئے گا اضطراب وانتشار پیدا ہوجاتا ہے، اس سے دنیا میں جمود اور پچھڑا پن پیدا ہوتا ہے، اور بلاوجہ تکفیر وتضلیل دین میں پیدا ہوتی ہے۔

نقل صحیح اور عقل سلیم دونوں کا مقام ومرتبہ معلوم ہے، اس سے تجاوز جائز نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں میں تداخل نہیں، بلکہ نقل

انسانی نشاطات سے متعلق احکام شرعیہ کو یا تو صریح نص سے واضح کرتی ہے، یا مبادئ عامہ یا عقل کے ذریعہ اجتہاد سے بیان کرتی ہے، عقل سے نص شرعی کی فہم اور استدلال کے اعتبار سے تشریح وتوضیح آتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

اس میزان کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اکثر لوگ احکام، تصورات میں غلطیاں کرتے ہیں، ان میں سے بعض لوگ عقل کو تنہا اساس و بنیاد قرار دیتے ہیں، نقل کا درجہ ومقام کتنا ہی بلند ہو وہ ان کے نزدیک عقل کے تابع ہوتی ہے، اس سے زبردست غلطی اور عظیم خطایہ پیدا ہوتی ہے کہ نصوص شرعیہ میں یا تو بے پرواہی برتی جاتی ہے یا ایسی تاویل کی جاتی ہے جس میں تاویل کی صحت وشروط کا لحاظ وخیال نہیں رکھا جاتا، جیسا کہ جمہور معتزلہ وغیرہ نے کیا کہ آیات قرآنی اور صحیح احادیث کی ایسی تاویل کی جس سے ان میں خلل واقع ہوگیا اور یہ اس دعوی سے کیا گیا کہ وہ عقل سے متعارض ہو رہی تھیں، مثلاً معتزلہ نے غائب کا حاضر پر قیاس کرتے ہوئے اللہ تعالی کی صفات کا انکار کیا، انہوں نے کہا کہ متعدد صفات قدیمہ کے قول کو تسلیم کرنے کی صورت میں متعدد قدماء کا قول تسلیم کرنا پڑے گا، اس مسئلہ میں انہوں نے فلاسفہ خاص طور سے ''افلاطون'' کے قول کے مطابق ذات الٰہی سے خارج صفات کی نفی کی، اور کہا کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے اعتبار سے عالم، قادر اور حی ہے اور موجود بذاتہ ہے، یہاں تک کہ ابوھذیل معتزلی نے کہا کہ اللہ تعالی اس علم کی وجہ سے عالم ہے جو خود ذات الٰہی ہے، انہوں نے صفات سے متعلق آیات قرآنی میں تاویل کی اور انہیں چار صفتوں حیات، علم، وجود، اور قدرت میں منحصر کر دیا۔ (۱) مقالات الاسلامیین للأ شعری ۲۵۸/۱، شرح الأ صول الخمسۃ للقاضی عبدالجبار ص ۱۵۱، والمغنی ۳/ ۲۷۳، والموسوعۃ المیسر ۃ فی الأ دیان والمذ اہب ۶۴/۱)

اسی طرح رؤیت باری تعالی سے متعلق آیات میں تاویل کی جیسے وجوه يومئذ ناضرة (القيامة: ٢٣) ترجمہ: کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے

عرب کہتے ہیں کہ جب نظر الی کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی دیکھنے کے ہوتے ہیں، معتزلہ نے اس کی تاویل منتظرہ سے کی جبکہ متفق علیہ صحیح حدیث ہے کہ: انكم سترون ربكم يوم القيامة كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته (البخاری مع الفتح: ١٣/ ٤١٩، ٤٣٤، مسلم كتاب الايمان ١٥٨ -١٧٣) ترجمہ: تم عنقریب اپنے رب کو قیامت کے دن اس طرح دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو دیکھتے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی

انہوں نے اس صحیح حدیث کو اس لئے قابل توجیہ قرار نہیں دیا کہ وہ عقل سے متعارض تھی، یہ سب اس لئے ہوا کہ عقل کو وہاں داخل کیا گیا جو اس کا میدان نہیں تھا، اس لئے کہ اللہ تعالی کی ذات عالی اور اس کی صفات ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں، ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اللہ تعالی پر ایمان لائیں اور عقل کے ذریعہ اس کی صفات کو ثابت کریں، البتہ اللہ تعالی کی رؤیت ودیدار تو وہ اس طرح ہوگا جو اللہ کی ذات گرامی کے لائق ہوگا، اس میں تشبیہ، تجسیم اور تعطیل قیامت کے دن کی موازین کے مطابق مطلق نہ ہوگی۔

یہی صورتحال اس وقت ہوگی جب بدعت ونئی بات کو اس کے دائرہ سے الگ استعمال کیا جائے گا اور نصوص شرعیہ کو ایسے امور میں داخل کیا جائے گا جو اس کے اختصاص سے الگ ہوں گے، اور تمام علمی سرگرمیوں اور ایجادات واختراعات کو خالص عبادتوں اور تعبدی شعائر کی میزان کے تابع کر دیا جائے گا تو اس وقت جمود پیدا ہوگا اور اختراع وایجاد رک جائے گی، تخلف اور تہذیب کے گڑھے یا غار میں اترنا ہوگا۔

فقہ المیز ان کی روشنی میں امت مسلمہ تمام میدانوں میں وحی سے استفادہ اور عقل سے نفع حاصل کرے گی، نہ کوئی تعارض ہوگا اور نہ کوئی تناقض ہوگا۔

اس میزان کے زیر سایہ نقل صحیح اور عقل سلیم میں کبھی کوئی اختلاف وتعارض نہیں ہوسکتا، تمام محقق علماء کرام کا قدیم وجدید یہی نظریہ ہے،

علامہ فخر الرازی نے اپنی تفسیر کبیر میں اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنی عظیم کتاب ''درء تعارض العقل والنقل'' جو ۱۲ جلدوں میں ہے اس مسئلہ میں نفیس ترین بحث کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ بعض علماء کلام نے اس مسئلہ میں ایک قانون وضع کیا ہے اگر دلائل سمعیہ اور دلائل عقلیہ میں یا سمع اور نقل یا نقل وعقل میں یا ظواہر نقلیہ اور قواطع عقلیہ میں تعارض ہو جائے تو عقل کو مقدم کیا جائے گا، نقل میں یا تو تاویل کی جائے گی یا در پیش مسئلہ کو اللہ تعالی کے علم کو تفویض کر دیا جائے گا۔

علامہ ابن تیمیہ نے ان علماء کلام کا کافی شافی رد فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان کی دلیل باطل ہے، پھر طویل مناقشات کے بعد کہا کہ یہ احتمال غیر صحیح اور یہ مفروضہ بالکل باطل ہے، نقل صحیح اور عقل سلیم میں کبھی بھی حقیقی تعارض نہیں ہوسکتا۔ (۱) درء التعارض العقل والنقل، ابن تیمیۃ تحقیق ڈاکٹر محمد رشاد، جامعہ امام محمد بن سعود)

عقل بشری کتنی ہی بلندی پر پہنچ جائے وہ کبھی بھی غیب کے حقائق نہیں کھول سکتی، غیب سے متعلق تفاصیل معلوم نہیں کر سکتی، اور نہ ہی ہدایت، حق، صحیح و درست ایمانی واجبات کو دریافت کر سکتی ہے، ورنہ پھر قیام حجت کے لئے انبیاء کرام کے ارسال کرنے کی کیا ضرورت تھی، ارشاد ہے: وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا رُّسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء: ١٦٥ -١٦٤) ترجمہ: اور (ہم نے بھیجے) ایسے رسول جن کا حال اس سے پہلے ہم تمہیں سنا چکے ہیں اور ایسے رسول جن کے متعلق ہم نے تمہیں نہیں بتایا، اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا (ہم نے بھیجے) پیغمبر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تا کہ ان لوگوں کا اللہ پر پیغمبروں کے بعد الزام نہ رہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے

عقل انسانی کا یہ کام نہیں کہ وہ صحت و بطلان کسی بھی حیثیت سے شریعت پر کوئی قلم لگائے، جبکہ نص شرعی کی صحت مؤکد ہو جائے، اللہ سبحانہ وتعالی نے جو عقائد، عبادات اور قوانین بنائے ہیں اگر ان کے مطابق قطعی الدلالہ کوئی نص موجود ہو، اور اس نص کا کوئی معارض شرعاً مقبول کوئی دوسرا نص نہ ہو تو عقل کو یہ حق نہیں کہ وہ اسے کلی یا جزئی کسی بھی حیثیت سے رد کرے، البتہ اسے یہ اختیار ہوگا، نص کے ظنی الدلالۃ ہونے کی صورت میں وہ شانِ نزول کو دیکھے یا اجتہاد کرے۔

عقل کا رول بہت بڑا اور انتہائی عظیم ہے، وہ وظیفہ یا پیغام جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوتی ہے، وہ اپنے وسیع معنی کے اعتبار سے عبادت، زمین کی خلافت اور اللہ تعالی کے مقرر کئے ہوئے طریقہ کے مطابق اور اس کی روشنی میں ایجادات واختراعات کرنا اور زمین کو آباد کرنا ہے، اسی کے ساتھ معروف قواعد کی روشنی میں نصوص شرعیہ کے اندر اجتہاد کرنے کا بھی اسے اختیار ہے، کوئی ادارہ یا تنظیم یا اقتدار یا شخص ایسا نہیں جو عقل پر نص کے مقصود ومطلوب کو معلوم کرنے پر روک لگائے جب تک کہ عقل صحیح ضوابط وقواعد، صحیح اصول وثوابت کے دائرہ میں رہ کر کام کرے اور اس سے باہر نہ نکلے۔

اسلام عقل کا مذہب ہے، وہ اپنے قضیوں او مسائل میں عقل کو مخاطب کرتا اور اس پر قدغن نہیں لگاتا، وہ عقل کو مخاطب کرتا ہے، اسے تکالیف شرعیہ کا محور بناتا ہے، اس کی تکریم کرتا اور اسی عقل کی وجہ سے انسان کو دوسری تمام مخلوقات پر فضیلت دیتا ہے، وہ اس ایمان کا مطالبہ کرتا ہے جسے عقل نے قناعت کے بعد قبول کیا۔

اس میزان میں خلل اور اسے نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت زیادہ افراط وتفریط اور نقص پیدا ہوا، بعض لوگوں نے تو عقل کو معبود کا درجہ دیا، اور

اسے ہر چیز یہاں تک کہ صحیح دینی ثوابت وضوابط کا حاکم بنا دیا، اور بعض دوسرے افراد نے عقل انسانی کو بالائے طاق رکھ دیا اور اسے مطلق اہمیت نہیں دی، حقیقت یہ ہے کہ دونوں گروہ درست راستے سے بھٹک گئے۔

اس لئے تنہا عقل غیبیات کی حقیقت اور خاص عبادات کی افادیت کو صحیح وحی کے علاوہ کسی اور راستہ سے نہیں سمجھ سکتی، وحی ہی عقل کے لئے راستہ ہموار کرتی اور صراط مستقیم کی وضاحت کرتی ہے، اسے ذاتی عیوب اور خواہشات نفسانی، میلانات ورجحانات سے بچاتی ہے، اور علم و معرفت اور تجربہ واستقامت اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق عطا کرتی ہے، وحی عقل کے لئے روشنی کا مینار اور وہ نور ہے جو اس کے لئے راستہ روشن کرتی ہے۔

عقل کو اس کی تمام طاقت کے استعمال کے بغیر اور اللہ تعالی کی عطا کردہ صلاحیت کے بنا، نہ تو زمین میں خلافت کا حق ادا ہوسکتا ہے اور نہ ہی زمین کی آبادی، تعمیر اور تہذیب وتمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے۔

د قضاوقدر اور تکالیف شرعیہ (اوامر ونواہی) کی میزان:

عقائدی انحراف کے اسباب میں قضاء وقدر اور تکلیف اور ذمہ داری کی میزان میں خلط ملط بھی اہم سبب ہے، قضاء وقدر سے متعلق ثابت نصوص کی میزان، اللہ تعالی پر جو کہ قادر مطلق ہے سچا ایمان لانا، یہ ایمان قدر کے واقع ہونے سے پہلے لایا جائے گا اور قدر کے واقع ہونے کے بعد، مؤمن قدر سے، صبر اور تسلی حاصل کرتا ہے کہ یہ بات پہلے سے مقدر تھی اور خیر وبھلائی اللہ تعالی کے اختیار کردہ فیصلہ ہیں چاہے اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، اس سے مؤمن کو صبر وتحمل کی قدرت وطاقت حاصل ہوتی ہے، ارشاد ہے: لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (الحدید: ۲۳) ترجمہ: تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تمہیں دے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔

تکلیف کی میزان اس بات کی مقتضی ہے کہ اگر مکلّف کوئی حرام کام کرتا ہے تو وہ اپنے عمل کی ذمہ داری برداشت کرے اور گنہگار ہونے کی وجہ سے دنیا وآخرت میں یا صرف آخرت میں عقاب وسزا کا مستحق ہو، یا مکلّف کوئی واجب یا مستحب کام کرتا ہے تو اسے اجر وثواب ملے یا اگر کوئی مباح کام کرتا ہے تو گنہگار نہ ہو، تکلیف کی میزان ثواب، عذاب کے اعتبار سے سببیت، علت، قدرت اور اختیار پر ہے، مکلّف اپنے فعل کا ذمہ دار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مسئولیت کے بقدر ارادہ واختیار رکھتا ہے، اگر ان دونوں موازین کے درمیان جمع کیا جائے اور ہر میزان کو اس کے مقام پر رکھا جائے، پہلی میزان کو ایمان کے دائرہ میں اور دوسری کو اللہ تعالی کے قانون کے مطابق کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالی انسان کو قدرت، ارادہ اور اختیار اس کے تصرفات وافعال کی ذمہ داری کے اعتبار سے دیتا ہے۔

اس اعتبار سے تکالیف شرعیہ سے متعلق خاص نصوص کو اور جزاء وثواب کو اس آخری میزان میں اور قضاوقدر پر ایمان سے متعلق نصوص کو پہلی میزان پر رکھا جائے۔

اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہوگا کہ منکرات، قتل وغارت گری اور فسق وفجور کو یہ کہہ کر جائز کرلیا جائے کہ یہ تو مقدر تھا، اس لئے کہ اس مقدر کا تعلق علم غیب سے ہے جسے اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، انسان اس کا مکلّف ہے کہ اللہ تعالی نے جس چیز کا حکم دیا اسے کرے اور جس سے منع کیا اس سے اجتناب کرے، اوامر ونواہی سے متعلق تکلیف شرعی کی میزان تنفیذ پر قائم ہے جب اس کی معتبر شروط پائی جائیں۔

دونوں میزانوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، قضاء وقدر کی میزان اللہ تعالی کے علم، قدرت اور ارادہ کے ساتھ خاص ہے، ہم صرف اس

کی تصدیق کرنے اور اس کے نتائج پر راضی رہنے کے مکلّف ہیں، اگر خیر ظاہر ہوتو اس پر شکر کریں اور اگر آزمائش وشر ظاہر ہوتو اس پر صبر کریں۔

اوامر ونواہی کی میزان وجوب تنفیذ پر قائم ہے، اگر مکلّف تنفیذ پر قادر ہے اور تکلیف شرعی کی بقیہ شروط پائی جاتی ہیں تو اسے اوامر و نواہی پر عمل کرنا ہوگا، اس طرح تصدیق اور تنفیذ میں کوئی تعارض نہیں، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں موازین کی سمجھ رکھنے والا وہ اپنے امکان بھر خیر کو حاصل کرنے کی سعی وکوشش کرتا ہے ''اعملوا فکل میسر لم خلق له'' (یہ حدیث کا ٹکڑا ہے)

شیطان کے انحراف کی میزان:

عظیم انحراف اور خلل شیطان کی میزان میں واقع ہوا جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے، جب اللہ تعالی نے اس کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے تو اس نے باوجود اس اعتراف کہ اللہ تعالی خالق ہے تکبر کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، ارشاد ہے: يَـآ اِبۡلِيۡـسُ مَـا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡـجُـدَ لِـمَـا خَلَقۡتُ بِيَدَيَّ اَسۡتَكۡـبَـرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ قَالَ اَنَا خَيۡـرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِيۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَه مِنۡ طِيۡنٍ (ص:۷۵-۷۶)

ترجمہ: فرمایا اے ابلیس تمہیں اس کے سامنے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، کیا تو نے تکبر کیا یا تو بڑوں میں سے تھا اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔

ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کی میزان دو چیزوں کو بنایا، ایک میزان یہ کہ وہ افضل ہے اس لئے کہ اسے آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا، اور دوسری میزان یہ کہ افضل مفضول کو سجدہ نہیں کرتا، دونوں میزان باطل ہیں:

پہلی میزان دو باطل مقدموں سے بنتی ہے:

پہلا مقدمہ: آگ مٹی اور زمین سے افضل ہے، اس پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ مٹی آگ سے افضل ہو، اس لئے کہ مٹی، تراب اور پانی سے بنتی ہے، اور یہ دونوں تمام حیوانات اور نباتات کا قوام ہیں، جبکہ آگ ہلاک کرنے والی اور فساد پھیلانے والی ہے، اس کا فساد بہت بڑا ہے، اس لئے یہ مقدمہ غیر تسلیم شدہ ہے بلکہ باطل ہے۔

دوسرا مقدمہ: کہ ابلیس آدم علیہ السلام سے بہتر ہے اس لئے کہ اس کی اصل حضرت آدم سے افضل ہے، یہ مقدمہ بھی اس وجہ سے باطل ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کی اصل فطرت آدم کی اصل سے افضل ہے، غیر مسلم ہے جیسا کہ گزرا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تسلیم شدہ نہیں ہے کہ افضل سے بنا ہوا خود بھی افضل ہو، یہ اس وجہ سے کہ:

أ۔ بعض مصنوعات مضبوط و پختہ جدید لوہے اور تانبے سے بنی ہوئی چیزیں سونے سے بنی ہوئی چیزوں سے افضل اور زیادہ قیمتی ہوتی ہیں، اس لئے کہ پیتل معدنیات جوڑنے ملانے کے لئے سب سے افضل ہوتا ہے، سونے سے افضل ہوتا ہے۔

ب۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کافر آذر کے نطفہ سے پیدا ہوئے اور آذر سے بہت افضل تھے۔

وہ نتیجہ جہاں شیطان پہونچا وہ دو باطل مقدمات پر مبنی تھا، اس لئے وہ نتیجہ باطل ہوا اور اگر دونوں مقدموں کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو جب بھی نتیجہ غیر مقبول اور غیر معتدل ہوگا، اس لئے کہ وہ مخلوق کی میزان سے متعارض ہوگا، کیونکہ جب مخلوق کو اس کے خالق نے سجدہ کا حکم دیا تو مخلوق کو اس کی اطاعت کرنا واجب تھا۔

اگر شیطان خالق کے سامنے جھکنے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی میزان کا اعتبار کرتا تو اس بڑی غلطی کا شکار نہ ہوتا، اور نہ اس کی وجہ سے عجیب وغریب تناقض میں گرفتار ہوتا، وہ خالق کا اقرار کرنے والا، اس پر ایمان لانے والا تھا، لیکن الزامی طور پر جو حکم اس کو دیا گیا تھا اس

میں اس نے خالق کی اطاعت نہیں کی۔

ج۔ خیر اور تکلیف کے میزان

خیر کی ہر میزان جسے اللہ تعالی نے بیان فرمایا وہ سچی اور یقینی طور پر واقع ہونے والی ہے چاہے اس کا وقوع ماضی میں ہوا ہو یا حال اور مستقبل میں ہو مثلاً اللہ تعالی نے آسمانوں کی تخلیق کے وقت کیا کیا، یا خلق وامر کس طرح ہوگا، یا قیامت سے متعلق اللہ تعالی نے جو کچھ فرمایا، یا اللہ تعالی نے رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کے بارے میں خبر دی، یا اہل ایمان کی زمین پر قبضہ کی اطلاع وغیرہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے، یا جس کی خبر اللہ کے رسول نے دی ہے، یہ تمام خبریں جو اللہ تعالی اور اس کے رسول نے دیں، دین حق میں واقع ہیں یا واقع ہونے والی ہیں جن میں مطلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لیکن اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوامر ونواہی اور تکالیف تو ان کا تعلق بندوں سے ہے، جب کہ تکلیف کی شروط کے ساتھ قدرت، ارادہ، استطاعت اور عزم پایا جانا بھی ہے، دوسری قسم متحقق بھی ہوسکتی ہے اور متحقق نہیں بھی ہوسکتی۔

اسی وجہ سے اگر کسی کو اللہ اور اس کے رسول کی خیر کی میزان کا علم ہو، تکالیف کے میزان کا علم ہو اور وہ ان دونوں میں تمیز کرسکتا ہو اور ان میں خلط ملط نہ کرے وہ دلیل ہدایت اور بصیرت سے متصف ہوگا، لیکن اگر کسی کے اندر اس کی سمجھ وفہم نہیں ہوگی تو وہ فکری اعتبار سے مضطرب و پریشان اور الٰہی اخبار واقدار اور تکالیف شرعیہ میں خلط ملط کرے گا، مثلاً مسجد حرام سے متعلق اللہ تعالی کا فرمان: و من دخلہ کان آمنا (آل عمران:۹۷) ترجمہ: اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا۔

یہ آیت کریمہ اگر چہ صیغہ امر میں واقع ہوئی ہے لیکن یہ ایک تکلیف شرعی ہے اور اولی الأمر اس کی بھرپور اپنے امکان بھر کوشش کریں کہ جو مسجد حرام میں داخل ہوا سے امن وامان ملے، لیکن بعض لوگوں نے اس کو خبر سمجھا ہے اور اس کا مطلب یہ نکالا ہے کہ جو بھی حرم شریف میں داخل ہوگا وہ اللہ تعالی کی تقدیر سے امن وامان میں ہو جائے گا، اسی وجہ سے یہ لوگ حرم شریف میں قتل وغارت گری کے واقعات اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد سے اس قسم کے واقعات ہوتے رہے اس سے یہ لوگ حیرت زدہ ہیں۔

فقہ المیزان میں یہ خلل اس وجہ سے ہوا کہ اس آیت کریمہ کو جس کا تعلق میزان تکلیف سے تھا، اسے میزان خبر میں داخل کر دیا گیا۔

و۔ تکفیر سے متعلق میزان القاضی ومیزان الداعی

اس موضوع میں بھی لوگوں کی آراء اور افعال میں اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے فقہ المیزان پر دقت وباریکی سے اعتماد نہیں کیا، ایمان کے معنی اللہ تعالی کے وجود اس کی صفات، ملائکہ، آسمانی کتابیں، اس کے رسول وپیغمبر، یوم آخرت اور قضا وقدر پر ایمان ہونے کے ہیں اور دل سے تصدیق کرنے کے ہیں، اور تصدیق کا تعلق دل سے ہے، اور دل کا حال اللہ تعالی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اس لئے اگر کوئی زبان سے اس کی تصدیق کرتا ہو تو اس کے ظاہر پر حکم لگاتے ہوئے اسے مؤمن کہیں گے اور دل کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں گے، ہم کسی شخص پر ایمان سے خارج ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگا سکتے جب تک کہ قطعی طور پر اس سے ایسا عمل صادر نہ ہو جو خلاف ایمان ہو، ایسی صورت میں ہم اس عمل پر کفر ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں۔

لیکن جس شخص سے وہ عمل صادر ہوا ہو جو کفر صریح ہو تو اس پر کفر کا فتوی لگانا اور اسے کافر کہنا جائز نہیں ہے ہوسکتا ہے اس شخص کے پاس کوئی تاویل ہو، البتہ حاکم وقت اس کے ساتھ تحقیق کرے گا، اس سے پوچھا گا کہ اس کی کیا نیت اور ارادہ تھا، اس طرح کہنے والے کی حالت، علم جہل اور عقل اور دوسرے عوارض کو بھی دیکھا جائے گا، حاکم وقت کے علاوہ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی معین شخص پر کفر کا حکم لگائے، لوگوں کو یہ اختیار ہوگا کسی صادر ہونے والے کسی قول فعل کے بارے میں وہ کہیں کہ یہ کفر ہے، لیکن یہ بھی اس وقت جائز ہوگا جب وہ قول یا فعل صریح کفر ہو۔

یہاں قاضی وحاکم کی میزان اور وہ داعی جس کا کام بیان وارشاد، توجیہ واصلاح اور حکمت وموعظت حسنہ سے دعوت دینا ہے، اس کی میزان میں تداخل ہوجائے گا، اسی وجہ سے شیخ ھضیبی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت تکفیر وہجرت پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہم تو داعی ہیں قاضی نہیں ہیں''

ز۔ توکل اور اسباب کو اختیار کرنے کی میزان:

اسی طرح توکل اور اسباب کو اختیار کرنے کی میزان میں بھی خلط وآمیزش ہوتی ہے توکل کی میزان، عقیدہ اور اس کی تصدیق پر قائم ہے کہ ہر چیز اللہ تعالی کے اختیار میں ہے، مدد اللہ تعالی کی طرف سے آتی ہے، رزق اور موت دونوں مقسوم ہیں، ارشاد ہے: وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّه لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ (الذاریات:۲۲-۲۳) ترجمہ: اور تمہاری روزی آسمان میں ہے اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے پس آسمان اور زمین کے مالک کی قسم ہے بے شک یہ (قرآن) برحق ہے جیسا تم باتیں کرتے ہو

اسباب کو اختیار کرنے کی میزان علت وسببیت، نصرت وہزیمت، مالداری وفقر، قوت وضعف، تہذیب وتخلف کے الٰہی طریقوں پر ہوتی ہے، آسمان سے سونے چاندی کی بارش نہیں ہوتی، انسان کے لئے کوئی چیز اس وقت تک متحقق نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کے سبب کو اختیار نہ کرے، سوائے معجزات کے کہ ان کی میزان خاص ہے، اللہ تعالی نے اسباب ومسببات کو پیدا فرمایا، لیکن اپنے اس قاعدہ کے خلاف اللہ تعالی اس وقت کرتے ہیں جب انبیاء کرام کو چیلنج کیا جاتا ہے، ان دونوں میزانوں کو حقیقتاً سمجھنے کی وجہ سے کبھی خلط ولبس نہیں ہوتا کیونکہ دونوں میزانوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، ان میں سے ایک کا تعلق عقیدہ سے ہے، مؤمن کے لئے یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے اور دوسرے کا تعلق عمل سے ہے، دونوں کا حکم دیا گیا ہے، اور دونوں شرعاً مطلوب ہیں، دونوں میں تعارض وتناقض نہیں ہے، لیکن جو اسے نہیں سمجھے گا تو خلط واشتباہ میں گرفتار ہوجائے گا یا تو وہ عمل کو ترک کرکے اور اسباب کو چھوڑ کر توکل کرے گا، یا پھر اسباب مادیہ پر اعتماد کرکے گمراہ ہوگا، اور مادہ اور خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود بنائے گا۔

ح۔ اللہ تعالی کے طریقے اور ضابطے اور معجزات کی میزان:

اس عالم کے طور طریقے، قواعد وضوابط اور عام وثابت قوانین ہیں جو بدلتے اور متغیر نہیں ہوتے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (احزاب:٦٢) ترجمہ: یہی اللہ کا قانون ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، اور آپ اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی ہرگز نہ پائیں گے۔

اور ارشاد ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (الفتح:۲۳) ترجمہ: اللہ کا قدیم دستور پہلے سے یونہی چلا آتا ہے اور تو اس کے دستور کو بدلا ہوا نہ پائے گا۔

اللہ تعالی کے قانون ظالمین کو ہلاک کرنا ہے، اللہ تعالی نے ہلاکت کو ظلم وطغیان سے مربوط فرمایا ہے، ارشاد ہے: هل يهلك الا القوم الظالمون (الأنعام:٤٧) ترجمہ: تو کون ہلاک ہوگا ظالم لوگوں کے سوا۔

اور ارشاد فرمایا: حَتّٰی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ عَلَیْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیَاتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (یونس:۲٤) ترجمہ: یہاں تک کہ جب زمین سبزے سے خوبصورت اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں، تو اس پر ہماری طرف سے دن یا رات میں کوئی حادثہ آپڑا سو ہم نے اسے ایسا صاف کردیا کہ گویا کل وہاں کچھ بھی نہ تھا، اس طرح ہم نشانیوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالی کا پختہ، ثابت اور شامل قانون مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے ہے، یہ اللہ تعالی کے لئے لازم نہیں ہے لیکن اللہ تعالی نے اسے اپنے لئے واجب کرلیا ہے: کتب علی نفسه الرحمة (الأنعام:۱۲) ترجمہ: اس نے لکھا ہے اپنے ذمہ مہربانی

اسباب کو اختیار کرنے کے لئے کامیابی اور خسارہ دونوں اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے، فرمایا: لَّيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (النساء:۱۲۳) ترجمہ: نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر، جو کوئی برائی کا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی، اور اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں پائے گا۔

یہ اللہ تعالی کا عام، شامل، ثابت و پختہ قانون ہے اسی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس پر عمل کرنے کے بہت زیادہ حریص تھے، ہجرت کی رات نکلتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احتیاطیں کیں جبکہ آپ جانتے تھے اور فرماتے تھے: لا تحزن ان الله معنا (التوبة: ٤٠) ترجمہ: تو غم نہ کھا بیشک اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے۔

باوجود نبی ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزات اور خوارق عادات پر اعتماد نہیں کیا، لیکن اللہ تعالی پر پورا اعتماد و بھروسہ کیا، اسی وجہ سے آپ اللہ کی مدد اور توفیق پر مطمئن تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی پر پورا توکل کرتے ہوئے اسباب کو بھی اختیار کیا، ان دونوں چیزوں کا حکم بھی دیا گیا ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کیا، جو ہمارے لئے اسوہ ونمونہ ہے، آپ نے تمام اسباب کو اختیار کیا تمام معاملات کو مرتب کیا پھر اللہ تعالی سے دعاء وتضرع کیا۔

یہ اللہ تعالی کے قوانین وضوابط ہیں، ان میں اہم ضابطہ اسباب کو اختیار کرنا ہے، لیکن جب یہ قانون بنانے والا ہی معجزات کی شکل میں اس قانون کے خلاف کرے تو یہ صرف اللہ تعالی کو اختیار ہے، انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں، انسان کے لئے جیسا کہ علماء کرام کا اجماع ہے اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ توکل کرتے ہوئے کبھی بھی اسباب کو ترک کرنا جائز نہیں۔

معجزات کی میزان خرق عادات سے متعلق اللہ تعالی کی قدرت پر قائم ہے، وہ اسباب کی میزان نہیں جسے سبب اور علت کا نام دیا جاتا ہے، اس وجہ سے جو اللہ تعالی پر ایمان لانے والا ہے اس کی تصدیق کرتا اور جو ایمان لانے والا نہیں ہے وہ تصدیق نہیں کرتا۔

وہ حسب ظاہر معقول پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ جو اللہ تعالی کی طرف سے مقدر ہے اور اس کی قدرت مطلقہ کے تابع ہے اس پر اعتماد کرتا ہے، مثلاً عصا کا بڑا سارا اژدھا بن جانا اور جادوگروں کے سحر سے پیدا شدہ سانپوں کو کھا جانا پھر اللہ تعالی کی قدرت خلقت سے اپنی پہلی حالت پر واپس آجانا اس پر سببیت اور علیت کا قانون منطبق نہیں ہوگا۔

معجزات کے علاوہ جو امور عادیہ ہیں ان پر سببیت کی میزان اور علیت کے قوانین منطبق ہوتے ہیں، ہر چیز کے لئے اللہ تعالی نے جو اسباب بنائے ہیں ان کو اختیار کئے بغیر وہ چیز وجود میں نہیں آتی۔

ان دونوں میزان میں خلط کی وجہ سے بعض لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور معجزات کا انکار کر دیتے ہیں، بعض لوگ ان میں وسعت پیدا کرتے، ان پر قیاس کرتے اور امت کا انجام اس سے مربوط کرتے ہیں، یہ دونوں ہی غلط ہیں۔

اگر دوسرے پہلو سے دیکھیں تو مادی معجزات کی میزان میں خاص استثناء ہوتا ہے، اس پر امت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، اس سے کسی حکومت یا تہذیب کو مراد لیا جاسکتا ہے، اور نہ وہ مادی معجزہ باقی رہتا ہے بلکہ وہ معجزہ صاحب رسالت کی تصدیق اور ایمان کی تحقیق کے لئے ہوتا ہے، کسی امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا انجام اس سے باندھے یا اس کے وقوع کا انتظار کرے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعمیر، تقدم اور حصول تہذیب کے لئے اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقے پر چلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

عظیم الشان معجزہ قرآن کریم جو بذات خود زندگی کا دستور ہے، سوائے خاص استثنائی حالات کے آپ نے خوارق عادات کو اپنا معجزہ نہیں بنایا، تاکہ آپ کی امت اسباب وقوانین کو استعمال کرے تاکہ اللہ تعالی کی زمین اور اس پر جو کچھ ہے اس کی وارث ہو۔

ط۔ تخییر اور جبر وقدر کی میزان:

جو بھی قدیم یا جدید فلسفہ یہاں تک کہ علم کلام کا مطالعہ کرے گا وہ اس مسئلہ کو سمجھنے میں صعوبت محسوس کرے گا کہ انسان کو اختیار ہے یا وہ مجبور ہے، اس مسئلہ میں فلاسفہ یونان وروم زیادہ تر اہل کتاب اور اسلامی فرقے وجماعتیں الجھتی رہیں، بھٹکتی رہیں اور ان میں اختلافات ہوتے رہے، مختلف توجیہات پیش کی جاتی رہیں، لوگ افراط وتفریط کا شکار ہوئے، اگر ہم اختیار وجبر کے مسئلہ میں فقہ المیز ان کی طرف متوجہ ہوں تو اس مسئلہ کا حل آسان ہو جائے اور حقیقت واضح ہو جائے اور سارا التباس وغموض ختم ہو جائے۔

کیونکہ ہر وہ چیز جس کے کرنے کا اللہ تعالی نے مکلّف بنایا ہے اور اس کے بارے میں سوال محاسبہ ہوگا، ثواب وعقاب کا قاعدہ منطبق ہو گا، اس میں انسان کو اپنی کمزور وضعیف انسانیت کے بقدر ارادہ واختیار دیا، اس کا ارادہ واختیار اللہ تعالی جو کہ خالق، قوی اور قادر ہے اس کے ارادہ واختیار کی طرح نہیں ہے، اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو خیر وشر کا اختیار دیا گیا ہے، اور جن چیزوں کا مکلّف بنایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اختیار ہو، اسی طرح ثواب وعقاب کی میزان بھی ذمہ داری پر ہے اور اسی ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مخیّر، قادر ہو، اسی وجہ سے غیر عاقل کو عقاب وتکلیف نہیں دی جاتی کیونکہ اس کا کوئی ارادہ واختیار نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اسے مکلّف بنایا گیا تو یہ تکلیف بالمحال ہوگی جو خود محال ہے، اسی طرح یہ اس مقدس عدل سے متعارض ہوگا اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہوگا، البتہ وہ تمام چیزیں جس میں انسان سے محاسبہ اور سوال نہ ہوگا یا جس پر ثواب وعقاب نہ ہوگا اس میں انسان مجبور ہے جیسے انسان کی شکل وصورت، ذکورت وانوثت، رنگ، طول وعرض، جہل وغیرہ۔

انسان کے مختار ومرید ہونے اور اللہ تعالی کے ارادہ، مشیت اور اختیار میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارادہ انسان کے ارادہ سے مختلف ہے، اللہ تعالی کا ارادہ مطلق، غالب اور زبردست ہے جبکہ انسان کا ارادہ مقید، ضعیف اور اللہ تعالی کے ارادہ کے تابع ہے، لیکن اللہ تعالی کا قانون ہے کہ انسان کو مناسب ارادہ وقدرت دی جائے تاکہ وہ محاسبہ، سوال اور ثواب وعقاب کے قابل ہو، کیونکہ اللہ تعالی سب سے زیادہ عدل وانصاف والے ہیں، وہ بلا ارادہ واختیار انسان کا محاسبہ نہیں کریں گے۔

ان دونوں ارادوں اور مشیئتوں سے متعلق اگر ہم قرآنی آیات کو جمع کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ترازو کے دونوں پلوں پر واضح صورت سے ہماری بیان کردہ میزان کی روشنی میں پوری اتریں گی۔

ان موازین میں خلل کی وجہ سے جبریہ گمراہ ہوئے جنہوں نے کہا کہ انسان مجبور ہے اسے کوئی اختیار نہیں اور قدریہ نے انسان کے لئے مطلق اختیار ثابت کیا، اور یہ سب بندوں اور اللہ تعالی کے مطلق ارادہ کے بارے میں وارد آیات قرآنیہ کو باریکی سے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا، جبریہ نے اللہ تعالی کے فرمان: و ما تشاء ون الا أن يشاء الله رب العالمين (تکویر: ۲۹) ترجمہ: اور تم جب ہی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہاں کا مالک۔

اور اللہ کے فرمان: و ما رميت اذ رميت و لكن الله رمى (الانفال: ۱۷) ترجمہ: اور تو نے نہیں پھینکی مٹی خاک کی جس وقت کے پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔

یہ اور ان جیسی آیات سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے مجبور ہونے کو ثابت کیا۔

قدریہ نے اللہ تعالی کے فرمان: فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر (الكهف: ۲۹) ترجمہ: پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی

چاہے نہ مانے۔

اوراسی طرح کی آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ انسان کومطلق اختیار ہے، اگر ہم ایک دوسرے پہلو سے دیکھیں تو جبریہ نے اللہ تعالی کی عظمت اور قدرت کو دیکھا تو انہیں اللہ تعالی کے علاوہ کوئی اور فاعل نظر نہیں آیا، اور دوسرے فریق قدریہ نے مسئلہ تکلیف کو دیکھا کہ اللہ تعالی کی ذات گرامی اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مکلّف بنائیں، ان کا حساب کریں اور ان کو ثواب دیں، بلا اس کے کہ ان کو کچھ اختیار، ارادہ وقدرت ہو، دونوں فریق میں سے ہر ایک نے نصف حق لیا اور باقی نصف کو ترک کر دیا، جبکہ حق بات یہ تھی کہ ہماری ذکر کردہ میزان کے مطابق دونوں کو جمع کیا جاتا، علامہ ابن قیم فرماتے ہیں جبریہ کے دلائل صحیح ہیں اور قدریہ کے دلائل صحیح اور معاون ہیں جو بندہ کے فعل، اس کی قدرت، مشیئت واختیار کی نفی کرتے ہیں۔ (شفاء العلیل: ۵۱-۵۲)

اگر یہ دونوں تکلیف کی میزان اور اللہ تعالی کی قدرت کی میزان کی طرف رجوع کرتے تو اس اضطراب اور خلل کا شکار نہ ہوتے، اس وجہ سے علامہ ابن قیم نے فرمایا کہ اہل حق ہر گروہ کے موجود حق کو دوسرے گروہ کے موجود حق کے ساتھ جمع کرتے ہیں اور ہر گروہ کے باطل طریقہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ (شفاء العلیل: ۵۱-۵۲)

اس کا تعلق اس فقہ المیز ان سے ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف پر قائم کرتا اور لوگوں کے درمیان عدل کو متحقق کرتا ہے۔

فصلِ دوم

تعامل اقتصاد اور معاملات کے موازین

۱۔ جنگ اور صلح کی میزان:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ کی ، اپنی تمام عسکری ،نفسیاتی اور معنوی انواع کے ساتھ ایک خاص میزان ہے، دونوں طرفین میں سے ہر ایک غلبہ اور دوسرے پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے، جنگ ،قوت ،سختی اور شدت پر اعتماد کرتی اور اس میں ہر قسم کے حاصل شدہ ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں، اس میں دھوکہ، تمام اسٹریٹیجک پلان ومنصوبے مرحلے وار استعمال کئے جاتے ہیں تا کہ کسی بھی قیمت پر جنگ میں کامیابی حاصل ہو۔

جنگ میں ان تمام فطری امور کی شریعت میں ایک خاص میزان ہے، اور مذہبی اقدار و معیار عدالت ،عہد و مواثیق کو پورا کرنا بھی اس میں داخل ہے، جنگ سے متعلق آیات قرآنیہ میں شدت ،سختی اور قوت کا پہلو بھی ہے، اسی طرح دشمن کو کمزور کرنے ،اس پر فتح حاصل کرنے ،اور اس کو منتشر کرنے اور اسے کچلنے کے لئے اپنے مقدور بھر تمام جائز طریقے اختیار کئے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سختی وشدت پر دلالت کرنے والی تمام آیات ،خاص طور سے حالت جنگ سے ہیں، امن اور عہد و پیمان سے متعلق حالات اس میں داخل نہیں، ارشاد ربانی ہے:و لیجدوا فیکم غلظة (توبة:۱۲۳) ترجمہ: اور چاہئے کہ معلوم ہوان کو تمہارے اندر سختی۔

میزان حرب میں داخل ہے، اس سے مراد دشمن سے مقابلہ اور جنگ کے وقت شدت وسختی اختیار کی جائے گی ،ارشاد ہے:اشداء علی الکفار (الفتح:۲۹) ترجمہ: زور آور ہیں کافروں پر

یعنی جنگ کرنے والے کفار کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے والے ہیں، لیکن صلح اور معاہدہ چاہنے والے تو ان کے ساتھ اسلام شدت وسختی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اگر وہ مواطنین ہیں تو ان کے ساتھ مواطنین کے حقوق ادا کئے جائیں گے، اگر ان کے ساتھ عہد و پیمان ہے تو ان حقوق وقوانین کو پورا کرتے ہوئے ،حسن معاملہ کیا جائے گا، البتہ جن آیات قرآنی میں شدت وسختی اور قوت کے استعمال کرنے کی اجازت ہے انہیں جنگ کی میزان پر محمول کیا جائے گا۔

اسی طرح جنگ میں دھوکا، مجرم حرب قیدی کو قتل اور اس طرح کے جو احکام ہیں وہ جنگ کی میزان میں داخل اور اس کے تابع ہیں، ان کی تطبیق جنگ کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوگی۔

امن کی حالت میں شریعت میں اس کی خاص میزان ہے، اس کے خاص اسلامی اقدار و پیمانے ہیں ،نرمی ، رفق ، اچھا معاملہ، باہمی تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کے ساتھ ان کے ساتھ رہا جائے گا تا کہ اجتماعی تعلقات استوار رہیں اور معاشرہ کے اندر امن وامان اور صلح صفائی کی حالت قائم رہے۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ کی بھی ایک خاص میزان ہے، دعوت میں حکمت ،اچھی نصیحت اور اچھا نمونہ پیش نظر رہے، گفتگو اور نقاش وجدال میں بھی قول حسن ،نرم اسلوب اور اسلامی آداب واخلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے باہمی معاملہ کیا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ غیر مسلموں کے مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے ساتھ چار حالات ہیں:

پہلی حالت: جنگ کی حالت، اس کی خاص میزان ہے جس کے بارے میں ہم نے پہلے بیان کیا۔

دوسری حالت: ان مسلمانوں سے متعلق ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں رہتے ہیں، لیکن امن وامان عہد و پیمان کے ساتھ وہ ملک مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں چاہتا، اس صورت میں بھی میزان صلح جس کا ہم نے تذکرہ کیا منطبق ہوگی، قرآن کریم نے ان دونوں حالتوں کو ان کے موازین کے ساتھ بیان کیا ہے، ارشاد ہے: لَّا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (ممتحنة: ۸-۹) ترجمہ: اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تمہیں اللہ انہیں سے منع کرتا ہے کہ جو دین (کے معاملے) میں تم سے لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی یہ کہ ان سے دوستی کرو، اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں

تیسری حالت: تیسری قسم ان غیر مسلموں کی ہے جو اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت مواطنین کے رہتے ہیں، اور بمطابق معاہدہ ان کو حقوق و واجبات حاصل ہوتے ہیں، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا جس کے تحت یہودیوں اور مدینہ میں رہنے والے بت پرستوں کو وطنیت کے حقوق دیئے تھے۔ (۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للاستاذ محمد حمید اللہ، دار الارشاد بیروت، ص ۴۱-۴۸)

اسلام جس طرح مسلمانوں کے لئے ایمانی اخوت و بھائی چارگی کی تاکید کرتا ہے کہ انہیں ان کے حقوق و واجبات دیئے جائیں گے، اسی طرح اسلام انسانی اخوت کی میزان بتلاتا ہے جیسا کہ حجۃ الوداع میں حضور نے اپنے خطبہ میں فرمایا: أيها الناس ان ربكم واحد و ان أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي و لا لعجمي على عربي و لا لأحمر على أسود و لا لأسود على أحمر الا بالتقوى ألا هل بلغت (البيهقي في شعب الايمان ٤ / ٨٣٠) ترجمہ: اے لوگوں تم سب کا معبود ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے، سنو کسی عرب والے کو کسی عجم والے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجم والے کو عرب والے پر اور نہ ہی کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر ہاں مگر تقوی کی بنیاد پر، سنو کیا میں نے پہونچا دیا

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر کے گورنر مالک الاشتر کو لکھا کہ ''لوگوں کی دو قسمیں ہیں، یا تو مذہبی اعتبار سے بھائی یا پیدائش کے اعتبار سے بھائی''، (۱) نہج البلاغۃ، ص ۴۲۷ تحقیق صبیح صالح)

چوتھی حالت: مسلمان اقلیات جو غیر مسلم حکومتوں کے زیر سایہ رہتی ہیں جیسے یورپ وغیرہ میں مسلم اقلیات، ان کی میزان، اکثریت و حکومت کے ساتھ مواطنت اور متقابل حقوق کے ساتھ قائم ہوتی ہے، مسلم اقلیت کے لئے ضروری ہے کہ قوانین اور ان حقوق و مواثیق کا احترام کرے جو اسلامی اصول وضوابط سے متعارض نہ ہوں۔ (۱) مصنف کی کتاب دراسۃ فقہیۃ لبیان علاقۃ المسلم بغیرہ علی ضوء الکتاب والسنۃ وفقہ المیزان)

ان اقلیات کو یہ حقوق، ان کی علمی خدمات، اخلاقی ذمہ داریوں اور ان کاموں کی وجہ سے دئے جاتے ہیں جو وہ ان ممالک کے لئے ادا

کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالی نے یہ توفیق دی کہ وہ عزیز مصر ہو جائیں۔(۱) المصدر السابق، دراسۃ فقھیۃ، ومبدأ الرضا فی العقود، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت ۲/۱۱۴۰)

۲۔ اقلیت واکثریت کی میزان:

غیر مسلم اکثریت یا غیر مسلم حکومت کے زیر سایہ مسلم اقلیت کی میزان، عقود، عہد ومواثیق وقوانین کی رعایت پر قائم ہوتی ہے جب تک کہ قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت نص سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو، اسی طرح ضروریات، حاجات اور رخصت پر اس کا قیام ہے، اس کے علاوہ بھی اس کے خاص قواعد ہیں۔

۳۔ اسلامی اقتصاد میں توازن کے آثار:

اقتصاد اسلامی کے آثار درج ذیل ہیں:

اول: تمام اقتصادی سرگرمیوں میں چھ قسم کے توازن

۱۔ ملکیت میں توازن

أ لف: ملکیت سے مراد صرف ملکیت فردیہ نہیں ہے، جیسا کہ آزاد واسلامی نظام میں ہے یا حکومت کی ملکیت نہیں ہے، جیسا کہ کمیونسٹ نظام میں ہے، بلکہ انتہائی باریک ملکیت ان دونوں کا اجتماع ہے، اس اعتبار سے کہ فردی ملکیت محفوظ ہے اور اس پر ظلم واعتداء کرنا جائز نہیں، لیکن مصالح عامہ کی وجہ سے اس پر بہت سی بندشیں ہیں، اکتساب، پیداوار، خرچ، تبادلہ وتقسیم کے اعتبار سے، توزیع وتقسیم تمام تر مصالح عامہ اور باہمی تعاون کے تابع ہے، اسی کے ساتھ حکومت کو یہ حق ہے کہ وہ قیود کی نگرانی کرے، ان کی رہنمائی کرے اور لائق ترجیح چیزوں کو ترجیح دے اور محقق کرے وغیرہ۔(۱) مصنف کا پی ایچ ڈی کا رسالہ مبدأ الرضا فی العقود، بیروت، ۲/۱۱۴۰-۱۲۱۸)

اسی طرح ملکیت میں آزادی اس کے ضوابط وقواعد کے ساتھ جائز ہے، اشیاء، عقود اور شروط میں اباحیت، اقتصادی سرگرمی میں وسیع میدان مہیا کرتی ہے۔

ب: جائز ومشروع اسباب کے مطابق ملکیت پر شرطیں لگانا، اور حرص ولالچ، ذخیرہ اندوزی اور مادی فلسفیانہ آثار کو روکنے کے لئے ملکیت پر قیود مقرر کرنا، اسی کے ساتھ ساتھ مال کمانے، مال کی اہمیت بتلانے، اور مال کے ذریعہ امت کی ترقی کی اہمیت کو اجاگر کرنا بھی لازمی ہے تاکہ ترک دنیا اور فقر وفاقہ کے آثار ونشانات کا ازالہ ہو سکے۔

ج: مشترکہ ذمہ داری اور باہمی تعاون پیدا کرنے کے لئے مال پر زکوۃ، نفقہ اور دوسرے حقوق فرض کرنا، تاکہ مال ایک دائرہ میں محصور ہو کر نہ رہ جائے، ارشاد ہے: کی لا یکون دولۃ بین الأغنیاء منکم (حشر: ۷) ترجمہ: تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے۔

اسلام میں ملکیت اور اموال کی کوئی تحدید نہیں کی جائے گی بلکہ اسلام نے مسلمان کو لاکھوں کروڑوں کمانے کی اجازت دی ہے جب تک کہ وہ سابقہ بیان کردہ حقوق، قیود اور شروط کا پابند رہے۔

۲۔ پیداوار میں توازن:

اسلام نے نفع بخش پیداوار کی اجازت دی ہے اور ایسی پیداوار سے منع کیا ہے جو انسان، حیوان اور معاشرہ کے لئے ضرر رساں ہو، اسلام نے پیداوار پر کچھ بندشیں لگائی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ اس پر بڑا اجر وثواب بھی رکھا ہے، اگر کسی نے نفع بخش ایسی چیز کی پیداوار کی جس

سے انسان حیوان کو فائدہ ہو تو یہ اس کے لئے صدقہ جاریہ ہوگی۔

۳۔ خرچ میں توازن:

اسلام نے خرچ کو اعتدال کے ساتھ واجب کیا ہے، اللہ تعالی کے محبوب بندوں کا وصف قرآن کریم میں اس طرح وارد ہوا ہے: وَالَّـذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُـرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (فرقان:٦٧) ترجمہ:اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

اور ارشاد ہے وَلَا تَـجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَـةً اِلٰى عُنُـقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (الاسراء:٢٩) ترجمہ: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے کھول دے بالکل ہی کھول دینا پھر تو پشیمان تہی دست ہو کر بیٹھ رہے

۴۔ عہد و پیمان کے ذریعہ تبادلہ:

عہد و پیمان کے ذریعہ تبادل پر نصوص شرعیہ دلالت کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں یہ تبادل انصاف پر قائم ہونا چاہئے اور دونوں عقد کرنے والوں کو مساوی حقوق ملنا چاہئے، ان حقوق و واجبات کو شریعت نے دونوں عاقدین کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، جب اس توازن میں کوئی خلل واقع ہوگا تو عقد غیر مشروع ہو جائے گا مثلاً قرض لین دین کا عقد ایسی میزان پر قائم ہے جس کے دونوں متعادل و برابر پلّے ہیں، اور ہر پلّہ میں ایجابی و سلبی پہلو ہے، دائن یعنی قرض دینے والے کی میزان میں ایجابی پہلو یہ ہے کہ قرض لینے والے مقترض کے تسلیم کرتے ہی قرض کی ضمانت ہو جاتی ہے، اور سلبی پہلو یہ ہے کہ دائن کو اس قرضے میں سے کسی قسم کا نفع یا فائدہ نہیں ملے گا، مدین قرض لینے والے کا ایجابی پہلو یہ ہے کہ جو کچھ بھی نفع ہوگا وہ اسی کا ہوگا، اور قرضہ دینے والے (دائن) کو کچھ نہیں ملے گا، اس کا سلبی پہلو یہ ہے کہ مدین قرضہ لینے والا تمام حالات میں مال کا مکمل ضامن ہوگا۔

اسی طرح تجارتی شرکت ''مضاربت'' کی میزان کے بھی دو پلّے ہیں، مضارب تجارت کرنے والے، مال کو بذریعہ تجارت بڑھانے والے کا ایجابی پہلو یہ ہے کہ اگر بلا تقصیر اور تعدی مال ضائع ہوا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی، اور سلبی پہلو یہ ہے کہ رب المال مضارب کی محنت کی کمائی میں اتنے پرسینٹ لے گا جس پر اتفاق ہوا ہو، رب المال کا ایجابی یعنی مثبت پہلو یہ ہے کہ نفع میں اس کی شرکت ہوگی اور سلبی یعنی منفی پہلو یہ ہے کہ مضارب کو دیا ہوا مال غیر مضمون ہے سوائے سابقہ حالتوں کے، تمام عقود میں اسی طرح ہوگا۔

یہاں یہ بات انتہائی اہمیت رکھتی ہے کہ ہر عقد کو بلا تغیر و تبدیلی شرعی تقاضہ کے مطابق استعمال کیا جائے گا، اور جس طرح اسے استعمال ہونا ہے اسی طرح استعمال کیا جائے گا۔

۵۔ توزیع و تقسیم:

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ یعنی نقود اور نقود پر فائدہ یعنی ربا سود ہوتا ہے، اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ سود عدل و انصاف کی میزان کے مطابق ظلم و جور ہوتا ہے، کیونکہ تمام مثبت چیزیں (ایجابیات) مرابی سود لینے والے کے پلّہ میں ہیں، اور تمام منفی سلبیات قرض لینے والے کے پلّہ میں جمع ہو جاتی ہیں، مرابی کے پلّہ میں رأس المال یعنی سرمایہ، اور اس سرمایہ کے اوپر تمام حالات میں، فائدہ یعنی سود ہوتا ہے، جبکہ مقترض کے پلّہ میں رأس المال کی ضمانت کے ساتھ ایک معین نسبت زیادہ ہوتی ہے جو کہ سود ہوتی ہے۔

شریعت اسلامیہ نے سود کی جگہ مالی معاہدات و عقود میں خرید و فروخت بیع سلم، (جس میں ثمن نقد ہو) بیع مشارکہ، بیع مضاربہ، مساقاۃ

اور مزارعہ وغیرہ عقود رکھے ہیں، جو متوازن، عادلانہ اور حقوق و واجبات کو طرفین پر نفع ونقصان کی بنیاد پر تقسیم کرتے ہیں، دوسرے پہلو سے دیکھیں تو سود معاشرہ کے لئے ایک ظلم و جور ہے اور منتج (پیدا کرنے والے) اور مستھلک (استعمال کرنے والے) کے لئے بوجھ ہے، جبکہ عقود شرعیہ میں ربح ونفع کی یہ شکل نہیں ہے

۶۔ تقسیم کا لوٹانا:

اسلامی نظام میں اغنیاء وفقراء کے درمیان بہت ہی زیادہ توازن ہے یہ توازن معاشرہ کے تمام طبقات کے درمیان بھی ہے، اسلام نے ملکیت، جائداد، قبضہ، انتاج اور مالی معاہدات کی اجازت دی ہے تا کہ نفع اور صالح مال متحقق ہو، اس کے مقابلہ میں مالداروں پر بہت ہی معمولی حقوق رکھے ہیں، لیکن ان سے تکافل اور تکامل پیدا ہوتا ہے، جیسے حق زکوٰۃ اور حق نفقہ اس سے چھوٹے خاندان میں باہمی تعاون، ضمانت اور مشترکہ ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے جو پورے معاشرہ کو شامل ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ صدقات، اوقاف، دیات وغیرہ اور پھر حکومت کا تدخل غنیمت وفئی کے ذریعہ اس طرح مکمل تکافل اجتماعی وجود میں آتا ہے۔

اسلام نے اغنیاء کو بلا حقوق مقرر کئے نہیں چھوڑا، اور ملکیت کو چھین کر اور نقصاندہ قیود لگا کر ان کو نقصان بھی نہیں پہونچایا، بلکہ فقراء کے حقوق کی بہترین توازن رکھتے ہوئے کفالت کی ہے۔

دوم: حکومت، فرد اور بازار کے رول میں توازن:

اسلام نے جماعت، حکومت اور فرد کی ذمہ داری میں ایک حقیقی تکامل رکھا ہے، یہ تکامل مراقبہ ونگرانی سے حاصل ہوتا ہے، شرعی نصوص اس ذمہ داری کی اہمیت ونزاکت پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ذمہ داری ومسئولیت اللہ تعالی اور امت کے سامنے ہوگی، ارشاد ہے: وقفوهم انهم مسئولون (الصافات: ٢٤) ترجمہ: اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته ترجمہ: تم سے ہر ایک راعی ہے اور تم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا

خلفاء راشدین نے اس ذمہ داری کی تعبیر انسان، حیوان اور معاشرہ سے کی، خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی چوپایا دریائے دجلہ پر آوارہ ملے تو اس کے بارے میں عمر سے پوچھا جائے گا۔

علم اقتصاد کے ماہرین نے کہا ہے اقتصادی بحران و پریشانی کا کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ حکومتیں، تجارت گاہوں، منڈیوں اور مالی اداروں کی طرف توجہ نہیں دیتیں، جوسف اسٹگلٹز (Joseph E. Stiglitz) جسے علم اقتصاد میں نوبل انعام ملا اور بین الاقوامی بینک میں بڑے ماہر اقتصادیات میں اس کا شمار ہوتا ہے، اس نے ''ٹائم'' میں ایک مضمون میں لکھا کہ میرے اور دوسرے ماہرین اقتصادیات کی رائے یہ ہے کہ حکومتی تنظیمات اور مراقبہ ونگرانی دو بنیادی عنصر ہیں، عمل پر قادر بازاروں کے اقتصاد میں ان دونوں کے بغیر اقتصادی مشاکل اور مالی بحران بار بار ہوں گے پھر اس نے اپنی ملامت کا رخ اول نمبر پر ان کی طرف موڑا جو اقتصادی تنظیم کے قوانین کا باریکی سے خیال نہیں رکھتے اور ان قوانین سے آزاد رہتے ہیں، اس اقتصادی بحران سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ بازار اور منڈیاں جو قوانین سے آزاد ہیں وہ خطرات سے گھرے ہوئے ہیں۔

سوم: دقیق توازن

حکومت کے تمام اعمال اور اداروں میں دقیق و باریک توازن ضروریات حاجات وکمالیات میں اور افراد کے درمیان ہونا ضروری

ہے، بلکہ یہ توازن فرد میں بھی ہونا ضروری ہے تا کہ ایک موزوں معاشرہ وجود میں آئے۔

چہارم: توازن اور اولویات میں توفیق

توازن سے یہ مراد نہیں کہ کسی حد معین پر ٹھہر جایا جائے، یہ بات اسلام کی نظر میں غیر مقبول ہے، کیونکہ اسلام مسلمانوں کو تمام میدانوں میں مسلسل و مستمر تقدم کا حکم دیتا ہے، اور توقف کو تأخیر سمجھتا ہے، ارشاد گرامی ہے: لمن شاء منكم أن يتقدم أو يتأخر (المدثر: ۳۷) ترجمہ: جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔

اللہ تعالی نے یہاں وقف نہیں فرمایا، اس لئے کہ وہ تأخیر میں داخل ہے، بلکہ اللہ تعالی نے ہمیں بھلائیوں میں مسارعت اور طیبات کی تحقیق میں مسابقت کا حکم دیا، اکتشافات میں سبقت لے جانے اور تعمیر میں جدت کا حکم دیا ہے، زمین کے خزانے نکالنے، اور آسمانوں و زمین اور ان کے درمیان جن چیزوں کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے ان سے استفادہ کرنا مطلوب قرار دیا ہے کیونکہ مسخر کرنے کا تقاضا ہے کہ ہم صلاحیت، استطاعت اور وسائل کو اختیار کر کے اس سے استفادہ کریں۔

اسی وجہ سے مقررہ دنیاوی اصولوں کی رعایت رکھتے ہوئے سب سے اچھے، سب سے افضل، دائم و مستمر اور شرعاً مطلوب کو حاصل کرنے کی سعی کریں یہ مامور بہ توازن کا جزء ہے اور اس سے متعارض نہیں ہے۔

توازن میں خلل و بئر معطلة و قصر مشيد:

عدم توازن سے میری مراد وہ خلل ہے جو پیداوار اور استعمال میں پیدا ہوتا ہے، یہ خلل عالم اسلام میں ایک ہی حکومت کے اندر، ضروریات، حاجات اور کمالیات میں، ایک ملک میں بشری ذرائع اور دوسرے ملک میں مالی ذرائع میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً خلیج عربی کی حکومتیں ممتاز مالی ذرائع رکھتی ہیں اور بعض عربی اور اسلامی ممالک کے پاس زبردست بشری امکانیات ہیں، لیکن اس کے باوجود توازن و تکامل کی تحقیق کے لئے کوئی فعال سیاست وضع نہیں کی جاتی، یہاں خلل واقع ہوتا ہے۔

دوسرے پہلو سے اگر دیکھیں تو عالم اسلامی میں مالدار حکومتیں، خوشحالی، آسودگی اور محسنات پر خاص توجہ و یقین بلکہ فضول خرچی کرتی ہیں، جبکہ وہ سخت ضرورت مند ہوتی ہیں کہ صناعت، زراعت، غذا اور دوا کی ضروریات کو پورا کریں، یہ حکومتیں اپنی ضروریات کو بیرون ممالک سے بلا کسی پلان اور منصوبہ کے منگاتی ہیں، یہ سلسلہ دس، بیس، پچاس اور سو سال تک چلتا رہتا ہے، یہ ممالک باہر سے منگا کر اپنی ضروریات کی تکمیل کرنے کے بجائے خود پیداوار کریں، خود بنائیں، اپنی ضروریات کو خود پورا کریں، بلکہ اپنی مصنوعات کو باہر بھیجیں، ہمارے پاس کافی بلکہ زائد امکانات ہیں کہ ہم صناعی، زراعی اور تجارتی تقدم حاصل کریں۔

سوڈان اور اس کے علاوہ دوسرے ممالک میں زمین کے بڑے رقبے ہیں جن میں مختلف اقسام کی کامیاب کھیتیاں کی جاسکتی ہیں، جانوروں اور مرغیوں کو پالا جاسکتا ہے، اور اگر جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کیا جائے تو وہ پورے عالم عربی کو کافی ہوسکتا ہے۔

اسی طرح ہم عالم اسلامی میں زیادہ تر اقتصادی امور میں خلل اور عدم توازن پاتے ہیں، ہمارے تأخر، تخلف اور فقر و فاقہ کا یہی سبب ہے، کئی اسلامی ممالک میں فقر و فاقہ کی نسبت دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہے۔

اسی وجہ سے قرآن کریم نے سابقہ تہذیبوں کی فنا و ہلاک ہونے کی خبر دی ہے، ارشاد ہے: فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (الحج: ٤٥) ترجمہ: سو کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں اور وہ گناہ گار تھیں اب وہ اپنی

چھتوں پر گری پڑی ہیں، اور کتنے کنوئیں نکمے اور کتنے پکے محل اجڑے پڑے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے سابقہ تہذیبوں کا یہ انجام ظلم کو اس کے وسیع معنی میں قرار دیا ہے، یہ بستی خوشحال اور آسودہ حال تھی، اس میں عالیشان محل تھے، لیکن ظالم اور غیر متوازن تھی، اس کے پاس وسائل انتاج جیسے کوئیں وغیرہ تھے لیکن بیکار پڑے ہوئے تھے، جبکہ عالیشان، اعلی وارفع محل، آسودہ حالی کا مظہر موجود تھے۔

سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عالم اسلام کی تقریباً یہی صورت حال ہے، خوشحالی کے مظاہر بلند و بالا محل تو ہیں، لیکن پیداوار کے سامان ناپید ہیں، خاص کر صناعت وزراعت کے میدان میں کوئی تقدم دکھائی نہیں دیتا۔

خلاصہ موزوں اقتصاد میں نجات:

نصوص شرعیہ اور مقاصد شریعت کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اقتصاد اسلامی کا سب سے بلند و اعلیٰ مقصد ایک متوازن، موزوں اور سنجیدہ اقتصاد تک پہونچنا ہے جس میں تقابل وتوازن ہو۔

اللہ تعالی نے اس کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا، ہر چیز کا ایک وزن مقرر فرمایا، اور ہر چیز کو اس کی جگہ بہت ہی توازن کے ساتھ رکھا تا کہ کائنات کی ہر چیز اپنے عناصر وطبائع کے لحاظ سے ایک موزوں شکل اختیار کرے، ارشاد ہے: وَالْاَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَه بِرَازِقِيْنَ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُه وَمَا نُنَزِّلُه اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنَاكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَه بِخَازِنِيْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ (الحجر: ۱۹-۲۳) ترجمہ: اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی اور اس میں تمہارے لیے روزی کے اسباب بنا دیے اور ان کے لیے بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں، اور ہم صرف اسے معین مقدار پر نازل کرتے ہیں اور ہم نے بادل اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں پھر ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر وہ تمہیں پلایا، اور تمہارے پاس اس کا خزانہ نہیں ہے اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور اخیر مالک بھی ہم ہی ہیں۔

اسی طرح اس دنیا کی زندگی، بلا دقیق توازن کے درست نہیں رہ سکتی، یہ اس وجہ سے کہ اس کائنات کی ہر چیز جوڑا، شفع اور دو کا مجموعہ ہے، یہ بات علم حدیث سے بھی ثابت ہے، اور قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال قبل اسے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے، ارشاد ہے: سُبْحَانَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (یس: ۳۶) ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس نے زمین سے اگنے والی چیزوں کو گوناگوں (جوڑوں کی شکل میں) بنایا، اور خود ان (انسانوں) میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے۔

مخلوط ومرکب چیز کا مزاج اس کی یہ قابلیت ہے کہ وہ اپنے دونوں عناصر دائیں اور بائیں یمین ویسار میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو، انسان روح اور مٹی کے مادہ سے مرکب ہے وہ بھی ان دونوں میں سے کسی طرف مائل ہوگا، اگر روح کی طرف زیادہ مائل ہوگا تو رہبانیت ترک دنیا وانعزال پیدا ہوگا، اور مادی پہلو کی طرف اس کا جھکاؤ ہوگا تو مادی فلسفہ پیدا ہوگا، اسی طرح انسان کے تمام تصرفات میں ہوگا، اسی وجہ سے انسان اپنے تمام تصرفات اور افعال میں توازن کا سخت محتاج ہوتا ہے، اور وہ اپنی اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں میں توازن کا ضرورت مند ہوتا ہے۔

تجربات، تاریخ اور حقیقت پسندانہ صورتحال اس پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی بشر سوائے اللہ تعالی کی رہنمائی کے یہ توازن قائم کرنے کی استطاعت نہیں رکھ سکتا، اسلام کا آخری پیغام اپنے تمام اوامر، نواہی، ارشادات وتوجیہات میں اس توازن پر قائم ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے اس دقیق میزان کو، اس توازن کے ساتھ اس طرح اتارا ہے جس طرح کہ قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے، ارشاد ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبينات و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط و أنزلنا الحديد فيه بأس شديد و منافع للناس و ليعلم الله من ينصره و رسله بالغيب ان الله قوى عزيز (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر ہی اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور تا کہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بے دیکھے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اس توازن کو قائم رکھنے کے لئے بلا میزان کے کبھی عدل قائم نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ عالم کبھی دائیں اور کبھی بائیں جھکتا رہے گا جبکہ حق درمیانی راستہ میں ہے، وہی صراط مستقیم ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں آیت قرآنی لیقوم الناس بالقسط (تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں) میزان اور تحقیق عدل کے درمیان ربط کو وضاحت سے بیان کر رہی ہے۔

ہم انسانی سرگرمیوں میں عدل اور میزان کے اس ربط کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، قرآن کریم نے وزن پر قائم آسمان وزمین کے بقاء کو اور میزان کو باہم مربوط کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: و السماء رفعها و وضع الميزان ألا تطغوا فى الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (رحمٰن: ۵ تا ۹) ترجمہ: آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو، ترازو میں زیادتی نہ کرو انصاف سے سیدھی ترازو تولو، اور تول کو مت گھٹاؤ۔

انفرادی معاہدات اور امت وامام کے درمیان قائم معاہدات:

عقد ومعاہدات کی موازین ایک طریقہ پر نہیں ہیں، تمام معاہدات اس میں مشترک ہیں کہ ان کا تعلق ان عادات سے ہے جن کے معانی معقول ہیں، اس لئے کہ ہر جماعت یا مجموعہ کی خاص میزان ہے۔

۱۔ عام معاہدات کی میزان حاکم اور امت کے درمیان، رضا، عدل، ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر قدرت اور امت کو کھڑا کرنا، بیدار کرنا، تعمیر وترقی اور امت کی طرف سے دفاع پر ہے، عام معاہدات میں طرف اول عوام یا امت ہوتی ہے، عام انتخاب کے ذریعہ امت کا ارادہ متحقق ہوتا ہے، اور ایجاب وقبول ہوتا ہے جبکہ انتخابات آزادانہ و پاک صاف ہوں اور اگر کوئی منظم قانون ہو تو اس قانون کے مطابق اکثریت کی موافقت کی تکمیل ہو، اور اکثریت کے ذریعہ ''طرف ثانی'' رئیس یا امام کا انتخاب ہو، اور مجلس شوری، پارلیمنٹ کے اعضاء کے انتخاب کے بعد اکثریت سے حکومت کا قیام ہو۔

یہ ایک عام انتظامی معاہدہ ہوتا ہے جس کی خاص میزان ہے جو مالی یا فردی معاہدات سے مختلف ہوتا ہے، اس کی بہترین صورت میری نظر میں وہ عام انتظامی معاہدہ ہے جو امت کی طرف سے اجرت دلالی وایجنسی کی شکل میں قائم ہو، امت یا عوام طرف اول، موکل ہوتے ہیں، وہی فیصلہ کرتے ہیں، لیکن شرعی نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں کہ دونوں اطراف کو حقوق حاصل ہوتے ہیں اور دونوں کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، یہ بھی جائز ہے کہ اس سے متعلق جو نصوص ہوں اور مصالح اور مقاصد شرعیہ سے استفادہ کے ساتھ ان کا میاب تجربات سے مستفید ہوا جائے جو تحریری قانون کے موافق ہو اور اس پر امت اور عوام اعتماد کریں، اس طرح یہ قانون طرفین کے لئے لازمی وضروری ہو جائے گا اور دونوں اس

کے پابند ہوں گے۔

امامت یا ریاست کے لئے بیعت کا جو معاہدہ ہوگا اور دوسرے معاہدات میں کچھ مشترک خصائص ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک کے کچھ امتیازات ہیں مثلاً

الف: فردی عقود و معاہدات دو اشخاص کے درمیان ہوتے ہیں، اور بیعت کا معاہدہ امت اور عوام اور رئیس یا امام کے درمیان ہوتا ہے، یہ معاہدہ اس وقت تک مکمل صحیح اور منعقد نہیں ہوسکتا جب تک کہ وضاحت سے یہ پتہ نہ چل جائے کہ امت اپنی اکثریت سے طرف آخر کی موافق ہے۔

ب: فردی معاہدات میں معاہدہ کو فسخ کرنا، بیعت کے معاہدہ کو فسخ کرنے سے مختلف ہے بیعت سے متعلق مختلف شرطیں جو فردی معاہدات سے الگ ہیں

ج: عقود فردیہ میں طرفین کے درمیان مساوات ہونا چاہئے، اسی لئے قرآن کریم نے اس کو لفظ تراضی سے تعبیر کیا ہے جو دونوں عاقدین کے درمیان مساوات پر دلالت کرتا ہے، ارشاد ہے: يَـآ اَيُّـهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُـوْا لَا تَاْكُلُـوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُـوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَـرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء:۲۹) ترجمہ: اے ایمان والوں آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی خوشی سے تجارت ہو، اور آپس میں کسی کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے

یہ بات معلوم ہے کہ تراضی طرفین کے درمیان متساوی مشارکہ کے باب سے ہے اسی لئے ہمارے فقہاء نے کہا کہ اصل مبدأ دونوں معاہدہ کرنے والوں کے درمیان رضامندی اور حقوق کی ادائیگی میں مساواۃ کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن وہ عقد و معاہدہ جو امت (عوام) اور امام حاکم کے درمیان ہوتا ہے، اس عقد میں عقد کو باقی رکھنے، ختم کرنے اور معزول و علیحدہ کرنے کا اختیار صرف قوم یعنی امت یا عوام کو ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم نے اس کو بیان کرتے ہوئے جو صیغہ استعمال کیا ہے وہ زیادہ قوت و طاقت پر دلالت کرتا ہے ارشاد ہے: لَّـقَـدْ رَضِـىَ اللّٰـهُ عَـنِ الْـمُـؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىْ قُلُوْبِـهِـمْ فَاَنْزَلَ السَّكِـيْـنَةَ عَـلَيْـهِـمْ وَاَثَابَـهُـمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح:۱۸) ترجمہ: بے شک اللہ مسلمانوں سے راضی ہوا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے پھر اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر اطمینان نازل کردیا اور انہیں جلد ہی فتح دے دی۔

مبایعہ باب مفاعلہ سے ہے، جس میں مشارکت کے معنی ہیں جس میں یہ دلالت ہے کہ فاعل سے فعل مفعول کے مقابلہ میں زیادہ متعلق ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داعی تھے، اور صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کیا اور اس بیعت کے بوجھ کو اٹھایا، اس پر اللہ تعالی کا یہ فرمان: هو الذى أيدك بنصره و بالمؤمنين (الأنفال:٦٢) ترجمہ: اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا۔

دلالت کرتا ہے، اللہ تعالی نے آیت کریمہ میں باء جر کو دوبارہ مؤمنین کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے ذکر فرمایا، اسی وجہ سے بیعت کرنے والوں کو اسلام کی اصطلاح میں ''اصحاب حل وعقد'' کہا جاتا ہے، یہ اصطلاح اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیعت کرنے والے مبایعین اولاً اس پر قادر ہیں کہ بیعت کو فسخ کردیں، معاہدہ کو توڑ دیں، اگر بیعت سے متعلق شروط مفقود ہوں، یا ایسے اسباب اور مصالح عامہ پائے جائیں جن کی وجہ سے بیعت کو فسخ کرنا ضروری ہوتا، یا مبایعین اس سے بیعت کرسکتے ہیں جس میں بیعت کی شرطیں پائی جاتی ہوں، اصحاب حل وعقد میں حل کو عقد پر مقدم کیا جبکہ اس کا درجہ و مقام عقد کے بعد ہے، اس کی اہمیت و خطرنا کی بتلانے کے لئے اور اس

طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ حق تمام احوال میں باقی وثابت رہے گا، اس طرح بیعت اسلام میں تمام سابقہ تہذیبوں سے ممتاز ہو جاتی ہے جس میں امت کو بیعت کرنے اور بیعت کو فسخ کرنے کا حق نہیں تھا۔

۲۔ عقود ومعاہدات کی جماعتوں کے پر مجموعہ میں، فردی معاہدات کے بہت سے موازین ہیں۔

الف: معاہدات مالیہ سے متعلق جماعتوں کے جو معاہدات ہوتے ہیں ان کی میزان تبرعات کی میزان سے مختلف ہے، معاوضات میں اصل یہ ہے ان میں دھوکہ معاہدات کو باطل اور مفسد کرنے والا ہوتا ہے، لیکن تبرعات (چندہ وعطیہ) میں دھوکہ اور جہالت اس میں اثر انداز نہیں ہوتی، لیکن ایک بات اور علامت یہ ہوتی ہے کہ چندہ وخیرات وعطیات کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہیں استعمال کیا جا سکتا جیسے کہ قرض حسن میں زیادہ لینا جائز نہیں۔

ب۔ مشارکت سے متعلق عقود ومعاہدات فائدہ ونقصان کی بنیاد پر ہوں گے ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی میں ضمانت ہوگی، بیع شراء، اجارہ اور قرضہ وغیرہ اور امانات وتوثیقات کی الگ موازین ہوں گی۔

فصلِ سوم
دلائل کو سمجھنے کی موازین

اس سے پہلے جو کچھ ذکر کیا گیا اور علم اصول الفقہ نے جو کچھ بیان کیا ہم موازین اور اوزان کا ایک مجموعہ بیان کرتے ہیں:

قرآن کریم کو سمجھنے کے موازین:

علم اصول الفقہ میں الفاظ ان کی دلالت، مراتب، مفاہیم اور ان سے استنباط کی کیفیت بیان کی ہے، ہم یہاں اس سے بحث نہیں کریں گے، لیکن ہم ان موازین کو بیان کریں گے جن سے اللہ کی کتاب کو سمجھنے میں مدد ملے اور وہ غایت حاصل ہو جسے اللہ تعالی نے ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہے: و أنـزلـنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور اتاری ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

قرآن کریم کی فہم سے متعلق فقہ المیز ان کی اہم چیزیں حسب ذیل ہیں:

اولاً: قرآن کریم کی فہم موضوع کی تفاصیل میں جانے، تنفیذ اور تطبیق سے بہت کم تعلق رکھتی ہے قرآن کریم کی فہم کی میزان مبادی عامہ، قواعد کلیہ، احکام اساسیہ، تخلیق کے مقاصد آسمانی کتابوں کے انزال، انبیاء ورسل کے ارسال، اور مقاصد عامہ کو بیان کرنا ہے، قرآن زیادہ تفاصیل میں نہیں جاتا، بلکہ ہر چیز کے مبادی اور انسان جن ہدایت ورہبری کے راستوں کا محتاج ہے، ان کی تفصیل ہے۔

تنفیذ کی کیفیت کا بیان، مبدأ، قاعدہ اور حکم سے متعلق تفاصیل یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اور ان کا واجب ہے، ارشاد ہے: وَاَنْـزَلْنَـآ اِلَيْكَ الـذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْـهِـمْ وَلَعَلَّـهُـمْ يَتَفَكَّـرُوْنَ (النحل: ٤٤) ترجمہ: اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کے لیے واضح کردے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تا کہ وہ سوچ لیں۔

سنت کی میزان، بیان، وضاحت اور تفصیل پر قائم ہے، اس اعتبار سے دونوں میزانوں میں خلط مبحث یا ان میں کسی ایک میں بے پرواہی چاہے وہ دوسرے کے حساب پر ہو، اس خلط مبحث اور بے پرواہی کی صورت میں صحیح طریقہ سے قرآن کریم کو سمجھنا ممکن نہیں، جبکہ اس سے خود اسلام کو سمجھنے میں دشواری ہوگی۔

امام شاطبی فرماتے ہیں جان لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اس میں ہر موضوع سے متعلق قواعد کلیہ کو بیان کیا گیا، پھر مدینہ منورہ میں نازل قرآن کریم کے ذریعہ ان قواعد کی تکمیل ہوئی جو مکہ میں نازل ہوئے تھے، ان میں اللہ تعالی پر رسول اللہ پر آخرت کے دن پر ایمان، پھر اس کے بعد اصول عامہ جیسے نماز، مال کا خرچ کرنا وغیرہ کو بیان کیا گیا۔ (۱) الموافقات ۳/۳)

دوم: قرآن کریم کو اس کی سنن، کلیات، مبادی، مقاصد عامہ کے ذریعہ سمجھا جائے اور ان کے درمیان اور جزئیات وفروع کو سمجھنے میں فصل نہ ہو، قرآن کریم کے دو اہم مقاصد ہیں:

(۱) انسان کی اصلاح (۲) اور تہذیب وتمدن کی تحقیق

۱۔ انسان کی اصلاح کا مقصد:

الف: انسان کی اصلاح سے مراد فرد و جماعت کی مکمل اصلاح، عقیدہ، شریعت اندورونی و بیرونی اخلاق، دفع مفاسد، معاشرتی، انتظامی و مالی فساد اور بگاڑ کو روکنا اور ختم کرنا ہے، اللہ تعالی نے حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی فرمایا: اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ اُنِیۡبُ (ھود: ۸۸) ترجمہ: میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح ہی چاہتا ہوں، اور مجھے توصرف اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

ب: داخلی و خارجی مکمل تغیر، اصلاح کا مقصد، نفس، قلب، عقل اور تمام تصرفات میں مکمل تغیر اور زیادہ بہتر و احسن کی تلاش، ہر تغیر و تبدیلی عقائد فاسدہ سے، برحق عقیدہ کی طرف ہوگی، نفس کا تزکیہ ہوگا اس طرح انسان نیکوکار اور نیکی کا داعی و مصلح ہوگا۔

۲۔ تہذیب و تمدن کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ارادہ و مشیت کے مطابق یہ ترقی اس طرح ہو کہ مصالح و منافع، دنیاوی و اخروی طیبات کا حصول ہو، مفاسد ضرر رساں اور خبائث کا دفع ہو۔

قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ خیر و بھلائی سب کو حاصل ہو، تمام مخلوقات عدل و انصاف اور حقوق متقابلہ کے سایہ میں استفادہ کریں، یہ انسان، حیوان اور معاشرہ اور تمام مخلوقات سے ضرر و نقصان اور مفاسد کا خاتمہ ہو، ارشاد ہے: و الأرض وضعها للأنام (الرحمن: ۱۰) ترجمہ: اور زمین کو بچھایا واسطے خلق کے

یعنی تمام مخلوقات، یہ آیت کریمہ اللہ تعالی کے اس فرمان کے بعد آئی ہے الرحمن علم القران خلق الانسان (رحمن ۱-۳) ترجمہ: رحمٰن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی۔

پھر فرمایا: و السماء رفعها و وضع الميزان ألا تطغوا فی الميزان و أقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان (رحمٰن: ۵ تا ۹) ترجمہ: آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو، ترازو میں زیادتی نہ کرو، انصاف سے سیدھی ترازو تولو، اور تول کو مت گھٹاؤ۔

میرا مقصد یہ ہے کہ قرآنی آیات اور احکام کو سمجھنے کی میزان ان مقاصد کے مطابق ہو، ان کو ثابت کرنے والی ہو، ان کے ساتھ متعارض نہ ہو۔

سوم: دوئی کے مسئلہ کو سمجھتے ہوئے اور اس حیثیت سے قرآن کریم پر ایک نظر ڈالتے ہوئے، ایک موضوع سے متعلق تمام آیات قرآنی بلکہ ان آیات کی وضاحت کرنے والی احادیث اگر موجود ہوں تو ان سے استفادہ کیا جائے، اس نظریہ کا نام میں نے نظریہ شفعیہ یا نظریہ ثنائیۃ رکھا ہے، یہ آحادی نظریہ سے مختلف ہوتا ہے، اگر ہم آگے منقول آیات قرآنی اور ان جیسی دوسری آیات کا مطالعہ کریں، مثلاً قرآن کریم میں ہے: و ما تشاء ون الا أن يشاء الله رب العالمين (تکویر: ۲۹) ترجمہ: اور تم خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

اور اللہ تعالی کے فرمان: و ما رميت اذ رميت و لكن الله رمى (الانفال: ۱۷) ترجمہ: اور آپ نے نہیں مارا جبکہ آپ نے مارا لیکن اللہ تعالی نے مارا حضور نے خاک کی مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینکی تھی۔

تو فرقہ جبریہ کا مسلک ظاہر ہوگا کہ انسان مجبور ہے، اگر ہم انہی آیات میں دوسری ان آیات کو بھی شامل کر دیں جن سے قدریہ اور معتزلہ نے استدلال کیا ہے تو پتہ چلے گا کہ انسان کو مطلق اختیار ہے، جیسے ارشاد ہے: فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر (الكهف: ۲۹) ترجمہ: سو جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کافر رہے

اور دوسری وہ تمام آیات افعال کی اسناد انسان کی طرف ہے، اور ان افعال و اعمال پر انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے، اس سے ہم اس نتیجہ

پر پہونچیں گے کہ اللہ تعالی نے انسان کو حریت، ارادہ، اختیار اور مشیت عطا فرمائی ہے، لیکن اللہ تعالی کا ارادہ، مشیت اور قدرت انسان کے ارادہ سے بہت بلند و بالا ہے، اور اس کے ارادہ و قدرت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہے، اللہ تعالی ہر چیز کا خالق ہے، جبکہ انسان کے ارادہ کا دائرہ محدود اور خاص ہے، وہ اللہ تعالی کے طریقوں وضابطوں کے موافق ہے۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: یہ تمام مذاہب ان میں سے ہر گروہ میں غلطی اور راستگی دونوں ہیں، جبریہ کا یہ کہنا کہ بندو کے افعال اللہ تعالی کے پیدا کردہ ہیں برحق ہے، لیکن انہوں نے ارادہ واختیار کی انسان سے نفی کر کے غلطی کی، اسی طرح قدریہ نے انسان کے لئے قدرت، ارادہ اور اختیار ثابت کرنے میں تو غلطی نہیں کی لیکن انہوں نے غلطی اس میں کی کہ انسان کے ارادہ واختیار کو اللہ تعالی کی قدرت وارادہ اور مشیت سے مستقل قرار دیا۔

اسی طرح تمام آیات قرآنیہ میں دو پہلو ہوتے ہیں مثلاً بعض آیات میں مال کی مدح وتعریف ہے اور بعض میں مذمت و برائی، اسی طرح فقر و مالداری میں مذمت اور تعریف دونوں ہیں، اسی طرح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں مال کی مدح وتعریف ہے کہ اس سے تہذیب وخیر وجود میں آتی ہے، اور دوسری آیات واحادیث میں مال کی مذمت ہے، اسے فتنہ وآزمائش اور خطرناک بتایا گیا ہے۔

لیکن اگر ہم ان آیات پر نظریہ شفع اور دوئی کے قاعدہ کی تطبیق کریں کہ پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، مال، مالداری اور غنی کو جب ہم حلال کمائی اور خیر و بھلائی میں خرچ پر محمول کریں گے تو وہ قابل تعریف ومدح ہوگا، اور اس مال وغنی کا تہذیب اور خیر میں اعلی درجہ ہوگا اور یہی مال قابل مذمت اس وقت ہوگا جب اسے حرام طریقہ سے کمایا گیا ہوگا، اور وہ دنیا میں شر وفساد کا سبب ووسیلہ بنے گا۔(۱) شفاء الغلیل، تحقیق سید عمران اور سید محمد السید، دار الحدیث القاھرۃ، ص ۲۰۵)

شفع، جوڑ اور جفت کا طریقہ مجتہد اور تحقیق ورسرچ کرنے والے کو ہمیشہ درست وصحیح حق تک پہونچائے گا، جبکہ اس کے برعکس اکائی اور جزئی طریقہ نصوص شرعیہ کی رگیں کاٹ دے گا، اور اس کی بنیاد پر کوئی رائے یا فہم بلاشک وشبہ تعارض وتناقض تک پہونچانے والی ہوگی، یہ بات بالکل واضح وثابت ہے کہ شفعی، زوجی اور دوئی کا نظریہ وطریقہ انسان کی طبیعت ومزاج سے متسق ومنسجم طریقہ ہے، بلکہ یہ ساری کائنات اس زوجیت پر قائم ہے، ارشاد ہے: سبحان الذی خلق الأزواج کلها مما تنبت الأرض و من أنفسهم و مما لا یعلمون (یٰسین: ۳۱) ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کی قبیل سے بھی، اور خود آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان جو کہ خود زوج وشفع ہے، اس سے متعلق آیات کا ہم صحیح مفہوم ومطلب بلا اس زوجی وشفعی طریقہ کے نہیں سمجھ سکتے۔

قرآن کریم میں جو الفاظ اور جملے عام اور جامع معانی پر مشتمل کلیات، قواعد عامہ، مبادئ عامہ کی شکل میں وارد ہوئے ہیں اور قرآن نے ان کا خاص اہتمام کیا ہے، لیکن ان کی تفاصیل قرآن نے بہت ہی کم بتلائی ہیں، ان مبادی وکلیات کا علم اور ان میں مہارت، بحث وتلاش کرنے والے، اور مفتی ومجتہد کو قرآن کریم کے اشارات ودلالات کو سمجھنے میں بہت معاون ہوگا۔(۱) البرھان فی علوم القرآن، ۱/۱۳۸)

چہارم: قرآن کریم کے دونوں طریقوں کے مطابق تعامل:

الف: قرآن کریم میں وارد کلمات کے موارد کو تلاش کرنا اور ان کے متنوع استعمال کے طریقوں سمجھنا، کیونکہ قرآن کریم میں ایک ہی لفظ مختلف سورتوں میں، متعدد ومعانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے لفظ ''روح'' ''آیۃ'' اور ''نسخ'' وغیرہ، اگر مجتہد ومفتی ان کلمات کو مختلف آیتوں سے

جمع نہیں کرے گا تو زیادہ تر غلطی کا امکان ہوگا، اس سے یہ پتہ چلا کہ موضوعی، تجزیاتی تفسیر کے لئے فہم صحیح اور دقیق اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

ب: اسی طرح کسی کلمہ کے معانی کی دریافت میں اس کا علم بھی ضروری ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ کونسا ہے، اور اس میں کیا تغیر واقع ہوا ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ زمانہ رسالت میں اس کے معانی کی تحدید کی جائے، یہ دیکھا جائے کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی، اور دونوں زمانوں کے کیا خصائص ہیں۔

ج: یہ بھی دیکھا جائے کہ موضوع، مکان و زمان کے اعتبار سے آیت کا سیاق وسباق کیا ہے، پھر آیت کو اس کے بعد نازل ہونے والی آیات سے ملایا جائے۔

پنجم: اس کی سخت کوشش کی جائے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے ہو، اس لئے کہ قرآن کریم کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ایک جگہ اجمال سے اور دوسری جگہ تفصیل سے بات بیان کرتا ہے، اگر تفسیر القرآن بالقرآن نہ ہو سکے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے، اور اس کے بعد صحابہ کرام کی ثابت روایات سے تفسیر بیان کی جائے۔(۱) مصنف کی کتاب الاجتہاد والفتوی اھمیتھا وشروطھا وتکلیفاتھا المعاصرۃ، دار البشائر، بیروت ۱۹-۷۰)

ششم: تفسیر میں آیات محکمات پر اعتماد کیا جائے کیونکہ وہ ام الکتاب ہیں، آیات متشابہات میں غور وخوض نہ کیا جائے، یا ان متشابہات میں راسخ فی العلم علماء نے محکمات کی روشنی میں جو معانی بیان کئے ہیں ان کو سمجھ کر لیا جائے، اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی صحیح طریقہ سے سمجھنا دشوار ہے، اس طرح سنت مشرفہ کے سمجھنے کی میزان بھی مشکل ہے۔

سنت نبویہ کو سمجھنے کی موازین بھی خاص اہمیت رکھتی ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف میں تربیت اور تزکیہ نفس کے ساتھ مسلمانوں کو قرآن اور حکمت کی تعلیم دینا تھا، ارشاد ہے: ھو الذی بعث فی الأمیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (الجمعۃ: ۲) ترجمہ: وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالی کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب ودانشمندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ دعاء فرمائی، فرمایا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرۃ: ۲۹) ترجمہ: اے ہمارے رب اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جو اللہ کی طرف سے ان پر وحی کی جاتی تھی، اور سنت کی روشنی میں اس کتاب کی تشریح فرماتے تھے، اسی طرح ان کو حکمت کی تعلیم دیتے تھے کہ تاکہ وہ کتاب اور سنت کو سمجھ سکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے حکیمانہ راستہ اور درست وصحیح طریقہ بھی بیان فرماتے تھے، تاکہ ان کو دنیا وآخرت میں حیات طیبہ ملے اور قوت، عزت اور خیر و بھلائی کو متحقق کرنے کی طاقت وقوت ان میں پیدا ہو۔

اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک افراد و جماعات کے ساتھ معاملہ کرنے میں اسی حکمت پر قائم تھی جو اپنے تمام وجود

کے ساتھ فقہ المیزان پر مشتمل تھی۔

فقہ المیزان کی روشنی میں جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تطبیقات کو دیکھتے ہیں تو ہم کو نظر آتا ہے کہ یہ تطبیقات مختلف اعتبار سے تھیں، وہ اللہ تعالی کے اس پیغام کو جوان پر نازل ہوا تھا پہونچانے والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم اور امام تھے، آپ قاضی تھے، اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے، جو چیز یہاں ہمارے پیش نظر ہے وہ آپ کی ہر عمل کی ایک میزان تھی، تبلیغ کی میزان جو کہ آپ کا اصل کام تھا اس کی میزان وحی پر قائم تھی، یہ میزان اجتہاد پر نہیں تھی، جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجتہد کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی تبلیغ کی میزان اجتہاد پر نہیں تھی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تطبیقات میں فتوی دینا تھا، یہ فتاوی اللہ تعالی کے ارشادات میں اس کے حکم کے مطابق جو دلیلیں ہوتی تھیں اس کے بارے میں ہوتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالی نے نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے بتلایا کہ نماز کس طرح پڑھی جائے گی، مناسک وغیرہ کی ادائیگی کس طرح ہوگی وغیرہ۔(۱) الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام، للقرافی حلب، ۲۳-۲۸)

یہ تشریع وقانون عام ہے، اور قیامت تک باقی رہنے والا ہے، اس کی تطبیق کے لئے کسی حاکم یا امیر کی ضرورت نہیں، لیکن اگر معین حالت اور خاص زمانہ سے متعلق کوئی خاص فتوی ہوگا تو اس میں شریعت کے ضوابط وقواعد کا لحاظ رکھا جائے گا۔

امام اور حاکم ہونے کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کی میزان اس تصرف سے متعلق سیاست شرعیہ اور مصالح کی بنیاد پر ہوگی، اور اس میں سیاست شرعیہ کے قواعد کا پورا لحاظ رکھا جائے گا، اور امام کے علاوہ کسی کو اس قسم کا تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، مثلاً لشکر کی ترتیب، جہاد کا اعلان، حدود قائم کرنے اور اسی طرح آپ نے جو دوسرے کام کئے، ان کا تعلق حاکمانہ طرق سے ہے، اس کی اجازت ہر شخص کو نہیں ہوگی، بلکہ وہ خاص امیر، امام یا خلیفہ سے متعلق اعمال ہوں گے، اس میں بھی مصالح کا لحاظ اسی طرح رکھا جائے گا جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، لیکن اگر مصالح تبدیل ہو جائیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی ترتیب کا خاص نظام رکھا، صفوف بنائیں، میمنہ ومیسرہ وغیرہ مقرر کیا، اس سب کا مقصد مصالح کا لحاظ وخیال تھا، لیکن آج کل جنگ کے وہ طریقے نہیں ہیں جو سابق میں تھے، لیکن مبدأ وہی رہے گا کہ زیادہ بہتر اور زیادہ مفید وقوی کی رعایت کی جائے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من قتل قتیلاً فله سلبه" (بخاری) یعنی اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تو اس کا مال قاتل کو ملے گا، یہ حکم امام کے ساتھ خاص ہے، زیادہ تر فقہاء نے یہی کہا ہے کہ اگر یہ حکم امام نے دیا ہے تو اس پر عمل ہوگا، ورنہ مسلوبہ مال غنیمت میں داخل ہو گا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من أحیا أرضا میتة فهی له" کہ جس نے مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ زمین اس کی ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ نے فرمایا ہے کہ حضور کا یہ فرمان آپ کے امام ہونے کی حقیقت سے تھا، یہ عام حکم نہیں تھا، بغیر امام کی اجازت اور اس کے حکم کے اس کا نفاذ نہیں ہوگا۔

قضاء اور فیصلہ کی میزان، جھگڑا، ظاہر دلیلوں اور گواہوں پر قائم ہوتی ہے، شخصی علم پر قائم نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی مسئلہ میں فیصلہ وہ حضور کا قضائی حکم ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق تک پہونچنے کے لئے ظاہری دلیلوں کے مطابق تمام مطلوبہ تدابیر اختیار فرماتے تھے، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما أنا بشر مثلکم و انکم لتختصمون الی و لعل بعضکم ألحن بحجته من بعض فأقضی له بنحوما أسمع، فمن قضیت له من حق أخیه بشئ فلا تأخذه فانما أقطع له قطعة من النار (بخاری) ترجمہ: میں بھی

تمہاری طرح ایک انسان ہوں تم لوگ اپنے مقدمات میرے پاس لیکر آتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض بعض شخص کے مقابلہ میں اپنی دلیل رکھنے کے معاملہ میں چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو سن کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں تو وہ اسے نہ لے، میں اس کے حق میں دوزخ کی آگ کا فیصلہ کررہا ہوں

یہ صحیح حدیث وضاحت سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قضائی فیصلہ حق کے موافق ہو، یا نہ ہو، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فتاویٰ اور آپ کی تبلیغات حق مطلق پر قائم تھیں، اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ فتویٰ منسوخ بھی ہوسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دینے اور پیغام پہنچانے میں اللہ تعالی کی طرف سے مبلغ تھے، خاص کر جب آپ کسی چیز کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کریں، اس قسم کی چیزوں میں مطلق اجتہاد نہیں فرماتے تھے، لیکن فیصلہ تک پہونچنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کرتے تھے، لیکن اصل حکم وحی کے ذریعہ ہوتا تھا، کبھی حکم اجتہاد کے ذریعہ بھی ہوتا تھا، جیسا کہ امام شعبی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسئلہ میں کوئی فیصلہ فرماتے تھے پھر حضور کے فیصلہ کے خلاف قرآن کریم کا حکم آتا تھا، آپ اپنے فیصلہ کو چھوڑ کر قرآن کی حکم پر فیصلہ فرماتے تھے۔(۱) الاحکام للآمدی ۴/ ۲۲۴)

اس پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ سے بھی استدلال ہوتا ہے، ارشاد ہے: وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ (الأنبياء:۷۸-۷۹) ترجمہ: اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ کھیتی کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے لگے جب کہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں، اور ہم اس فیصلہ کو دیکھ رہے تھے پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم دیا تھا، اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تابع کیے جو تسبیح کیا کرتے تھے، اور یہ سب کچھ ہم ہی کرنے والے تھے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے اجتہاد کر کے فیصلہ کیا، اللہ تعالی نے حضرت سلیمان کے فیصلہ کو ثابت فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انسانی پہلو بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے، پیتے تھے، علاج کرتے تھے، سوتے تھے، آپ کو مرض لاحق ہوتا تھا، یہ سب بشریت کی میزان سے ہوتا تھا جیسا کہ قرآن کریم نے بتلایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پہلو تھے، بشریت اور رسالت، بشری پہلو میں ہدایت یافتہ، کامل، حکیم بشریت کی میزان فیصلہ کرتی تھی، اور نبوی پہلو میں عصمت کی میزان، ہمارے علماء کرام نے اس مسئلہ کی وضاحت میں بہترین کوششیں کی ہیں، ہم اختصار سے انہیں بیان کرتے ہیں۔

اول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونے کی حیثیت سے افعال انسانی سے متعلق شرعی احکام کو بیان کرنا تھا، فرض، واجب، مستحب، حرام، کراہیت، اباحت، صحت، بطلان، عزیمت، رخصت وغیرہ شرعی افعال کو آپ بیان فرماتے تھے، ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل:٤٤) ترجمہ: اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کے لیے واضح کردے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تا کہ وہ سوچ لیں۔

دوم: لیکن بشر ہونے کی حیثیت سے بہت سی باتیں کہتے اور بہت سے کام کرتے تھے، ان سے مقصد شریعت کا بیان نہیں ہوتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما أنا بشر أرضی کما یرضی البشر و أغضب کما یغضب البشر (مسلم:۲۶۰۲) ترجمہ: میں بھی

ایک انسان ہوں، میں بھی راضی ہوتا ہوں جیسے انسان راضی ہوتا ہے اور اسی طرح غصہ ہوتا ہوں جس طرح انسان غصہ ہوتا ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ایک مرتبہ سہو ہو گیا تو آپ نے فرمایا: و لکن أنا بشر مثلکم أنسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی (بخاری ٤٠١ / مسلم ٥٧٢) ترجمہ: میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، میں بھی بھولتا ہوں جیسا تم بھولتے ہو جب میں بھول جاوں تو مجھے یاد دلا دو۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے وقت ظاہری دلائل کو دیکھتے تھے، آپ نے فرمایا: انما أنا بشر مثلکم و انکم لتختصمون الی و لعل بعضکم ألحن بحجته من بعض فأقضی له بنحوما أسمع، فمن قضیت له من حق أخیه بشئ فلا تأخذه فانما أقطع له قطعة من النار (بخاری) ترجمہ: میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں تم لوگ اپنے مقدمات میرے پاس لیکر آتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض بعض شخص کے مقابلہ میں اپنی دلیل رکھنے کے معاملہ میں چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ اسے نہ لے، میں اس کے حق میں دوزخ کی آگ کا فیصلہ کر رہا ہوں

علامہ ابن عاشور کہتے ہیں صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر میں تفریق کرتے تھے کہ آپ کا کونسا حکم شریعت سے متعلق ہے اور کونسا حکم مقام تشریع سے الگ ہے، اور اگر ان کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو آپ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔(۱) مقاصد الشریعۃ ابن عاشور، دار السلام، ص ۲۷)

اس کی دلیل یہ ہے کہ: أن سیدنا عمر راجعه صلی الله علیه و سلم فی الأمر بذبح النواضح فی مجاعة ، أخذ برأیه (مسلم) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قحط سالی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے سینچائی کے لئے استعمال ہونے والے اونٹوں کے ذبح کے سلسلہ میں رائے طلب کی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور اس کو اختیار فرمایا

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما حج کے اندر مقام ابطح میں قیام نہیں کرتے تھے، دونوں کہتے تھے کہ وہ اتفاقی منزل تھی، منزل مقصود نہیں تھی اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔(شرح النووی علی مسلم ۵۹/۹)

علماء کرام نے اس میں بڑی سعی و کوشش کی ہے، امام قرافی نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اور علامہ دہلوی نے اس کی تلخیص کی ہے، جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جو کتب حدیث میں مدون ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق تبلیغ و رسالت سے ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: و ما آتاکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا (الحشر:۷) ترجمہ: اور جو دیں تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کریں سو چھوڑ دو

اسی قسم اول میں سے آخرت سے متعلق علوم اور زبردست بادشاہت کے عجائب ہیں، ان تمام چیزوں کا تعلق وحی سے ہے، انہی میں سے شرائع، عبادات اور ضروریات وغیرہ ہیں، ان میں سے بعض میں اجتہاد ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ غلط رائے پر قائم رہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ کا اجتہاد کسی منصوص سے مستنبط ہو جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے، جبکہ زیادہ تر اجتہاد اللہ تعالی کے سکھائے ہوئے مقاصد شریعت اور قانون شریعت اور احکام سے ہیں جو بذریعہ وحی آپ کو بتلائے گئے۔

اس سے ہٹ کر وہ چیزیں ہیں جن کا اجتہاد سے تعلق نہیں ہے جیسے حکم مرسلہ، مصالح مطلقہ، آپ نے اس کے بارے میں اس طرح

نہیں بتلایا جس طرح کہ آپ نے اخلاق صالحہ اور اخلاق فاسدہ کے بارے میں بتلایا، جن کا زیادہ تر تعلق اجتہاد سے ہے، اللہ تعالی نے آپ کو ضروریات کے قوانین سکھلائے جن سے آپ نے حکمت اور کلیات بتائے، انہی میں سے فضائل اعمال اور مناقب العمال بھی ہیں، میرے رائے میں ان میں سے بعض کا تعلق وحی سے اور بعض کا تعلق اجتہاد سے ہے، ان قوانین کو پہلے بیان کیا جاچکا ہے، اور ہم اصلا اس کی شرح و بیان کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری قسم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اور کتب حدیث میں مدون دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق تبلیغ و رسالت سے نہیں ہے، اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: میں ایک انسان ہوں، اگر میں تم کو تمہارے دین سے متعلق کوئی بات بتاؤں تو اسے اختیار کرو اور اگر تم کو کوئی چیز اپنی رائے سے بتاؤں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کھجور کی پیوندکاری دیکھ کر فرمایا میرے نزدیک اس میں کوئی فائدہ نہیں، صحابہ نے اسے ترک کر دیا، بعد میں اس سے نقصان ہوا تو آپ نے فرمایا: میں نے ایک گمان کیا میرے گمان پر عمل نہ کرو لیکن اگر میں تم کو اللہ تعالی کی طرف سے کوئی چیز بتلاؤں تو اسے اختیار کرو، میں اللہ تعالی کی طرف کوئی جھوٹ بات منسوب نہیں کرسکتا، اسی قبیل سے حضور کا ارشاد ہے: علیکم بالأدهم الأقرع ترجمہ: تم سیاہ فام گھوڑے کو لو جس کی پیشانی سفید ہو

اس میں حضور کی استناد تجربہ پر تھی، اسی قبیل سے وہ تمام چیزیں ہیں جنہیں حضور نے عاریتاً یا اتفاقاً بلا قصد کے کیا، عبادتاً نہیں کیا، اسی سے متعلق حدیث ام زرع و حدیث خرافہ ہے (۱) کہ جب زید بن ثابت کے پاس کچھ لوگ آئے اور ان سے کہا کہ ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کیجئے، زید بن ثابت نے فرمایا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھے بلاتے تھے میں وحی آپ کے لئے لکھتا تھا، پھر جب ہم دنیاوی باتیں کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیاوی باتیں کرتے، جب آخرت کی باتیں کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ آخرت کی باتیں کرتے، پھر جب ہم کھانے سے متعلق باتیں کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے سے متعلق باتیں کرتے، کیا یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تم کو بتاؤں؟

بشریت سے متعلق وہ چیزیں بھی ہیں جن کا آپ وقتی طور سے کسی جزئی مصلحت کیوجہ سے قصد فرماتے، وہ چیزیں تمام امت کے لئے ضروری نہیں ہوتی تھیں، اسی قبیل سے وہ چیزیں بھی ہیں جن کا حکم خلیفہ دے، جیسے لشکروں کو تیار کرنا، خاص امتیازی نشان یا علامات متعین کرنا، اسی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حج میں رمل کرنے سے متعلق قول ہے کہ آپ نے فرمایا اب ہمیں رمل کرنے اور اکڑ کر چلنے کی کیا ضرورت ہے، ہم کفار کو دکھلانے کے لئے رمل کیا کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈرے کہ کہیں رمل کرنے کا کوئی دوسرا سبب نہ ہو، اسی طرح بشریت رسول پر بہت سے معاملات کو محمول کیا جائے گا، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ: ''جس نے جنگ میں کسی کو قتل کیا تو قاتل کو مقتول کا مسلوبہ مال ملے گا''۔

اسی سے متعلق خاص احکام اور آپ کے خاص فیصلے ہیں، لیکن ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہوں، دلائل اور قسموں کا اعتبار کیا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: الشاهد يرى ما لا يراه الغائب (حجة الله البالغة: ۱/ ۱۲۸) ترجمہ: حاضر جس چیز کو دیکھتا ہے اسے غائب نہیں دیکھ سکتا۔

علامہ ابن عاشور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۲ حالتیں ذکر فرمائی ہیں:

التشریع، فتوی، قضاء، امارہ، ارشاد و ہدایت، صلح، مشورہ طلب کرنے والے کو مشورہ دینا، نصیحت، نفوس کی تکمیل، حقائق عالیہ کی تعلیم،

تأدیب اورارشاد سے دست برداری۔(۱)مقاصدالشریعۃ،ص۳۲)

ممکن ہے کہ ہم ان چیزوں میں شفاعت کوبھی ملالیں،حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے ان کے آزاد ہونے اورشوہر سے جدائی اختیار کرنے کے بعدفرمایا:تم اگراپنے شوہر سے رجوع کرلیتیں،حضرت بریرہؓ نے فرمایااے اللہ کے رسول کیا آپ اس کا مجھے حکم دے رہے ہیں،آپ نے فرمایامیں سفارش کررہاہوں،اس پر بریرہؓ نے کہامجھے ان کی ضرورت نہیں۔(۲)بخاری۴۹۷۹)

خلاصۂ کلام:

۱۔ بحیثیت مبلغ حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں صادر ہوتیں ان کی میزان تکلیفی ووضعی شرعی احکام ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے وحی تھے جیسا کہ گزرا۔

۲۔ بحیثیت بشریت حضورسلی اللہ علیہ وسلم سے جواعمال صادر ہوتے جیسے کھانا، پینا، دواعلاج وغیرہ ان کی میزان تشریعی امور پر قائم نہیں ہے،لیکن اگرکوئی دلیل ہوکہ اس سے تشریعی حکم مراد ہے جیسے سیدھے ہاتھ سے کھانا کھانا تواس کا تعلق تشریع سے ہوگا۔

۳۔ بحیثیت امام وحاکم جوکام آپ نے کئے،اس کی میزان سیاست شرعیہ،مصالح کی تحقیق اورمفاسدکوختم کرنے پر ہے۔

۴۔ بحیثیت قاضی جوفیصلے آپ نے کئے ان پرفیصلہ سے متعلق احکام کی تطبیق ہوگی۔

۵۔ دوران جنگ آپ کے تمام احکامات کا اطلاق میزان جنگ وقتال پرہوگا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

اسی طرح حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ احوال میں کہ ان میں سے ہرایک میں،اصل سے استثناءات اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کودیکھتے ہوئے ان کے اعتبارات میں،ان کا اوران کی خاص میزان کا جاننا،حقیقت کے متلاشی ہرمجتہد،مفتی اورمحقق کے لئے ضروری ہے تاکہ غلطی اورخلط مبحث واقع نہ ہو۔(۱)التجدیدالأصولی،ص۲۳۱-۲۳۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات سے متعلق جوان خاص موازین کونہیں سمجھے گا،اوراپنے اجتہاد،تفسیراوراحادیث نبویہ کی تشریح و توضیح میں ان پراعتمادنہیں کرے گا،تووہ بڑی غلطیوں میں گرفتارہوگااورنتائج میں بڑاخلل واقع ہوگا۔

ہم آج اگراپنے موجودہ حالت کا جائزہ لیں تواس بیان میں ہمیں خلل ونقص کی بہت سی جگہیں،افراط وتفریط،غلواورغیرمقبول تساہل کی بہت سی مثالیں ملیں گی،اس لئے اس فقہ المیز ان کوجسے اللہ تعالی نے قرآن اورکتاب سے مربوط فرمایاہے اس کی نشرواشاعت کریں۔

سوم: پھرحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال جووجوب،استحباب،حرمت،کراہیت،اباحت،یاسبب وشرط اوردوسرے احکام شرعیہ سے متعلق ہیں اورقرآئن سے ان کوجانا جاسکتا ہے،علماءاصول نے ان کے ضوابط وقواعد بنائے ہیں اوران میں سے ہرنوع کی خاص میزان مقرر کردی ہے۔

حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے افعال تو علماءکرام کا اس پراتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورتمام انبیاءکرام گناہ کبیرہ اور برے اخلاق وعادات سے محفوظ ومعصوم تھے،اورتمام محقق علماءکرام گناہ صغیرہ سے بھی ان کی عصمت کے قائل ہیں،اورجوعلماءان کے لئے صغائر کے ارتکاب کوجائزقراردیتے ہیں وہ بھی اس پرمتفق ہیں کہ انبیاءکرام ان سے توبہ کرتے اوران پرقائم وباقی نہیں رہتے،اسی طرح اس پربھی سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء سے کوئی ایسی غلطی نہیں ہوسکتی جس کی اصلاح نہ کی گئی ہو،اورغلطی کے بعدوہ اس پرقائم نہیں رہتے ہوں۔(۱)البحرالمحیط مخطوطہ، دارالکتب۱۰۱،اصول الفقہ،ج۲،ص۱۱۶-۱۲۱)

اس سے ثابت ہوا کہ حضور کے افعال میں کوئی فعل حرام اور مکروہ نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال یا تو اباحت، یا وجوب یا استحباب پر مبنی تھے، علماء اصول کے مقرر کردہ ضوابط کے ذریعہ قرآئن سے ان کو متعین کیا جاسکتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تقاریر اور صفات خلقی بھی ہیں۔

چہارم: کتاب وسنت کے نصوص شرعیہ اور فقہ المیزان:

الف: نصوص قرآنیہ کی میزان اس حیثیت سے بہت ہی وزنی وثقیل ہے کہ وہ مکمل متواتر ہے، جبکہ سنت میں سے بعض متواتر ہیں اور بعض غیر متواتر، قرآن کریم ہمیشہ باقی رہنے والے مبادی عامہ کو مطلوبہ بعض تفصیلات کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور سنت اس کی شرح، واقعہ کا بیان اور اس کا حقیقی علاج بتلاتی ہے۔

اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی کتابت کا بہت باریکی سے حکم دیا کرتے تھے، جبکہ حدیث کی کتابت کا حکم نہیں دیتے تھے، حدیث لکھنے والوں کی تعداد بہت محدود تھی اور چند حالات میں حدیث کو لکھا گیا ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے معانی میں الٹ پھیر ممکن تھا، لیکن حدیث کی روایت کرنے والے (اللہ تعالی ان کے ساتھ کرم کا معاملہ فرمائے) الفاظ کے نقل کرنے میں حتی الامکان بڑی احتیاط کرتے تھے۔

ب: اگر کتاب اللہ اور صحیح وثابت سنت کی نص موجود ہو تو اس سے عدول وانحراف جائز نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا اجتہاد جائز ہوگا جس سے اس نص صریح کی مخالفت ہو، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان نصوص میں اجتہاد جائز نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرام اور فقہاء اسلام نص میں اجتہاد کرتے، اسی طرح اس کے معانی میں بھی ان میں اختلاف ہوتا، یہ اجتہاد نص میں ہوتا نص کے ساتھ نہیں ہوتا تھا، اسی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو منطبق کیا جائے گا جو انہوں نے مؤلفۃ القلوب کے ساتھ اختیار کی، اس رائے کی تطبیق ان تمام لوگوں پر نہیں ہوتی تھی جو ان کے پاس آتے تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت سرقہ کی یہ تفسیر کی کہ قحط سالی میں سرقہ متحقق نہیں ہوگا، اس قاعدہ کے تحت کہ ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز کردیتی ہے، اور اسی طرح.....

پنجم: سنت کو صحیح صورت سے سمجھنا اسی وقت متحقق ہوگا جب سنت کو قرآن کریم کے ساتھ ملایا جائے، پھر ایک موضوع سے متعلق تمام آیات واحادیث کو جمع کیا جائے، پھر سابقہ بیان کردہ نظریہ شفع کے جامع وشامل طریقہ کی تطبیق کی جائے، مثلاً مال سے متعلق تمام آیات واحادیث کو جمع کرکے، فہم واستنباط کے قواعد کی روشنی میں مسئلہ کا حل نکالا جائے، اور ایسے تعارض کی صورت میں جسے ختم کرنا ممکن نہ ہو، ترجیح دینے کو اختیار کیا جائے، اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ حدیث کو اس کے ورود کے اسباب، ملابسات، مقاصد وغایات کے ساتھ سمجھ کر وسائل سے متعلق احادیث اور مقاصد سے متعلق احادیث کے درمیان تمیز کی جائے۔ (۱) کیف نتعامل مع السنۃ النبویۃ، شیخ یوسف القرضاوی، دار احسان بطہران)

ششم: بعض موازین سنت قولیہ کے ساتھ خاص ہیں، ان کی تطبیق سنت فعلیہ یا سنت تقریریہ کے ساتھ کرنا ممکن نہیں مثلاً عموم، الفاظ کے خصائص میں سے ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور تقاریر سے عموم اس وقت تک نہ لیا جائے جب تک کہ کسی دوسری دلیل سے اس پر دلالت نہ ہوجائے۔ (۲) المستصفیٰ ۳۲/۲، الرسالۃ امام شافعی، ص ۵۳-۵۴)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل نسخ پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کو کیا، پھر اسی کام کو دوسری شکل میں کیا، اس سے نسخ پر دلالت نہ ہوگی، مثلاً سجدہ سہو، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد اخیر کے بعد سلام

پھیرنے سے پہلے دوسجدے کئے،اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے بعد سلام دوسجدے کئے۔(۱) بخاری کتاب السہو حدیث ۱۲۲۴،راجع فتح الباری ۹۲/۳)

اسی وجہ سے راجح قول یہ ہے کہ وہ تمام افعال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ان کو جواز پر محمول کیا جائے گا،اگر فعل ناسخ ہوتا تو حضور نے پہلے اسے نہ کیا ہوتا،اس لئے اس طرح کے اختلاف میں مشغول ہونے کا کوئی نتیجہ نہیں،حضور کے تمام افعال جواز پر دلالت کرتے ہیں،لیکن ان میں کونسا عمل افضل ہے اگر کوئی دلیل ہوتو اس سے کوئی مانع نہیں۔

ہفتم: سنت مشرفہ کی میزان بیان پر اور اللہ تعالی کے احکام کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے پر ہے،اس لئے ان ظروف کا لحاظ ضروری ہے جو نزول کے وقت تھے،اس کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ہوگا۔

نصوص قرآنیہ ان سے مراد تغیر اور اس بلندی تک پہونچنا ہے جو اللہ تعالی کو مطلوب ہے،اسی وجہ سے کسی ایک واقعہ کے ساتھ اس کو محصور کرنا درست نہیں،ہم مکہ میں نازل ہونے والے نصوص اور مدینہ میں نازل ہونے والے نصوص میں مبادی کو ثابت کرنے میں کوئی بنیادی فرق نہیں پاتے،سوائے بعض تفاصیل اور احکام کی مزید تشریح میں کچھ فرق ہوتا ہے مثلاً مکہ اور مدینہ میں نازل ہونے والے قرآنی نصوص میں اللہ تعالی کی توحید،شرک اور شرکاء سے جنگ،اخلاق،عقیدہ اور شریعت کی تثبیت،ایمان واسلام کے ارکان اور امہات واجبات ومحرمات کا بیان مثلاً مکی آیات میں بھی زکوۃ کے وجوب،سود کی حرمت اور ادائیگی حقوق میں کمی کا ذکر ہے،اس لئے نصوص قرآنیہ کا ربط کسی تاریخی یا متعین واقعہ سے کرنا جائز نہیں جیسا کہ جدید باطنی فرقے کرتے ہیں۔

دلائل کی ترتیب میں فقہ المیزان:

صحابہ،تابعین اور فقہاء متقدمین اس پر متفق ہیں کہ دلائل کے تسلسل میں اعتماد حضرت معاذ بن جبل کی حدیث کے موافق ہونا چاہئے، کتاب اللہ کو سنت پر،پھر سنت ثابتہ کو ان اجتہادات پر جو ضوابط وقواعد کے تابع ہوں مقدم ہونا چاہئے،اس کے بعد اعتماد اس اجتہاد پر ہونا چاہئے جس پر اجماع ہو،اور وہ اجتہاد اولی الامر کی طرف سے ہو اس لئے کہ حاکم یا قاضی کا فیصلہ اختلاف کو ختم کر دیتا ہے،پھر فردی اجتہاد جو اصول و ضوابط کے مطابق ہو،اس میں قیاس اور دوسری دلیلیں بھی داخل ہیں،اللہ تعالی کا فرمان ہے:يَـآ اَيُّـهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُـوٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُـوْلَ وَاُولِـى الْاَمْرِ مِنْكُم (النساء:۵۹) ترجمہ:اے ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں علماء اسلام کتاب اللہ کو سنت پر اور سنت کو اجماع پر مقدم کیا کرتے تھے،انہوں نے اجماع کو تیسرے درجہ پر رکھا تھا،امام شافعی نے فرمایا دلیل اللہ تعالی کی کتاب،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ائمہ کے اتفاق پر ہوتی ہے،انہوں نے حضرت مالک سے اختلاف کے بارے میں اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے لکھا کہ علم کے کئی درجات وطبقات ہیں:

اول کتاب سنت دوم:جس مسئلہ میں کتاب وسنت کا حکم نہ ملے اس میں اجماع سوم:صحابی کا قول اور صحابہ میں اس قول کا کوئی مخالف نہ ہو چہارم:صحابہ کا اختلاف پنجم:قیاس

امام شافعی نے کتاب وسنت کو اجماع پر مقدم فرمایا،اور بتلایا کہ اگر حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو اجماع امت کو لیا جائے گا یہی حق ہے۔(۱) اعلام الموقعین)

امام شاطبی نے بھی کتاب اللہ کو سنت پر مقدم کیا ہے، اور بعض علماء کے قول ان السنۃ قاضیۃ علی الکتاب (کہ سنت کتاب کے خلاف فیصلہ کرنے والا ہے) کا یہ قول بیان، تفسیر اور تخصیص سے متعلق ہے اور اللہ تعالی کے فرمان: لتبین للناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون (النحل: ٤٤) ترجمہ: کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے تا کہ وہ غور کریں

میں داخل ہے، پھر فرمایا کہ ان السنۃ قاضیۃ کا یہ مطلب ہے کہ سنت کتاب اللہ کی تشریح و بیان کرنے والی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سنت ان احکام کو بلا کتاب اللہ کے بیان کرنے والی ہے۔ (الموافقات ۴/۶۰۵-۸۰۷)

اس میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم پورا کا پورا متواتر ہے، جبکہ سنت زیادہ تر خبر واحد ہے، سوائے اس کے کہ جس کا تعلق تواتر معنوی یا تواتر عملی سے ہو۔

فصلِ چہارم
نصوص پر زوجیت وشفعیت کے اعتبار سے فقہ المیزان کی تطبیق

اللہ سبحانہ وتعالی نے کائنات کی تمام چیزوں کو اپنی تکوین وبناوٹ کے اعتبار سے جوڑا بنا کر پیدا فرمایا ہے، زمین وآسمان، انس وجن ہر چیز کی تخلیق زوجیت پر ہے، ارشاد ہے: سبحان الذی خلق الأزواج کلها مما تنبت الأرض و من أنفسهم و مما لا یعلمون (یٰسین: ۳۱) ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کی قبیل سے بھی، اور خود آدمیوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے۔

اور ارشاد فرمایا: و من کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (الطور: ٤٩) ترجمہ: اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا تا کہ تم سمجھو

یہ دونوں اور ان کے ساتھ دوسری بہت سی آیتیں انتہائی وضاحت سے بیان کرتی ہیں کہ تمام مخلوقات، انسان، حیوان، نبات و جماد سب زوج وجفت ہیں، اس لئے ان تمام چیزوں کی سرگرمیاں کو سمجھنے میں شفع اور زوج کو ملحوظ رکھا جائے تا کہ اس میزان کے ساتھ ان کی مناسبت سمجھ میں آئے جس کے دو پلّے ہوتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کو حقیقتاً اسی وقت سمجھا جا سکتا ہے جب ہم ایک موضوع سے متعلق تمام آیات واحادیث کو جمع کریں اور انہیں ترازو کے دونوں پلّوں پر رکھیں پھر ان پر متوازن، شامل موزوں نظر ڈالیں تو انشاء اللہ حق ظاہر ہو جائے گا، مثلاً اگر ہم صرف اللہ تعالی کی قدرت، مشیت اور ارادہ سے متعلق آیات کو جمع کریں تو ہمیں انسان کا مطلق مجبور ہونا سمجھ میں آئے گا، اسی طرح اگر ہم صرف ان آیات کو جمع کریں جو انسان کے مکلّف ہونے اور اس کے ذمہ دار ہونے کو بیان کرتی ہیں تو ہمیں یہ سمجھ میں آئے گا کہ انسان مطلقاً مختار ہے، لیکن اگر ہم ترازو کے دونوں پلّوں میں دونوں قسم کی آیتوں کو رکھیں تو ہمارے لئے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ کامل وجامع حق یہی ہے کہ قسم اول کی آیات سے مراد عقیدہ اور اس اللہ تعالی پر ایمان لانا ہے جو قادر مطلق ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور یہ بالکل برحق بات ہوگی، اور قسم ثانی کی آیات کو اللہ تعالی کے جاری وساری سنن وطریقوں پر محمول کیا جائے جن سے ثواب، عذاب اور مکلفین کی ذمہ داری کا انسان کے ارادہ واختیار کے مطابق پتہ چلتا ہے، اس سے بھی حق ظاہر ہو جائے گا۔

اسی طرح ان آیات واحادیث کو جن میں مال کی مذمت ہے اور جن میں مال کی مدح وتعریف ہے ترازو کے دونوں پلّوں میں الگ الگ رکھا جائے تو تعارض نہیں ہوگا بلکہ حق کھل کر سامنے آجائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب ہم کو نصوص شرعیہ میں ظاہری تعارض نظر آئے تو ہم کو اس کا دقیق وصحیح حل صرف اسی فقہ المیزان میں ملے گا جسے اللہ تعالی نے کتاب (قرآن) کے ساتھ نازل فرمایا ہے، ارشاد ہے: و أنزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید: ۲۵) ترجمہ: اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

یعنی متعارض دونوں قسم کے نصوص کو الگ الگ میزان کے ہر ایک کے لئے خاص پلّہ میں رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا، مثلاً جنگ وقتال سے متعلق جن آیات میں شدت وسختی ہے انہیں میزان حرب کے پلّہ میں اور جن آیات میں صلح، امن، نرمی، رفق ہے انہیں میزان سلم، رفق اور دعوت کے پلّہ میں رکھا جائے، پھر دونوں پلّوں کا وزن کیا جائے تو بلا کسی کمی وزیادتی کے تعادل ظاہر ہو جائے گا، لیکن اس میں اس طرح غور وفکر کی

ضروت ہوگی کہ متعارض دونوں پہلوؤں اور اساسی دونوں ارکان پر گہری وشامل نظر ڈالی جائے، اسی کا نام میں نے ''النظرۃ الشفعیۃ'' یا نظرۃ زوجۃ رکھا ہے، یہ نظریہ اکائی کے نظریہ سے یعنی (نظریہ آحادیہ) سے الگ ہے، نظریہ آحادیہ میں موضوع سے متعلق تمام آیات کو جمع کیا جائے گا، پھر متعارض دونوں اطراف پر ان کو تقسیم کیا جائے گا، پھر ان دونوں پر ایک جامع وشامل نظر ڈالی جائے گی، اس طرح نصوص میں کوئی تعارض باقی نہی رہے گا، کیونکہ ہر اکائی یا ہر مجموعہ کسی ایک محل سے متعلق نہیں ہوگا، بلکہ دو الگ محل اور دو الگ حالتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے تعارض ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ تعارض اسی وقت ہوتا ہے جب ایک محل ہو اور ایک حالت ہو۔

اس فقہ المیز ان کے دونوں پلّوں اور اس نظریہ شفعیہ کے مطابق ہم قتال وجنگ سے متعلق اہم آیات اور امن وصلح سے متعلق آیات بیان کرتے ہیں۔

پہلی قسم: قتال سے متعلق آیات:

جنگ سے متعلق آیات دو قسموں پر مشتمل ہیں، ان میں سے ایک قسم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل قتال اور ہجوم ہے، اور دوسری قسم سے پتہ چلتا ہے کہ قتال دفاع کے لئے ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبة: ٥) ترجمہ: پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (النساء: ٧١) ترجمہ: اے ایمان والوں اپنے ہتھیار لے لو پھر جدا جدا فوج ہو کر نکلو یا سب اکٹھے ہو کر نکلو۔

اللہ تعالی نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (التوبة: ٧٣) ترجمہ: اے نبی کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر سختی کر، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے

اللہ تعالی نے فرمایا: فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا (النساء: ٨٤) ترجمہ: سو تو اللہ کی راہ میں لڑ سوائے اپنی جان کے تو کسی کا ذمہ دار نہیں، اور مسلمانوں کو تاکید کر، قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی روک دے، اور اللہ لڑائی میں بہت ہی سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔

ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبة: ١٢٣) ترجمہ: اے ایمان والوں اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

ارشاد گرامی ہے: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (محمد: ٤) ترجمہ: پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کر لو تو ان کی مشکیں کس لو، پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی والے اپنے ہتھیار ڈال دیں، یہی (حکم) ہے، اور

اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے، اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا۔

ارشاد فرمایا: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (محمد: ۳۵) ترجمہ: پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا

ارشاد گرامی ہے: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (التوبة: ۱۹) ترجمہ: کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں لڑا، اللہ کہ یہاں یہ برابر نہیں ہیں، اور اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبة: ۲۹) ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبة: ۲۹) ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرة: ۲۱۶) ترجمہ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے مضر ہو، اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (التوبة: ٤١) ترجمہ: نکلو تم ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔

ان آیات کے ساتھ ان آیات کو بھی شامل کر لیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو واجب قرار دیتی ہیں اور یہ کہ جہاد سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت حرام ہے۔

ارشاد ہے: اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (التوبة: ٤٥) ترجمہ: تم سے رخصت وہی مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔

ارشاد فرمایا: مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ

عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبة: ۱۲۰) ترجمہ: مدینہ والوں اور ان کے آس پاس دیہات کے رہنے والوں کو یہ مناسب نہیں تھا کہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں، یہ اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا ماندگی کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں جو کافروں کے غصہ کو بھڑکائے یا کافروں سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں ہر بات پر ان کے لیے عمل صالح لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

ارشاد گرامی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (التوبة:۳۸) ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو زمین پر گرے جاتے ہو، کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو، دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔

ارشاد گرامی: فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (التوبة:۸۱) ترجمہ: جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہا کہ گرمی میں مت نکلو، کہہ دو کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے، کاش یہ سمجھ سکتے۔

دوسرا مجموعہ: وہ آیتیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قتال دفاع کے لئے ہوگا، ان میں سے، ارشاد ہے: وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرة: ۱۹۰) ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ارشاد ہے: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:۷۵) ترجمہ: اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی کر دے اور ہمارے لیے اپنے ہاں سے کوئی مددگار بنا دے۔

ارشاد فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الأنفال:۳۹) ترجمہ: اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ شرک کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے، پھر اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ ان کے اعمال دیکھنے والا ہے۔

ارشاد گرامی: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرة:۱۹۳) ترجمہ: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں۔

اگر ہم ان دونوں مجموعوں کی آیات پر غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ دونوں کا تعلق جنگ کی میزان سے ہے، دوسرے یہ نظر آئے گا کہ ان دونوں میں میزان کے دونوں پلّوں پر قائم نظریہ شفعیہ کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں، پہلے مجموعہ میں مذکور آیات ایک حقیقی و واقعی صورتحال کو

بیان کررہی ہیں کہ دشمن نے غزوہ بدر، احد، اُحزب اور دوسری جنگوں میں مسلمانوں پر حملہ کیا اور وہ اسلام اور اہل اسلام کو نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے، دونوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے، اس وقت دفاع کا موقع نہیں تھا، بلکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی حمایت اور فوری تیاری کا وقت تھا، اور دشمن کو اپنے مقاصد پورے کرنے سے روکنا اور انہیں بھگانا تھا، دوسرے مجموعہ کی آیات سے ایک اصل اور ایک عام حکم کا پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی اسلام یا اہل اسلام پر حملہ آور ہو تو اپنے دفاع اور حملہ کو پسپا کرنے کے لئے جنگ کا مجبوراً سہارا لیا جائے گا۔

اور اگر دونوں مجموعوں کی آیات کو جمع کر کے علماء اصول کے قول کے مطابق مطلق کو مقید اور عام کو خاص پر محمول کرتے ہوئے کوئی حکم لگایا جائے تو آیات قرآنیہ کا سیاق وسباق، زمان ومکان اور ان کے وقائع وماحول کو دیکھتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ جتنی بھی جنگیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے لڑیں وہ دفاع عن النفس، دفاع عن الدین اور دارالاسلام مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے لڑیں اس لئے ان آیات کو ایک دوسرے سے جدا وا لگ نہیں کیا جائے گا، بلکہ تمام کی تمام ایک مجموعہ اور جہاد کی بنیاد تھیں اس کی مزید تفصیل وتوضیح نصوص قرآن پر ہماری تعلیقات وتوضیحات میں آئے گی جب ہم ان پر میزان کی تطبیق کریں گے۔

فقہ المیزان کی روشنی میں دارالاسلام، دارالحرب یا دارالکفر اور دارالعھد:

اگر ہم قدیم فقہاء کرام کے اقوال کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک لیتے ہیں جہاں اسلامی شعائر کا اظہار مسلمانوں کی قوت وشوکت سے ہو، اور اس میں دوسرے لوگ یا تو ذمی بن کر رہتے ہوں یا مسلمانوں کی طرف سے امان لے کر رہتے ہوں۔(۱) شرح السیر الکبیر للسرخسی ۸۱/۳)

اور دارالحرب سے مراد وہ ملک جو دارالاسلام نہ ہو، ان کی مراد یا تو بالفعل یا بالقوۃ دارحرب سے ہوتی ہے، ان میں سے بعض فقہاء نے دارالعھد اور دارالمصالحہ کا بھی اضافہ کیا ہے(۲) الخراج لأبی یوسف، ص۱۴۴، والمبسوط للسرخی ۱۰/ ۱۴۴، وبدائع الصنائع ۷/ ۱۳۰، والأحکام السلطانیۃ للماوردی، ص۱۳۳، وفتح العزیز للرافعی ۸/ ۱۴)

دارالاسلام اور دارالحرب کی تحدید میں معاصر فقہاء میں بھی اختلاف ہے، ان میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ دارالاسلام وہ ہے جہاں اسلامی حکومت قائم ہو اور اسلامی شریعت کی تطبیق ہو، یہ حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے بعض فقہاء کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ: دار الاسلام کی یہ شرط نہیں ہے اس میں مسلمان ہوں، بلکہ اتنا کافی ہے کہ وہاں امام ہو اور مسلمان ہوں۔(۳) فتح العزیز للرافعی ۱۴-۱۸)

بعض دوسرے فقہاء کا قول ہے کہ وہاں اسلامی احکام کا اظہار ہو، یا وہاں کے مسلمان احکام اسلام کا اظہار کر سکتے ہوں (۴) التشریع الجنائی، عبدالعزیز عودہ، والجہاد الاسلامی محمد سعید رمضان البوطی ۸۱-۸۲)

اسی طرح دارالاسلام میں ہر وہ ملک داخل ہو جائے گا جس کے تمام باشندے یا ان کی اکثریت مسلمان ہو، اسی طرح دارالحرب میں ہر وہ ملک داخل ہو جائے گا جس میں غیر مسلموں کی حکومت یا تسلط ہو جبکہ وہاں رہنے والے مسلمان احکام اسلام کا اظہار کر سکتے ہوں۔(۵) التشریع الجنائی عبدالقادر عودہ، ۴۲۱/۱)

بعض فقہاء نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ اسلامی ممالک جہاں آجکل تمام احکام شریعت کی تطبیق نہیں ہوتی، وہ دارالاسلام نہیں ہوگا بلکہ دارالکفر یا دارالعھد میں اس کا شمار ہوگا۔

میری نظر میں آخری قول کہ جہاں غیر مسلم حکومت میں مسلمان احکام اسلام کا اظہار کر سکتے ہو زیادہ راجح ہے، فقہاء کرام کے اقوال

سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، احناف نے دارالکفر ہونے کی تین شرطیں ذکر کی ہیں:

۱۔ جہاں احکام کفر ظاہر ہوں۔

۲۔ وہ ملک دارالحرب سے متصل ہو۔

۳۔ جہاں مسلمان یا ذمی امن وامان سے نہ رہ سکتے ہوں۔(۱) بدائع الصنائع ۷/۱۳۰)

شوافع نے بھی تقریباً یہی بات کہی ہے کہ کفار کے غالب آجانے کے باوجود دارالاسلام کی صفت تبدیل نہیں ہوتی اور نہ ہی مسلمانوں کے ان کے اقتدار کو تسلیم کرنے کے بعد اس کی صفت بدلتی ہے۔(۲) تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب ۴/۲۲۰)

کیا دارالاسلام ودارالکفر وغیرہ کی تقسیم شرعی ہے یا واقعی اور فقہی:

بعض معاصر فقہاء نے فقہاء کے درمیان اس تقسیم کو اجتہادی تقسیم کہا ہے جس کی دلیل کتاب وسنت سے نہیں ملتی، اسی وجہ سے انہوں نے اس تقسیم کے شرعی ہونے کا انکار کیا ہے۔(۱) مجموعہ بحوث فقھیۃ ۱۰۴-۱۰۵، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، ص ۱۰۴-۱۰۵، اور شیخ تقی الدین نبہانی، الشخصیۃ الاسلامیۃ ۲/۲۱۵)

جبکہ معاصر فقہاء کے دوسرے فریق نے اس تقسیم دارالاسلام، دارالکفر اور دارالحرب کو شرعی منصوص علیہ تقسیم کیا ہے، ان کے دلائل:

اول: امام مسلم نے اپنی صحیح میں اپنی سند سے بریدہؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دو، ان میں سے وہ جسے قبول کرلیں اسے قبول کرلو اور ان کو چھوڑ دو، ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کر لیں تو اسے ان سے قبول کرلو، ان سے درگزر کرو، پھر دوسرے ان کو اپنا علاقہ چھوڑ کر دارالھجرہ میں آنے کی دعوت دو، اور ان سے کہو کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو جو مہاجرین کے حقوق ہیں وہ ان کو ملیں گے، اور جو مہاجرین پر ذمہ داریاں ہیں وہ ان پر ہوں گی (۲) مسلم ۵/۱۴۰)

یہ دلیل مناقشہ کی طالب ہے۔

الف: اس میں دارالاسلام، دارالحرب یا دارالکفر کی کوئی تقسیم نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے علاقہ سے مہاجرین کے علاقہ میں آجاؤ، یہ علاقہ کی تقسیم ہے، محاربین کا علاقہ اور مہاجرین کا علاقہ۔

ب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دیار سے مہاجرین کے دیار میں آجائیں تاکہ ان کو مہاجرین کے تمام حقوق مل سکیں، یہاں کسی دوسری چیز کا ذکر نہیں، نہ دارالاسلام کا اور نہ دارالکفر کا۔

ج: یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے، جبکہ مسلمانوں سے یہ مطلوب تھا کہ وہ دارالھجرہ مدینہ منورہ آجائیں تاکہ مسلمانوں کو تقویت ملے اور ان کا دین خطرہ میں نہ پڑے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد ونیت ہے''۔

دوم: امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ کے ساتھ جو صلح کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی بوڑھا ہونے کی وجہ سے کام نہ کرسکتا ہو، اس کو کوئی مصیبت لاحق ہوگئی تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے اور مسلمانوں کے بیت المال سے اس کو اور اس کی عیال کو اس وقت تک وظیفہ دیا جائے گا جب تک کہ وہ دارالھجرہ یا دارالاسلام میں رہے گا، اگر وہ لوگ دارالھجرہ یا دارالاسلام سے چلیں جائیں تو ان کی عیال کو وظیفہ نہیں ملے گا۔

راجح: ہمارے نزدیک یہ ثنائی یا ثلاثی تقسیم حقیقی ہے اور اس کی دلیلیں وضاحت سے کتاب وسنت میں ملتی ہیں لیکن خاص منصوص کوئی

نص نہیں ہے، صلح حدیبیہ کے بعد ان پر دلالت سورہ انفال میں ملتی ہے، جس میں چار اصناف کا بیان ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ (الأنفال: ۷۲-۷۳) ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہیں ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر سوائے ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو، اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم یوں نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ پھیلے گا اور بڑا فساد ہوگا۔

یہ لوگ:

۱۔ دارالاسلام میں رہنے والے مہاجرین وانصار ان کو ولایت، نصرت، ایمان کا حق اور رہنے کا ٹھکانہ ملنے کا حق ہے۔

۲۔ وہ اہل ایمان جو دارالکفر میں رہے اور ہجرت نہیں کی، ان پر ہجرت کرنا لازمی ہے، اور انہیں حق ولایت اور نصرت کا حق اس لئے نہیں ملے گا کہ ان کا گھر و دیار دارالاسلام سے مختلف ہے، لیکن وہ اہل ایمان ہیں، انہیں ایمانی اخوت و بھائی چارگی کے حقوق جیسے میراث وغیرہ ملے گی، اور اگر وہ اسلامی حکومت سے مدد کے طالب ہوں گے تو حکومت اسلامیہ کو ان کی مدد کرنا ہوگی، لیکن اگر اسلامی حکومت کے ان کے ساتھ معاہدات اور عہد و پیمان ہوں گے تو پھر مدد نہیں کی جائے گی، فتح مکہ کے بعد مدینہ ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا۔

۳۔ اگر غیر مسلموں کے اور مسلمانوں کے درمیان معاہدات و اتفاقیات ہوں تو انہیں پورا کیا جائے گا، انہیں امان دی جائے گی، اور اگر مسلمانوں نے ان کے خلاف مدد طلب کی تو دارالاسلام کے باہر ان کی مدد نہیں کی جائے گی، ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ: ۱) ترجمہ: اے ایمان والوں عہدوں کو پورا کرو۔

اور ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ (الرعد: ۲۰) ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس عہد کو نہیں توڑتے۔

۴۔ دوسرے وہ کفار جن سے مسلمانوں کا کوئی عہد و پیمان نہ ہو اور وہ مسلمانوں کو نقصان پہونچانے اور جنگ کرنے والے ہوں، یا مسلمانوں کی زمین پر قابض ہوں اور اس سے نہ نکلیں تو یہ بالقوۃ یا بالفعل دارحرب ہوگا۔ (فقہ الجہاد: یوسف القرضاوی)

قرآن کریم نے وضاحت سے اشارہ کیا ہے کہ مدینہ منورہ (یثرب) دارہجرہ و دارایمان ہے، ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ (حشر: ۹) ترجمہ: اور وہ (مال) ان کے لیے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے، جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن ان تمام دلائل میں دارالاسلام اور دارالکفر وغیرہ کی تصریح نہیں ہے، اس لئے ہم نے درمیانی قول اختیار کیا، ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ آج جو اقوام ہیں یا تو وہ اسلامی حکومتیں ہیں یا ہمارے اور ان کے درمیان اقوام متحدہ یا سفارات کے ذریعہ عہد و پیمان ہیں،

سوائے ایک حکومت کے جو ہماری زمین پر قابض اور ہمارے ساتھ حالت جنگ میں ہے، اسرائیل جو بیت المقدس پر قابض اور ہم سے جنگ کر رہا ہے وہ اس سے خارج ہے۔

اس تقسیم میں فقہ المیزان:

یہ تقسیم حق، صحیح اور واقعی ہے اس لئے دار الحرب کی خاص میزان ہونا چاہئے جو جنگ وقتال سے ہم آہنگ ہو، اور دار کفر دار صلح کی الگ میزان ہونا چاہئے اور اس کے خلاف جنگ کا اعلان نہ ہونا چاہئے، جبکہ اسے حکمت ودانائی سے اسلام کے متعلق بتلانا چاہئے، اسی طرح دار العھد کی بھی خاص میزان ہونا چاہئے جس میں عہود ومواثیق ومعاہدات کا احترام ہو، ان تینوں موازین میں خلط ملط نہ ہونا چاہئے۔

دوسری قسم: صلح، امن اور اچھے طریقہ سے دفاع اور بچاؤ سے متعلق آیات:

ہم ذیل میں چند آیات ذکر کرتے ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّه هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الأنفال: ٦١) ترجمہ: اور اگر وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

سورہ انفال کی یہ آیت جنگ کے لئے تیاری کے حکم کے فوراً بعد آئی ہے، ارشاد ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الأنفال: ٦٠) ترجمہ: اور ان سے لڑنے کے لیے جو کچھ قوت سے اور صحت مند گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر رعب پڑے۔

اس آیت کریمہ میں امن کی اہمیت بتاکید بتلائی گئی ہے، اگر دشمن دھوکہ دینا چاہے تو فرمایا وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (الأنفال: ٦٢) ترجمہ: اور اگر وہ چاہیں کہ تمہیں دھوکہ دیں تو تجھے اللہ کافی ہے، جس نے تمہیں اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے قوت بخشی

اللہ تعالی کا فرمان ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لَّا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الممتحنة: ٧-٩) ترجمہ: شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تمہیں دشمنی ہے دوستی قائم کر دے، اور اللہ قادر ہے، اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تمہیں اللہ انہیں سے منع کرتا ہے کہ جو دین (کے معاملے) میں تم سے لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی یہ کہ ان سے دوستی کرو، اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں

فقہ المیزان مسلمانوں اور غیروں کے تعلقات سے متعلق نصوص کو سمجھنے کا صحیح معیاری حل ہے:

کتاب وسنت سے جو نصوص اب تک پیش کئے گئے، ان میں سے بعض نصوص سختی، شدت اور قوت کے استعمال اور بعض نرمی، رحمت کی دعوت پر مشتمل ہیں۔

میں نے ان نصوص شرعیہ پر ان سے متعلق دوسرے دلائل پر ایک طویل عرصہ تک غور خوض کیا اور مجھے یہ ضروری نظر آیا کہ ان کو ایک دقیق پیمانہ سے مربوط کیا جائے، مجھے فقہ المیز ان کا راستہ نظر آیا، جس کا ذکر کتاب کے ساتھ کیا گیا ہے، ارشاد ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبينات و أنزلنا معهم الكتاب و الميزان ليقوم الناس بالقسط (الحديد: ۲۵) ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں رسول نشانیاں لیکر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

اس آیت کریمہ سے کھل کر وضاحت سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کتاب اور میزان سے متحقق ہو گا، اس کا مقصد یہ ہوا کہ میزان کتاب کے ساتھ ہے اور کتاب سے جدا نہیں ہوتی، اس کی روشنی میں میزان کی تفسیر صرف اس مادی میزان سے کرنا جس سے مادی اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے، مکمل صحیح و جامع نہیں ہوگا، جبکہ وہ میزان کی ایک قسم ہے، مادی وزن کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء میں بھی میزان دقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور جیسا کہ پہلے بھی گزرا مادی موازین بھی مختلف ہوتے ہیں ایک میزان نہیں ہوتی، اسی طرح شریعت کے اوزان، احکام، مبادئ اور انواع کے ناپنے کی بھی مختلف موازین ہوتی ہیں، اسی وجہ سے قرآن کریم میں ''المیز ان'' ''ال'' جنس سے بیان کیا گیا ہے، یعنی ''جنس میزان'' یہاں الف لام استغراقی بھی ہوسکتا ہے یعنی ہر میزان، الف عہد ذہنی و خارجی کے لئے نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی سابقہ میزان کا ذکر نہیں ہے۔

انسانی تعلقات کو اگر ہم خاص موازین اور اوزان کے تابع نہیں کریں تو بڑا فساد ہوسکتا ہے، ان متعلقات میں حرب کا تعلق، امن اور مل جل کر رہنے کا تعلق اور دعوت کا تعلق ہوگا، جنگ کی، امن اور مل جل کر رہنے کی اور دعوت کی ہر ایک کی خاص میزان ہوگی (جیسا کہ پہلے بیان ہوا)۔

امن اور بقائے باہم کی میزان تعارف، گفتگو و بات چیت، تعامل، تعاون کے ساتھ نرمی، رفق اور پرسکون حالات پر قائم ہوتی ہے اس لئے نرمی اور رفق مہربانی سے متعلق کتاب وسنت کے تمام نصوص شرعیہ کو مسالمت و دعوت کی میزان پر محمول کیا جائے گا۔

جنگ کی میزان، جنگی تیاری، جنگ پر ابھارنا، اشتعال دلانا، گشیدگی پیدا کرنا، سختی، شدت، عنف، دھوکہ، سیطرہ، تسلط، نصر، ظفر، تخویف، ترھیب وارھاب پر ان کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے، آج کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہوتی، کتاب وسنت کے تمام نصوص شرعیہ میں واردان کلمات کو میزان حرب پر اتارا جائے گا۔

اسی طرح ہم کو کبھی بھی آیات حرب اور آیات صلح و دعوت اور ان کے متعلقات میں کوئی تعارض نہیں ملے گا، اور ان میں نسخ اور معانی میں وسعت نکالنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، جس طرح کہ بعض متقدم اور متأخر علماء نے کہا کہ قرآن کریم کی دسیوں یا زیادہ آیتوں میں نسخ ہوا ہے، بلکہ ان میں سے بعض نے کہا کہ ''آیت السیف'' تنہا سو مرتبہ سے زیادہ نسخ ہو چکی ہے۔ (۱) یوسف القرضاوی، المرجع السابق)

ہم ذیل میں دونوں انواع سے متعلق آیات قرآنی کو فقہ المیز ان پر منطبق کرتے ہیں:

نوع اول: وہ تمام آیات جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سیف اور قتال کی آیات سے منسوخ ہیں جبکہ ان تمام آیات کریمہ کو سلم اور دعوت کی میزان پر محمول کیا جاسکتا ہے، ارشاد گرامی ہے: قُلْ يَآ اَيُّـهَـا الْـكَـافِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُـمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَـابِدٌ مَّـا عَبَـدْتُّـــمْ وَلَآ اَنْـتُـمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (الكافرون: ۱-٦) ترجمہ: کہہ دو اے کافروں نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی

عبادت کروگے تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔

اس سورت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ آیات قتال سے منسوخ ہے، جبکہ حقیقت میں یہ محکم سورت ہے، اسے صلح، دعوت اور بقائے باہم کے ساتھ خوشحال زندگی گزارنے کی میزان کے تابع کیا جاسکتا ہے، اس کی تائید ''مکی اور مدنی'' دوسری بہت سی آیات سے ہوتی ہے، جن میں انسان کو اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کی آزادی بتأ کید دی گئی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر (الكهف: ۲۹) ترجمہ: سو جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کافر رہے

بلکہ وہ تمام آیتیں جو جزیہ، دوسرے کو قبول کرنے، صلح اور مسالمت اختیار کرنے کا حکم دیتی ہیں وہ اس سورت کی آیت کریمہ لكم دينكم و لي دين کی تاکید کرتی ہیں، اور کفار کو یہ حق دیتی ہیں کہ وہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ آزادی، حریت کے ساتھ رہ کر خوشحال زندگی گزاریں، اس کے بدلہ ومقابل میں ان کو ایک ٹیکس دینا ہوگا جسے جزیہ کہتے ہیں، یہ ٹیکس امن وامان اور باہمی تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کے لئے دینا ہوگا۔

بیشک امن، بقائے باہم اور دعوت کی میزان یہ ہے کہ کسی کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے مذہب کے بارے میں مجبور کرے، بلکہ اس کے وجود، اس کے دین کے وجود کا اعتراف کرنا ہوگا، اس کا یہ مقصد نہیں ہوگا کہ ہم کسی کے دین کی صحت وصداقت کا اعتراف کررہے ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ملحوظ نظر ہے کہ قرآن کریم نے بت پرست، جاہل مشرکین کے دین کا اور ان کے وجود کا اعتراف کیا ہے، اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ مسلمان مشرکین کو اور مشرکین مسلمانوں کو دین کے معاملہ میں مجبور نہیں کریں گے، اس لئے مکرر ارشاد فرمایا: لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ وَلَآ اَنۡتُمۡ عَابِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ وَلَآ اَنۡتُمۡ عَابِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ (الكافرون: ۲-۵) ترجمہ: نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اہل کتاب کے متعلق قبلہ کے مسئلہ میں تکرار کے ساتھ ارشاد فرمایا: وَلَئِنۡ اَتَيۡتَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ وَ مَآ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ وَمَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَةَ بَعۡضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ (البقرة: ۱۴۵) ترجمہ: اور اگر آپ ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں جنہیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کو نہیں مانیں گے، اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں، اور نہ ان میں کوئی دوسرے قبلہ کو ماننے والا ہے، اور اگر آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا تو بے شک آپ بھی تب ظالموں میں سے ہوں گے۔

اللہ تعالی نے وضاحت سے بتلایا کہ اے محمد آپ ان کی اتباع نہ کریں وہ اپنی گمراہی پر باقی رہیں گے۔

۲۔ آیت السیف جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ۱۲۴ مرتبہ نسخ ہوئی۔(۱) کہا گیا ہے کہ وہ آیت یہ ہے، اللہ تعالی نے فرمایا (: الناسخ و المنسوخ لابن سلامہ الضریر، ص ۱۲۸، وڈاکٹر مصطفی البیان لرفع غموض النسخ فی القرآن، ط مکتب التفسیر للطباعۃ والنشر، ۲۰۰۰م، ص ۲۸۲)

ارشاد ہے فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (التوبة: ۵) ترجمہ: پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو اور پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور

زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ آیت السیف اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبة:٣٦) ترجمہ: اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اگر ہم ان دونوں آیتوں پر فقہ المیز ان کی تطبیق کریں تو ہمیں ان کے منسوخ ہونے کا حکم لگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، یہ میزان میزان حرب ہے، یہ مشرکین مسلمانوں سے جنگ کرنے والے تھے، ان کا مقصد اسلام کا خاتمہ کر دینا تھا، وہ بار بار مسلمانوں پر حملہ کرتے، عہو دو مواثیق کا التزام نہیں کرتے تھے، اب اسلامی حکومت کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ان کے لئے ایک مدت مقرر کرے، اب بھی اگر وہ اپنے عہد و پیمان کا لحاظ نہ رکھیں تو حکومت کے لئے ان سے جنگ لازمی ہوگی تا کہ ان کا معاملہ حد سے متجاوز نہ ہو جائے، قرآن کریم نے ان سے جنگ کی شرط عہد و پیمان کو چھوڑ نا رکھی، ارشاد ہے: وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (التوبة:١٢-١٣) ترجمہ: اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں تو کفر کے سرداروں سے لڑو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تا کہ وہ باز آئیں خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو

اور دوسری آیت بالمثل معاملہ کرنے پر بالکل واضح ہے، یعنی اگر مشرک تم سے اکھٹے جنگ کریں تو تم بھی ان سے اکھٹے جنگ کرو، یہاں نسخ کہاں ہے؟!

دوسری قسم: قتال اور جنگ سے متعلق آیتیں وہ تمام اس میزان کے تابع ہیں جسے اللہ تعالی نے کتاب کے ساتھ نازل فرمایا، وہ اپنی تمام شروط، ضوابط اور توابع کے ساتھ جنگ کی میزان ہے۔

باب سوم

قرآن کریم کی ظاہری طور پر متعارض نصوص جو اپنے میزان اور وزن کے موافق ہیں اس پر عملی تطبیقات

پہلی عملی تطبیق: سورہ توبہ پر میزان کی تطبیق

سورہ توبہ یا براءہ بہت سخت اور مشرکین کو ٹارگیٹ کرنے والی سورت مانی جاتی ہے، وہ رسول اللہ صلعم، صحابہ کرام اور مشرکین کے درمیان ہمہ گیر حالت جنگ پر نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کو مکہ مکرمہ سے نکالا اور آپ صلعم کے بعض ساتھیوں کو تعذیب دے کر قتل کیا، آپ کو وہاں پر قتل اور گرفتار کرنے کی کوشش کی، اور اپنی ساری کوششیں اسلام اور آپ کے ساتھیوں کو اکھاڑ پھینکنے کی کر ڈالیں، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ سے کئی جنگیں کیں جیسے جنگ احد اور جنگ احزاب وغیرہ، انہوں نے جنگی اخلاقیات یا کسی بھی عہد کا کبھی بھی پاس نہیں کیا، یہ سورت ان خون آشام اور تکالیف سے بھرپور ماحول میں نازل ہوئی، یہ سورت مسلمانوں کو جو کہ اقلیت میں تھے کفر اور اس کے گروہوں کے خطرات کے سامنے جو کہ بہت زیادہ تھے ثابت قدم رکھنے کی کوشش کرتی ہے، اس کے باوجود اس سورت میں صلح اور جنگ کی بلند اخلاقیات سے متعلق بڑے عظیم اصول پنہاں ہیں، اور دینی آزادی کی توثیق کے دوران مسلمانوں کے نفسیاتی پہلو کو بلا متاثر ہوئے واشگاف انداز میں بیان کرتی ہیں کہ یہ جنگ صلح پسند غیر فوجیوں (شہریوں) کے خلاف نہیں ہے، اور یہ کہ اسلام کا میزان حالت جنگ وصلح میں عہد و پیمان کا پورا لحاظ کرتا اور خیانت سے بچتا ہے اور انصاف واخلاق کے اصولوں کی ہر وقت اور ہر حالت میں پاسبانی کرتا ہے۔

اس کی روشنی میں سورت پر مختصر نظر:

۱۔ پہلی آیت: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (التوبة:۱) ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے بیزاری ہے جن سے تم نے عہد کیا تھا۔

مشرکوں سے جو کہ غدر، بدعہدی اور مؤمنین کی گھات لگائے رہتے ہیں اور خطرہ بنے ہوئے ہیں یہ سورت براءت کا اعلان کرتی ہے، یہ بالکل فطری بات ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور دشمنی پر آمادہ ہیں اور اللہ کے رسول صلعم سے جنگ کا اعلان کیا، غزوہ بدر سے غزوہ احزاب خندق تک جن میں ۷۰ کبار صحابہ شہید ہوئے ان کے جسموں کا مثلہ کیا حتی کے بعض کبار صحابہ کے جگر کو نکال کر اس کو چبایا، اس لئے ان سے شامل وکامل انقطاع اور دوری ضروری ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس کے باوجود دوسری آیت مشرکوں کو چار ماہ کی مہلت دیتی ہے فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكَافِرِيْنَ (التوبة:۲) ترجمہ: سو اس ملک میں چار مہینے پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے، اور بے شک اللہ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے

بلکہ آیت نمبر ۱۳ و ۱۴ میں ان کے خلاف جہاد کا سبب ان کا عہد توڑنا اور رسول صلعم کو نکالنے کی کوشش قرار دیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (التوبة: ۱۳ -۱۴)

ترجمہ: خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔ ان سے لڑو تا کہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے۔

۳۔ چوتھی آیت میں اعلان جنگ سے ان مشرکین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جن کے اور اللہ کے رسول صلعم کے درمیان عہد و میثاق تھا اور انہوں نے اس کو توڑا نہیں تھا، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کی مدت تک اس کو پورا کریں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبة:٤) ترجمہ: مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی قصور نہیں کیا اور تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد نہیں کی سو ان سے ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دو، بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

۴۔ پانچویں آیت میں سابق سیاق کے مطابق مشرکین سے جنگ کا اعلان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبة:٥) ترجمہ: پھر جب عزت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑو اور انہیں گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لیکن یہ آیت چھٹی آیت سے ملحق ہے جس میں صلح جو مشرکین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جنہوں نے مسلمانوں سے پناہ چاہی، بلکہ قرآن حکم دیتا ہے کہ ان پر ایمان تھوپنے یا مجبور کئے بغیر ان کو پُر امن جگہ پہنچایا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (التوبة:٦) ترجمہ: اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو، یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں

۵۔ سورت کا ماحول جنگ کا ہے، اور مقام جنگی تیاری اور اس کی استعداد کا ہے، اور میزان میزان جنگ ہے جس میں کوئی نرمی نہیں ہوتی، اس کے باوجود ساتویں آیت میں جنگوں کا میزان مقرر کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبة:٧) ترجمہ: بھلا مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے ہاں عہد کیونکر ہو سکتا ہے ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا ہے، اگر وہ قائم رہیں تو تم بھی قائم رہو، بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

یعنی معاملہ بالمثل ہوگا لیکن اخلاقی پہلو کا خیال رکھ کر اور جنگ و معاملہ میں تقوی کی رعایت برتی جائے گی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عہد اور معاہدہ پر قائم ہے اسلام اس کا احترام کرتا ہے اور ان کے خلاف اعلان جنگ نہیں کرتا، جو ایک مرتبہ یا اس سے زیادہ بدعہدی کرتا ہے اس کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، اس کا معاملہ اللہ اور اس کے رسول سے متعلق ہو جاتا ہے۔

۶۔ اس سورت کا میزان جنگی تیاری اور حقائق کی توضیح کا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت ۷ سے ۱۳ تک، ان دشمن مشرکین کے پلانوں کا تذکرہ کیا جن میں مذکورہ صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، جن میں سے ایک بھی اعلان جنگ کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ سب اکھٹی ہو جائیں وہ درج ذیل ہیں:

(الف) کبھی کسی عہد معاہدہ، پڑوس وامان، حقوق کی ضمانت یا رشتہ داری وقرابت کا پاس ولحاظ نہیں کرتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فَاسِقُوْنَ (التوبة:۸) ترجمہ: کیونکر صلح ہو اور اگر وہ تم پر غلبہ پائیں تو نہ تمہاری قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا، تمہیں اپنی منہ کی باتوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بدعہد ہیں۔

(ب) تمہارے دین پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ہمیشہ جنگ کے لیڈر رہوتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (التوبة:۱۲) ترجمہ: اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں تو کفر کے سرداروں سے لڑو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تا کہ وہ باز آئیں۔

(ج) رسول صلعم اور مہاجرین کو ان کے گھروں اور علاقوں سے دین کی وجہ سے نکالا اور دین میں آزمائش کی اور جنگ کی ابتداء بھی کی، اللہ تعالی فرماتا ہے: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (التوبة:۱۳) ترجمہ: خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو

(د) تمام ذرائع سے دینی آزادی کے خلاف جنگ کی، عہد و پیمان اور رشتہ داری کا احترام نہیں کرتے: لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ (التوبة:۱۰) ترجمہ: یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ رشتہ داری کا خیال کرتے ہیں اور نہ عہد کا، اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں

(ھ) وہ کفر وشرک کے امام اور فتنوں کے لیڈر رہے ہیں، مسلمانوں کو حق کے راستہ سے منع کیا اور اللہ کے راستے سے روکا: اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (التوبة:۹) ترجمہ: انہوں نے اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا پھر اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، بے شک وہ برا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

(و) تمہیں اکھاڑ پھینکنے اور ختم کر دینے کا ان کا ارادہ ہے اور تم کو ہلاک کر دینے کے درپے ہیں: كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فَاسِقُوْنَ (التوبة:۸) ترجمہ: کیونکر صلح ہو اور اگر وہ تم پر غلبہ پائیں تو نہ تمہاری قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا، تمہیں اپنی منہ کی باتوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بدعہد ہیں۔

مطلب نفس اور دین کے دفاع کے لئے اعلان جنگ۔

(ح) رسول صلعم اور مسلمانوں کے لئے وہ کوئی خیر و بھلائی نہیں چاہتے بلکہ ان کے لئے ہر طرح کے شر کے متمنی ہیں، ان کو بھلائی پہنچے تو ان لوگوں کو غم ہوتا ہے، اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو ان کو خوشی ہوتی ہے: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ (التوبة:۵۰) ترجمہ: اگر تمہیں آسائش حاصل ہوتی ہے تو انہیں بری لگتی ہے، اور اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی سنبھال لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں

یہ مذکورہ اسباب ہی جنگ کے اعلان کا سبب ہیں، اس لئے اللہ تعالی نے آیت ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ میں ان سے قتال کا حکم دیا اَلَا تُقَاتِلُوْنَ

قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ:۱۳-۱۵) ترجمہ: خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو ان سے لڑو تا کہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے اور ان کے دلوں سے غصہ دور کرے، اور اللہ جسے چاہے توبہ نصیب کرے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس کے باوجود ان کو موقع دیا گیا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں یعنی اس سب کے باوجود انہیں جنگی مجرم نہیں گردانا جنہیں قتل کر دیا جاتا ہے بلکہ ان پر قابو پانے کے باوجود نجات پانے کا موقع دیا گیا: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (التوبۃ:۱۱) ترجمہ: اگر یہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ہم سمجھ داروں کے لیے کھول کھول کر احکام بیان کرتے ہیں۔

۷۔ آیت ۱۶ سے ۲۸ تک جنگ کی میزان کے ضمن میں جنگ کی تیاری اور جنگی لازمی اہتمام ان دشمنوں کے عیوب کے تذکرہ کے ذریعہ کیا گیا اور سچے مؤمنین کی مدح سرائی کی گئی اور اللہ کے پاس ان کے ثواب کو بتلایا گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ترجمہ: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے ایسے لوگوں کو جدا ہی نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا، اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔

ارشاد گرامی اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِى النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا

يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ:۱۶-۲۸) ترجمہ: ان لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا، سو وہ لوگ امیدوار ہیں کہ ہدایت والوں میں سے ہوں کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں لڑا، اللہ کہ ہاں یہ برابر نہیں ہیں، اور اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اللہ کے ہاں ان کے لیے بڑا درجہ ہے، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں انہیں ان کا رب اپنی طرف سے مہربانی اور رضامندی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں انہیں ہمیشہ کا آرام ہوگا ان میں ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہیا ے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں سے دوستی نہ رکھو اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں، اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے، اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا اللہ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے، اور حنین کے دن، جب تم اپنی کثرت پر خوش ہوئے پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر تسکین نازل فرمائی اور وہ فوجیں اتاریں کہ جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا، اور کافروں کو یہی سزا ہے پھر اس کے بعد جسے اللہ چاہے توبہ نصیب کرے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں سو اس برس کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں، اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو آئندہ اللہ اگر چاہے تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا، بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ان آیات کا مجموعہ عظیم اصولوں پر مشتمل ہے ان میں سے اہم یہ ہیں:

(الف) مؤمنین کو اپنی زندگی میں خرچ، قربانی اور فدائیت کو اپنانا ہے تاکہ صالح اور خبیث میں تمیز ہو جائے اور ان کی اہلیت اس امانت کے بار کو اٹھانے کی ثابت ہو جائے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے لئے مساجد کی تعمیر کفر و شرک کے ساتھ کوئی نفع پہنچانے والی نہیں، اور ان کی یہ تعمیر مادی ہے جب تک کہ اس میں ذکر و صلوٰۃ نہ ہوں

(ج) جو لوگ اس تعمیر بیت اللہ کے زیادہ اہل ہیں وہ سچے مؤمن ہیں، مسجد حرام کی تعمیر اور حجاج کو پانی پلانا اپنی اہمیت کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا ''لا یستوون''

پھر ایمان ہجرت اور جہاد اکھٹے ان کا بہت زیادہ وزن اور بڑا مرتبہ ہے جن کو سوائے ان کے کوئی نہیں پا سکتا جن میں یہ تینوں صفتیں موجود ہوں، ایمان کفر کے برابر نہیں، ایمان اور جہاد بالنفس والمال خالی ایمان کے برابر نہیں اور ایمان جہاد اور ہجرت کے ساتھ صرف ایمان جہاد یا ایمان ہجرت کے مقابلہ میں زیادہ افضل اور وزنی ہے، یہ رتبوں اور اوزان کا بیان ہے۔

(د) قرآن پاک نے یہاں فقہ المیز ان میں سے اس کا ذکر کیا جس کا تعلق مرتبوں اور اوزان سے ہے تو وضاحت کی۔

(ھ) دفاع نفس و مال و وطن کے لئے جہاد اور اللہ کے راستہ میں قربانی کا میزان ان کے سوا مال و اولاد اور قرابت داروں کے مقابلہ میں متقدم

ہے،اس لئے کہ اگر یہ دشمنان اسلام مسلمانوں پر غالب آجائیں تو ان کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا بلکہ وہ لوگ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

(و) اللہ تعالی کی مدد و نصرت کی سنتیں اور طریقے ہیں اور ایمانی و اخلاقی پہلو کا کامیابی اور شکست میں بڑا رول ہے۔

(ز) اصولوں اور مبادئ کو چوٹی پر ہونا چاہئے اور مال اور شخصی مصلحتیں اس پر متقدم نہیں ہونا چاہیں۔

۸۔ ۲۹ ویں آیت میں اللہ تعالی نے اہل کتاب کے ایک گروہ (یہود یثرب اور ان کے ساتھیوں) سے جنگ کا حکم دیا جنہوں نے عربی قبیلوں کو غزوہ احزاب کے لئے اکسایا تھا تا کہ رسول صلعم اور ان کے ساتھیوں کا مدینہ میں قلع قمع ہو جائے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبة:۲۹) ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اور جنہوں نے جھوٹی گواہی دی اور مؤمنین سے قتال کو جائز ٹھہرانے کے لئے مشرکین سے کہا تھا: وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (النساء:۵۱) ترجمہ: اور یہود کافروں سے کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں

یعنی توحید کے قائل مؤمنین کے خلاف جن کا عقیدہ ایمان باللہ، یوم آخرت اور آسمانی رسالت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی طرح ہے اور پھر بھی رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کے خلاف ملیا میٹ کر دینے والی جنگ میں عملاً شریک ہوئے اور ان کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جائے؟ انسان کیا توقع کر سکتا ہے؟

ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ امریکہ نے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد کیا کیا؟ تیسری عالمی جنگ چھیڑ دی اور عالم کو دو گروہوں میں بانٹ دیا، ایک جو ان کے ساتھ ہو گیا اور دوسرا ان کا مخالف، دو مسلم ملکوں افغانستان اور عراق پر قبضہ کر لیا اور بغیر کسی گناہ و غلطی کے ہزاروں لوگوں کو قتل کیا اور نوجوانوں کے ایک گروہ جن کی تعداد صرف ۱۹ تھی اور جنہوں نے دونوں برجوں کو اڑا دیا تھا کہ وجہ سے عالم اسلامی پر ارھاب و تشدد کا الزام دھر دیا اور گوانتانا موبے، بوگریب جیل اور خفیہ جیلوں میں انسانی حقوق طاق پر رکھ دیئے گئے۔

امریکہ نے یہ سب ۱۱ ستمبر کے واقعات کے پس منظر میں کیا جن کے بارے میں اب تک ابہام ہے کہ وہ کون لوگ تھے، کس کی طرف سے یہ سب کیا گیا، پھر ان کی تعداد ۱۹ تھی، ان کی وجہ سے کس طرح اس دین پر ارھاب کا الزام لگایا جا سکتا ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد دو ارب ہے، کیا ان واقعات کو جن سے امریکہ یا اس کے نظام کو کوئی وجودی خطرہ نہ تھا ان کا قیاس ان کوششوں اور سازشوں سے کیا جا سکتا ہے جو یہود یثرب اور ان کے مددگاروں نے غزوہ احزاب میں کیں اور جس کا اول و آخر مقصد اسلام اور اس کے ماننے والوں کا خاتمہ اور ان کے مال و متاع اور آبروؤں کا استحصال تھا۔

۹۔ آیات ۲۹ سے ۳۵ نے ان اہل کتاب سے قتال کو جائز ٹھہرایا ہے، حقیقی دین کے بارے میں ان کے موقف کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالی اور انبیاء کرام کے بارے میں ان کی آراء کا بیان ہے اور وضاحت سے یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَه وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (التوبة:۳۲) ترجمہ: چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں، اور اللہ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔

اسی کے ساتھ ان کی دوسری مذموم صفات کا تذکرہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقوں سے ہڑپ لیتے ہیں، اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں، انانیت اور جمع خوری اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (التوبۃ: ۳٤) ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ اسباب میں سے دو سبب ہی تمام آسمانی شریعتوں اور انسانی قوانین میں جنگ کے اعلان کے لئے کافی ہیں وہ ہیں:

(الف) دینوں میں کسی دین جیسے اسلام اور اس کے ماننے والے اور اسلام کے نور کو بجھانے کے لئے شامل وکامل جدوجہد

(ب) اللہ کے راستہ سے روکنا اور دینی اور دینی آزادی میں رکاوٹ بننا

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ اعلان جنگ دین، نفس اور امت کے دفاع کے لئے تھا۔

۱۰۔ ۳٦ویں آیت نے چار ماہ کے لئے قتال کو حرام قرار دیا ہے: اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَآ اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (التوبۃ: ۳٤) ترجمہ: بےشک اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن سے اللہ نے زمین اور آسمان پیدا کیے، ان میں سے چار عزت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، سو ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو، اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

دوسرے الفاظ میں یہ چار ماہ صلح اور سکون کے ہیں، جنگ کے انجام پر غور وخوض اور اس کے خطرناک نتیجوں پر تدبر وتفکر، اس طرح ان میں قتال حرام ہے سوائے اس کے کہ وہ سب مل جل کر آپ سے جنگ کریں تو آپ بھی مل جل کر ان سے قتال کریں یعنی نفس، دین اور آبرو کی حفاظت کی خاطر معاملہ بالمثل کیا جائے گا۔

صلح، سکون اور سلامتی کی خواہش چاہے کچھ ہو جائے یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ اسلام جنگیں نہیں چاہتا، نہ وہ پسندیدہ ہیں بلکہ وہ تو دین، نفس اور امت کے دفاع میں مجبوری کے درجہ میں ایک ذریعہ ہیں، اس لئے چاہے جو ہو جائے چار ماہ جنگ روک دی گئی تا کہ صلح کا ماحول بنے اور سلامتی اور امن کا پیغام عام ہو۔

۱۱۔ تمام آیات کا ماحول جنگی تیاری، اس کو جائز ٹھہرانے اور مقنع کرنے والے اسباب کے بیان کا ہے، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا مقابلہ کیا جائے، اسی کے ساتھ ان کی بری اور حاقدانہ خبیث اور شریر صفات کا تذکرہ بھی ہے اور رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں کو مسلسل تکالیف وایذاء پہنچانے کا تذکرہ بھی ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖٓ اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصَارَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ یُضَاھِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ

كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانَه عَمَّا يُشْرِكُوْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَه وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَه عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اِنَّمَا النَّسِىْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَه عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَه عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِه لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَه عَلَيْهِ وَاَيَّدَه بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (التوبة:۲۸ - ۴۱) ترجمہ:

اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں سواس برس کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں، اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو آئندہ اللہ اگر چاہے تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا، بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کی منہ کی باتیں ہیں، وہ کافروں کی سی باتیں بنانے لگے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی، حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں، اور اللہ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔ اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔ جس دن وہ دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی، یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن سے اللہ نے زمین اور آسمان پیدا کیے، ان میں سے چار عزت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، سو ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو، اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم

سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں کہ اس مہینے کو ایک برس تو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام رکھتے ہیں تا کہ ان بارہ مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے عزت دی ہے پھر حلال کر لیتے ہیں جو اللہ نے حرام کیا ہے، ان کے برے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو زمین پر گرے جاتے ہو، کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو، دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کرے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کی اللہ نے مدد کی ہے جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین اتاری اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو پست کر دیا، اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ نکلو تم ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔

۱۲۔ مدینہ کے منافقین کے احوال کا بیان، ان کی مسلسل خیانتیں، رسول صلعم، آپ کے اہل بیت، صحابہ کی مسخری ان کا مذاق اڑانا، اسی میں سے افک کا فتنہ عظیم جس کو انہوں نے ۴۰ دن زندہ رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے سورہ نور اتاری، وہ فتنے بھڑکانے سے باز نہیں آنے والے بلکہ خائن جاسوس اور باہر کے دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں: لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (التوبة:۴۷-۴۸) ترجمہ: اگر وہ تم میں نکلتے تو سوائے فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے، اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے یہ پہلے بھی فساد کے طالب رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لیے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے

منافقین مسلمانوں کے لئے شر و نقصان چاہتے تھے اور اس سے ان کو خوشی حاصل ہوتی تھی، اللہ تعالی نے درج ذیل آیات کے ذریعہ منافقین ان کے فتنوں اور ایذا رسانی کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقَاعِدِيْنَ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ

اِلَّآ اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمۡ اَنۡ یُّصِیۡبَکُمُ اللّٰہُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖۤ اَوۡ بِاَیۡدِیۡنَا فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا لَّنۡ یُّتَقَبَّلَ مِنۡکُمۡ اِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ وَمَا مَنَعَہُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡہُمۡ نَفَقٰتُہُمۡ اِلَّآ اَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ وَبِرَسُوۡلِہٖ وَلَا یَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَہُمۡ کُسَالٰی وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَہُمۡ کٰرِہُوۡنَ فَلَا تُعۡجِبۡکَ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ بِہَا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَتَزۡہَقَ اَنۡفُسُہُمۡ وَہُمۡ کٰفِرُوۡنَ وَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ اِنَّہُمۡ لَمِنۡکُمۡ وَمَا ہُمۡ مِّنۡکُمۡ وَلٰکِنَّہُمۡ قَوۡمٌ یَّفۡرَقُوۡنَ لَوۡ یَجِدُوۡنَ مَلۡجَاً اَوۡ مَغٰرٰتٍ اَوۡ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوۡا اِلَیۡہِ وَہُمۡ یَجۡمَحُوۡنَ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُکَ فِی الصَّدَقٰتِ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡہَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ یُعۡطَوۡا مِنۡہَاۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡخَطُوۡنَ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَرَسُوۡلُہٗۤ اِنَّاۤ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوۡنَ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا وَالۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ وَفِی الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِیۡنَ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ وَمِنۡہُمُ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ النَّبِیَّ وَیَقُوۡلُوۡنَ ہُوَ اُذُنٌ قُلۡ اُذُنُ خَیۡرٍ لَّکُمۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَیُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَرَحۡمَۃٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ لِیُرۡضُوۡکُمۡ وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ اِنۡ کَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّہٗ مَنۡ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خَالِدًا فِیۡہَا ذٰلِکَ الۡخِزۡیُ الۡعَظِیۡمُ یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ بِمَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ قُلِ اسۡتَہۡزِءُوۡا اِنَّ اللّٰہَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَۃٍ مِّنۡکُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَۃًۢ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَیَقۡبِضُوۡنَ اَیۡدِیَہُمۡ نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمۡ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡکُفَّارَ نَارَ جَہَنَّمَ خَالِدِیۡنَ فِیۡہَا ہِیَ حَسۡبُہُمۡ وَلَعَنَہُمُ اللّٰہُ وَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ کَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡکُمۡ قُوَّۃً وَّاَکۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِہِمۡ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِکُمۡ کَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ بِخَلَاقِہِمۡ وَخُضۡتُمۡ کَالَّذِیۡ خَاضُوۡۤا اُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَقَوۡمِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاَصۡحٰبِ مَدۡیَنَ وَالۡمُؤۡتَفِکٰتِ اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ (التوبۃ: ۴۰-۷۰) ترجمہ: اگر مال نزدیک ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تیرے ساتھ ہوتے لیکن انہیں مسافت لمبی نظر آئی، اور اب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہوسکتا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور چلتے، اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ نے تمہیں معاف کردیا (لیکن) تم نے انہیں کیوں رخصت دی یہاں تک کہ تیرے لیے سچے ظاہر ہوجاتے اور تو جھوٹوں کو جان لیتا۔ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ تم سے رخصت نہیں مانگتے اس سے کہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ تم سے رخصت وہی مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔ اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو اس کے لیے کوئی سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا پسند نہ کیا سو انہیں روک دیا اور حکم ہوا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم میں نکلتے تو سوائے فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے، اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ یہ پہلے بھی فساد کے طالب رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لیے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک

کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے۔ اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور فتنہ میں نہ ڈالیے، خبردار! وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں، اور بے شک دوزخ کافروں پر احاطہ کرنے والی ہے۔ اگر تمہیں آسائش حاصل ہوتی ہے تو انہیں بری لگتی ہے، اور اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی سنبھال لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں۔ کہہ دو ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہی ہمارا کارساز ہے، اور اللہ ہی پر چاہیے کہ مومن بھروسہ کریں۔ کہہ دو تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو، اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اپنے ہاں سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے، تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ کہہ دو تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ اور ان کے خرچ کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نماز میں سست ہو کر آتے ہیں اور ناخوش ہو کر خرچ کرتے ہیں۔ سو تو ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کر، اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں انہیں عذاب دے اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکلیں۔ اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ڈرتے ہیں۔ اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھسنے کی جگہ پائیں تو دوڑتے ہوئے ادھر جائیں۔ اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جو خیرات میں تجھے طعن دیتے ہیں، سو اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو راضی ہوتے ہیں اور اگر نہ ملے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے وہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی، ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بعضے ان میں سے پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے، کہہ دے وہ کان تمہاری بھلائی کے لیے ہے اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے ایمان والوں کے حق میں رحمت ہے، اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا بہت ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے تو اس کے واسطے دوزخ کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی ذلت ہے۔ منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورۃ نازل ہو کہ انہیں بتا دے جو منافقوں کے دل میں ہے، کہہ دو ہنسی کیے جاؤ، جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اسے ضرور ظاہر کر دے گا اور اگر تم ان سے دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے، کہہ دو کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم ہنسی کرتے تھے۔ بہانے مت بناؤ ایمان لانے کے بعد تم کافر ہو گئے، اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف کر دیں گے تو بعض کو عذاب بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں، برے کاموں کا حکم کرتے ہیں اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور ہاتھ بند کیے رہتے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے سو اللہ نے انہیں بھلا دیا، بے شک منافق وہی نافرمان ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا وعدہ دیا ہے پڑے رہیں گے اس میں، وہی انہیں کافی ہے، اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ جس طرح تم سے پہلے لوگ تم سے طاقت میں زیادہ تھے اور مال اور اولاد میں بھی زیادہ تھے، پھر وہ اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا گئے اور تم نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسے تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا گئے اور تم بھی انہیں کی سی چال چلتے ہو، یہ وہ لوگ ہیں

جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے، اور وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئی تھیں، ان کے پاس ان کے رسول صاف احکام لے کر پہنچے، سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: يَـآ اَيُّهَـا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ فَلَمَّآ اٰتَاهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ (التوبة:٧٣-٨٣) ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر سختی کر، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا، اور بے شک انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگئے اور انہوں نے قصد کیا تھا ایسی چیز کا جو نہیں پا سکے، اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے دولتمند کر دیا، سو اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہے، اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور انہیں روئے زمین پر کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ملے گا۔ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دے تو ہم ضرور خیرات کیا کریں اور نیکوں میں سے ہو جائیں۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور منہ موڑ کر پھر بیٹھے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک جب اللہ سے ملیں گے اس لیے کہ انہوں نے جو اللہ سے وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کیا اور اس لیے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور ان کا مشورہ جانتا ہے اور یہ کہ اللہ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ وہ لوگ جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی محنت کے سوا طاقت نہیں رکھتے پھر ان پر ٹھٹھا کرتے ہیں، اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ تو ان کے لیے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر تو ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگے گا تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا، اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔ جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہا کہ گرمی میں مت نکلو، کہہ دو کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے، کاش یہ سمجھ سکتے۔ سو وہ تھوڑا سا ہنسیں اور زیادہ روئیں، ان کے اعمال کے

بدلے جو کرتے رہے ہیں۔سو اگر تجھے اللہ ان میں سے کسی فرقہ کی طرف پھر لے جائے پھر تجھ سے نکلنے کی اجازت چاہیں تو کہہ دو کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی ہرگز نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو گے، تمہیں پہلی مرتبہ بیٹھنا پسند آیا سو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ترجمہ: **الزام ان لوگوں پر ہے جو تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور وہ دولتمند ہیں، اس بات سے وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے پس وہ نہیں سمجھتے۔ جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے تو تم سے عذر کریں گے، کہہ دو عذر مت کرو ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے تمہارے سب حالات اللہ ہمیں بتا چکا ہے، اور ابھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے کام کو دیکھے گا پھر تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے سو وہ تمہیں بتا دے گا جو تم کر رہے تھے۔ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پھر جاؤ گے کہ تم ان سے درگزر کرو، سو ان سے درگزر کرو، بے شک وہ پلید ہیں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اس کے بدلے میں جو کرتے رہے ہیں۔ وہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش ہو جاؤ، اگر تم ان سے خوش ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ نافرمانوں سے خوش نہیں ہوتا۔**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (التوبۃ:۹۳-۹۸) ترجمہ: **گنوار لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان احکام سے واقف نہ ہوں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور بعض گنوار ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر زمانہ کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں، انہیں پر بری گردش آئے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَّمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ:۱۰۷-۱۱۰) ترجمہ: **اور جنہوں نے مسجد بنائی ہے نقصان پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کے لیے، اور ان لوگوں کے گھات لگانے کے لیے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے لڑ چکے ہیں، اور البتہ قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی تھی، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس میں کبھی کھڑا نہ ہو، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس کے قابل ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں پاک رہنے کو، اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔ بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی عمارت کی**

بنیاد ایک کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے والی ہے پھر وہ اسے دوزخ کی آگ میں لے گری، اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ جو عمارت انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی مگر جب ان کے دل ٹکڑے ہو جائیں، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كَافِرُوْنَ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (التوبة: ۱۲۵-۱۲۷) ترجمہ: اور جن کے دلوں میں مرض ہے سو ان کے حق میں نجاست پر نجاست بڑھا دی اور وہ مرتے دم تک کافر ہی رہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ آزمائے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے کہ کیا کوئی مسلمان تمہیں دیکھتا ہے پھر (نظر بچا کر) چل نکلتے ہیں، اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں اس لیے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

اس کے باوجود رسول اللہ صلعم نے صبر کیا، کسی کو قتل نہیں کیا، ایسا کسی دوسری سوسائٹی میں نہیں ہو سکتا اور نہ کسی نظام میں مگر رحمت و عدل اور حجت و دلیل پر اعتماد کرنا اور ایسی دلیل کے بغیر سزا دینا جس میں صریح طور پر مجرم ثابت نہ ہو جائے یہ اسلام کا خاصہ ہے۔

۱۳۔ قرآنی آیات نے داخلی طاقت و قوت کی تیاری اور مضبوطی کی طرف توجہ کی اور مؤمنوں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ مؤمنین کے قریب ہوں لیکن یہ قربت عدل و نصیحت پر ہو اور کسی شخص کی نافرمانی کے وقت اس سے اغماض نہ برتا جائے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا التزام جاری رہے، اس کے نتیجہ میں دنیا میں اللہ کی نصرت و تائید اور کامیابی آخرت میں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (التوبة: ۷۱) ترجمہ: اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

مندرجہ بالا آیتوں میں کام وجد و جہد کی اہم شرطیں درج کی گئی ہیں: وہ ہی اللہ و رسول اور مسلمانوں سے حقیقی تعلق، سوسائٹی کو نصیحت و دعوت اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ذریعہ محفوظ بنانا، اور نماز کے ذریعہ اللہ سے اور سوسائٹی سے مالی تکافل و تعاون کے ذریعہ تعلق قائم کرنا، اللہ تعالیٰ فرمان ہے: لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبة: ۸۸-۸۹) ترجمہ: لیکن رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان والے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، اور انہیں لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں، اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ

وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ (التوبة:۱۰۰-۱۰۴) ترجمہ: **اور جو لوگ قدیم میں پہلے ہجرت کرنے والوں اور مدد دینے والوں میں سے ہیں اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور تمہارے گردو نواح کے بعض گنوار منافق ہیں، اور بعض مدینہ والے بھی، نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں، ہم انہیں دوہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور کچھ مزید بھی ہیں کہ انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے انہوں نے اپنے نیک اور بد کاموں کو ملا دیا ہے، قریب ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کہ اس سے ان کے ظاہر کو پاک اور ان کے باطن کو صاف کر دے اور انہیں دعا دے، بے شک تیری دعا ان کے لیے تسکین ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات لیتا ہے اور بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِى التَّوۡرٰةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ الَّذِىۡ بَايَعۡتُمۡ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعَابِدُوۡنَ الۡحَامِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السَّاجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحَافِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (التوبة:۱۱۱-۱۱۲) ترجمہ: **بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے، اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل بھی کیے جاتے ہیں، یہ سچا وعدہ ہے توراۃ اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے، خوش رہو اس سودے سے جو تم نے اس سے کیا ہے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، شکر کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اچھے کاموں کا حکم کرنے والے، بری باتوں سے روکنے والے، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے، اور ایسے مومنوں کو خوشخبری سنا دے۔**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـئُوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً وَّلَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ

(التوبة:۱۱۷-۱۲۱) ترجمہ: اللہ نے نبی کے حال پر رحمت سے توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے پھر اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی، بے شک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا، یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کوئی پناہ نہیں سوائے اسی کی طرف آنے کے، پھر بھی اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تا کہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ مدینہ والوں اور ان کے آس پاس دیہات کے رہنے والوں کو یہ مناسب نہیں تھا کہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں، یہ اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا ماندگی کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں جو کافروں کے غصہ کو بھڑکائے اور یا کافروں سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں ہر بات پر ان کے لیے عمل صالح لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور جو وہ تھوڑا یا بہت خرچ کرتے ہیں یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے تا کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے۔

۱۴۔ قتال اور جنگ کی میزان: یہ میزان قوت، شدت اور سختی پر قائم ہے، لیکن بغیر ظلم و زیادتی کے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (التوبة:۷۳) ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے لڑائی کر اور ان پر سختی کر، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے

اللہ تعالی کا فرمان ہے: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبة:۱۲۳) ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

۱۵۔ کمزوری کی میزان تخفیف کی طالب ہے اور عذر والوں کے لئے اللہ کے راستہ میں قتال سے استثناء ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: لَّيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (التوبة:۹۱-۹۲) ترجمہ: ضعیفوں اور مریضوں پر اور ان لوگوں پر جو نہیں پاتے جو خرچ کریں کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں، نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں ہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں کہ جب وہ تیرے پاس آئے کہ تو انہیں سواری دے تو تم نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کردوں، تو وہ لوٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہیں تھا۔

۱۶۔ ثواب وعقاب کا میزان، خیر وشر کا میزان شخصی ہے، اس کو قبیلہ، قوم یا جنس پر عام نہیں کیا جائے گا اس لئے اس کو قبیلہ، دیہات وشہر یا دین کی بنیاد پر عام نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالی کے فرمان میں ہے: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التوبة:۹۸-۹۹) ترجمہ: اور بعض گنوار ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر زمانہ کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں، انہیں پر بری گردش آئے، اور اللہ

سننے والا جاننے والا ہے۔اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں، خبردار! بے شک وہ ان کے لیے نزدیکی کا سبب ہے، عنقریب انہیں اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

۱۷۔ سنجیدہ مخلصانہ عمل سے دشمنوں کا سامنا کرنا جس کا اثر تمام کو نظر آئے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (التوبة:۱۰۵) ترجمہ: اور کہہ دے کہ کام کیے جاؤ پھر عنقریب دیکھ لیں گے تمہارے کام کو اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان، اور عنقریب تم لوٹائے جاؤ گے غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف، پھر وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بعض اعمال اخلاص واخفاء کے میزان کے مخالف نہیں مانے جائیں گے، ہر ایک کی اپنی پوزیشن ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ (بقرة:۲۷۱) ترجمہ:اگر تم خیرات ظاہر کرکے دو تو بھی اچھی بات ہے، اور اگر اسے چھپا کر دو اور فقیروں کو پہنچا دو تو تمہارے حق میں وہ بہتر ہے، اور اللہ تمہارے کچھ گناہ دور کردے گا، اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبر رکھنے والا ہے۔

۱۸۔ قتال کے لئے نکلنے اور علم اور تفقہ فی الدین کے لئے کوچ کرنے میں مساوات ہے، اور اسی بات کی ضرورت ہے کہ علم وتفقہ کے مطالبوں اور قتال ودفاع کے مطالبوں میں توازن پیدا کیا جائے، اللہ تعالی فرماتا ہے:وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ (التوبة:۱۲۲) ترجمہ:اور ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ مسلمان سب کے سب کوچ کریں، سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ایک حصہ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

یہ ظاہر میں عجیب ہے یہ سب تیاری اور بیرونی خطرات کے درمیان قرآن علم وتفقہ کی اہمیت کو نہیں بھولا، اس کا موازنہ قتال سے کیا اور اس کے لئے کوچ کرنے کا حکم دیا، یہ علم وتعلم اور تفقہ کے پلڑے کے وزن کی دلیل ہے۔

۱۹۔ اللہ تعالی نے اس سورت کو ختم فرمایا اس طرح کہ میزان میں میزان رحم وکرم بھی آ گیا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (التوبة:۱۲۸) ترجمہ:البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے، اسے تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے تمہاری بھلائی پر، وہ حریص (فکرمند) ہے مومنوں پر، نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

پھر لوگوں کو آزادی دی دعوت کے میزان پر جب تک کہ وہ صلح جوئی پر گامزن رہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ (التوبة:۱۲۹) ترجمہ: پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو کہہ دو کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ قائد کی میزان اس بات کی شدید خواہش پر ہے کہ تمام ممکنہ وسائل کے ذریعہ اپنی رعایا کی حفاظت کی جائے اور ان کو رحم ومحبت کے ذریعہ آگے بڑھایا جائے، اسی طرح اس آیت میں یہ بھی ہے کہ جو مؤمن امت اپنے اتحاد کے ساتھ اپنے قائد ونمونہ کے

پیچھے چلتی ہے اس کو دشمنوں کے مکر سے جب تک وہ اللہ تعالی پر توکل کرتے رہیں اور اللہ تعالی کے سنن واسباب کو اختیار کرتے رہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

دوسری عملی تطبیق

تمام آیات جن میں قتال کا تذکرہ ہے ان پر میزان کی تطبیق

یہاں پر ہم مصحف شریف کی تمام آیات کی تطبیق کرتے ہیں جو کفار، مشرکین اور منافقین سے قتال کرنے اور قتل کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی توضیح پیش کریں گے تاکہ میزان کی وضاحت ہو، وہ درج ذیل ہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ (البقرة:۱۹۱) ترجمہ: اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے، اور غلبہ شرک قتل سے زیادہ سخت ہے، اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تم بھی انہیں قتل کرو، کافروں کی یہی سزا ہے

یہ آیت میزان حرب میں داخل ہے اس طرح کہ یہاں ان معرکوں کا تذکرہ ہے جو رسول صلعم اور صحابہ کرام اور جاہل، ظالم مشرکین کے درمیان وقوع پذیر ہوئے، اس کے باوجود اللہ تعالی نے ان سے جنگ کی علت کے دو سبب بتلائے:

اول: ان مشرکین نے قتال شروع کیا اور عملاً اللہ کے رسول اور صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ سے نکالا، مطلب یہ جنگ ان کی مسلسل جنگوں کا ردعمل ہے، ابتداء آپ کی طرف سے نہیں ہوئی، اس کے باوجود مسجد حرام کے پاس قتال کو منع کیا صرف دفاع عن النفس کی صورت میں اجازت دی۔

دوم: وہ فتنہ وفساد جو مشرکین نے قائم کیا، مسلمانوں کو اپنے دین کے شعائر قائم کرنے سے روکا اور طاقت وقوت اور ایذاء رسانی سے دینی اعمال انجام دینے سے منع کیا، اہل وعیال اور رشتہ داروں میں تفریق کی اور ان کے اور کعبۃ اللہ کے درمیان رکاوٹ بنے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (البقرة:۲۱۷)

ترجمہ: آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے، اور اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے، اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے، اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے، اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہی مرجائے پس یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے، اور وہی دوزخی ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ آیت میزان جنگ میں داخل ہے، اس کے باوجود قتال چار ماہ کے لئے روک دیا گیا تاکہ فریقین کے درمیان سکون، امن وسلامتی کا موقع میسر ہو، توسط کرنے والوں کو یہ موقع ملے کہ وہ دونوں گروہوں کے نقطہ نظر میں قربت پیدا کرے، اور ایسے مذاکرات ہوں جو مطلوبہ مقصد تک پہنچا سکیں۔

اللہ تعالی نے اس آیت میں اسباب قتال کی وضاحت فرمائی:

(الف) اللہ کے راستہ سے روکنا، پسندیدہ دین چننے کی آزادی اور انسانی اختیار سے منع کرنا۔

(ب) لوگوں کو ان کے وطن سے نکالنا۔

(ج) لوگوں کی آزادی کے خلاف ایسے وسائل جیسے ایذاء رسانی، جیل وغیرہ کا استعمال، یعنی دین کے مسئلہ میں فتنہ وفساد کرنا۔

(د) اعداء اسلام کی طرف سے اسلام سے روکنے کے لئے مسلسل جنگیں بلکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کی کوششیں، مال وغیرہ کے ذریعہ مرتد بنانے کی جدوجہد۔

آیت بالکل واضح ہے کہ اسلام میں قتال بلا جائز ضرورت کے نہیں ہے جیسے زیادتی کو روکنا، فتنہ وفساد کو ختم کرنا، مؤمنین کے ایمان کی حفاظت کرنا، ملک ووطن اور لوگوں سے ایذاء کو دور کرنا وغیرہ۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (آل عمران:۱۵٤) ترجمہ: پھر اللہ نے اس غم کے بعد تم پر چین یعنی اونگھ بھیجی اس نے بعضوں کو تم میں سے ڈھانک لیا، اور بعضوں کو اپنی جان کا فکر لڑ رہا تھا اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے کر رہے تھے، کہتے تھے ہمارے ہاتھ میں کچھ کام (اختیار) ہے، کہہ دو کہ سب کام (اختیار) اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنے دل میں چھپاتے ہیں جو تیرے سامنے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ کام (اختیار) ہوتا تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے، کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ (پھر بھی) اپنے گرنے کی جگہ پر باہر نکل آتے وہ لوگ جن پر قتل ہونا لکھا جا چکا تھا، اور تا کہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تا کہ اس چیز کو صاف کردے جو تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے

یہ آیت کریمہ میزان جنگ سے ہے، جنگ احد کے ماحول اور مؤمنین کے نفوس پر اس کے اثرات سے متعلق ہے جس میں بہت بڑی تعداد شہید ہوئی، اور پورے ماحول پر غم کے بادل چھا گئے، یہ آیت نفسوں کے علاج، معنوی روح کی تقویت کے لئے نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالی نے کھول کر بیان کیا کہ جہاد کی بنیادی غرض اور اصل مقصد آزمائش وامتحان کے ذریعہ اللہ کی اطاعت پر ابھارنا ہے اور قلوب میں جو کچھ ہے اس کو پاک کر کے اس کی صفائی مقصود ہے، مہذب بنا کر اور غیر اللہ کا خوف دلوں سے نکال کر نفس کو مکمل آزاد کرنا ہے اور اخلاص الوجہ للہ کا کمال حاصل پیدا ہو جانا کہ شخص دنیا اور مال غنیمت کے لئے جہاد نہ کرے بلکہ اللہ تعالی کے اوامر کی تنفیذ کے لئے شرکت کرے، ایسی جنگوں میں جو کہ اللہ کے راستہ، عقیدہ، اچھی صفات اور مثالی اخلاق کے لئے ہوتی ہیں اس لئے کہ ان کا مقصد اللہ کی رضا ہے، یہ چنندہ انسان قوموں کے مال و متاع اور امتوں کی دولت پر قبضہ کے لئے ہرگز جہاد نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے تھے، جہاں بھی اللہ کی رضا اور خوشی ہوتی ہے یہ لوگ وہاں کام کرتے اور اس سے راضی رہتے ہیں۔

یہ آیت مسلمانوں کی غمخواری اور ان کی روح کی بلندی کے لئے خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو غزوہ احد میں شریک تھے، اور اس آیت نے شکست خوردہ اور ملامت کرنے والوں سے بحث ومباحثہ کیا، اور ثابت کیا کہ موت وزندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر آجائے تو ایک سیکنڈ نہ آگے بڑھتی ہے نہ پہلے آتی ہے، اسی طرح یہ آیت چھٹتی اور امتحان کی حکمت پر مرکوز ہے اس میں صبر وثابت قدمی کے ذریعہ تربیت کی گئی ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: يَـآ اَيُّـهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُـوْا لَا تَكُـوْنُـوْا كَالَّـذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِـهِـمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَـانُـوْا غُزًّى لَّوْ كَانُـوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِـهِـمْ وَاللّٰهُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْـر (آل عمران:١٥٦) ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کافر ہوئے اور وہ اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ ملک میں سفر پر نکلیں یا جہاد پر جائیں کہ اگر ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، تا کہ اللہ اس خیال سے ان کے دلوں میں افسوس ڈالے، اور اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

آیت میزان جنگ اور غمخواری کے ماحول سے متعلق ہے، اس کا زور روحانی اور قلبی تربیت، عقیدہ کی تقویت، اللہ تعالی پر ایمان اس کی قضاء وقدر وقدرت پر ایمان، وہی انسان کو زندگی اور روح دیتا ہے، وہی اس کو چھینتا ہے، آیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ مسلم کو موت سے نہیں ڈرنا چاہئے یہ جان کر کہ وہ مقدر ہے نہ آگے ہوتی ہے نہ پیچھے، یہ آیت قلوب کے امراض جیسے شک تردد و برے گمان وغیرہ کا علاج کرتی ہے۔

اور ''لَوْ'' کا استعمال شیطان کے دروازے کھولتا ہے، ان معنی کی تاکید اللہ تعالی کا مندرجہ ذیل قول ہے: اَلَّـذِيْـنَ قَـالُـوْا لِاِخْـوَانِـهِـمْ وَقَـعَـدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُـمْ صَادِقِيْنَ (آل عمران:١٦٨) ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں حالانکہ خود بیٹھ رہے تھے اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے، کہہ دو اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو

اللہ تعالی کا یہ فرمان: وَلَـئِـنْ قُتِلْتُـمْ فِىْ سَبِيْـلِ اللّٰـهِ اَوْ مُتُّـمْ لَـمَـغْـفِـرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْـمَـةٌ خَيْـرٌ مِّمَّا يَجْـمَـعُـوْنَ (آل عمران:١٥٧) ترجمہ: اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی بخشش اور اس کی مہربانی اس چیز سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

آیت میں بہت بڑے اجر کی بشارت ہے جو اس کے راستے میں شہادت یا کامیابی سے متحقق ہوگی، اور یہ ضوابط وشرائط کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نفسیاتی، قلبی اور روحانی تربیت کا میدان ہے، اللہ تعالی نے اپنے فرمان کے ذریعہ تاکید کی ہے: وَلَـئِنْ مُّتُّـمْ اَوْ قُتِلْتُـمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ (آل عمران:١٥٨) ترجمہ: اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ تم سب اللہ ہی کے ہاں جمع کیے جاؤ گے۔

موت یا قتل مقدرات میں سے ہے اور لوٹنا اللہ کی طرف ہے، اسی کے پاس سب جمع ہوں گے، ظاہر ہے کہ ایک انسان رضامندی اور خوشی کے ساتھ اس کی طرف لوٹے بجائے اس کے کہ وہ حشر میں نافرمانی اور کالے چہرے کے ساتھ پہنچے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَلَا تَـحْـسَـبَـنَّ الَّـذِيْـنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّـهِـمْ يُـرْزَقُوْنَ (آل عمران:١٦٩) ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں۔

آیت میزان جنگ کی اور مجاہد مسلم شخص کی تیاری کی ہے اس میں اجر وثواب عظیم کی بشارت ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کے راستہ میں شہید ہو۔

اس بات کی تاکید بھی جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ بتائی گئی تاکہ قبضہ کرنے کی دنیوی غرض اور مال غنیمت کے حصول کے مقصد سے دوری بتائی گئی کہ یہ اجر عظیم اس کے لئے ہے جو اللہ کے راستہ میں قتل ہو نا کہ کسی دنیوی مقصد کے حصول میں۔

اسی طرح آیت شریفہ نے اللہ کے پاس کی زندگی کی میزان واضح کی کہ یہ شہداء اس کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جا رہا ہے، یہ خاص میزان ہے، جبکہ دنیوی میزان کے حساب سے یہ لوگ قتل ہو گئے اور ختم ہو گئے۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَـاسْتَـجَـابَ لَـهُـمْ رَبُّهُـمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّـذِيْنَ

هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَه حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران:۱۹۵) ترجمہ: پھران کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو، پھر جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دور کروں گا اور انہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے، اور اللہ ہی کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔

اس آیت کا تعلق میزان جنگ سے ہے جس میں جہاد کے جواز کے بیان کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ دشمنان نے وطن سے نکالا اور ہجرت کے لئے مجبور کیا اور مؤمنین کو ایذائیں پہنچائیں یہ سب صرف اللہ پر ایمان لانے کے نتیجہ میں کیا گیا، یعنی جب یہ لوگ جہاد کر رہے ہیں اور مقتول ہو رہے ہیں تو وہ اپنے اور اپنے دین کے دفاع میں یہ کر رہے ہیں، وہ جواب اور دفاع ہے اچانک ہجوم وحملہ نہیں ہے، ان کے پاس شرعی وعقلی طور پر مقبول جواز موجود ہے۔

خلاصہ آل عمران کی آیات ۳ سے ۷ جنگ احد کے غمناک واقعات کے بعد نازل ہوئیں، جس میں مسلمانوں کو سخت زخم لگے تھے، اہم اور بڑے درجات پر فائز ۷۰ صحابہ کرام شہید ہوئے، خود رسول اللہ صلعم زخمی ہوئے ان نفسیاتی اثرات کو زائل کرنے کے لئے یہ نازل ہوئیں، اسی کے ساتھ ساتھ اس میں جہاد فی سبیل اللہ کے کچھ اہم اصول بیان کئے گئے، ان اصولوں کا تذکرہ انتہائی پرسکون انداز سے جو رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کی نفسیاتی کیفیت سے الگ ہٹ کر ہے، جو اس بات کی بھی دلیل ہے یہ کہ قرآن پاک اللہ تعالی کا نازل کردہ ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء:۷۴) ترجمہ: پھر چاہیے کہ اللہ کی راہ میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچتے ہیں، اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب رہے تو اسے ہم بڑا ثواب دیں گے۔

یہ آیت میزان جنگ سے متعلق ہے، لیکن یہ مجاہد کو ایسے چوٹی کے مرتبہ تک پہنچاتی ہے جس کے سامنے دنیا کا سارا مال ومتاع بیکار ہے، بلکہ وہ تو صرف آخرت اور اللہ کے راستہ میں قتال کرتا ہے، اس طرح مال غنیمت اور دنیا کے لئے جنگ سے روک دیا گیا، اللہ کے نزدیک مقبول جہاد صرف وہ ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کیا جائے، اس طرح جاہلی عصبیت اور دنیا کے لئے جنگ کی مشروعیت ختم کر دی گئی۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا (نساء:۸۴) ترجمہ: سو تو اللہ کی راہ میں لڑ سوائے اپنی جان کے تو کسی کا ذمہ دار نہیں، اور مسلمانوں کو تاکید کر، قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی روک کر دے، اور اللہ لڑائی میں بہت ہی سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔

یہ آیت بھی میزان حرب اور اس کی تیاری سے متعلق ہے، اس طرح کہ اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ خود اپنے آپ نمونہ بنیں اور مؤمنین کو جہاد پر آمادہ کریں۔

آیت شریفہ اس سلسلہ میں بالکل واضح ہے کہ بہت اچھی تیاری کر لی جائے جیسا آج کے زمانے میں اسٹریٹیجک دفاع (Strategic deterrence) کا نظریہ رائج ہے، اس لئے کہ جب امت طاقتور ہوگی اور اپنے دفاع کے لئے تیار ہوگی تو دشمن حملے کا سوچے گا بھی نہیں، اللہ تعالی کا فرمان: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (نساء:۸۴) ترجمہ: قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی

روک کردے۔

اس طرح کا جملہ کسی محبوب ومقبول چیز کے لئے بولا جاتا ہے، وہ یہاں جنگ اور مسلمانوں کی ایذاءرسانی پر روک ہے، اس کا سبب مسلمانوں کی ایسی قوت وطاقت جو دشمنوں کو حملے سے باز رکھے، اللہ تعالی کا فرمان: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (نساء:۸۹) ترجمہ: وہ تو چاہتے ہیں کہ جیسے وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم سب برابر ہو جاؤ، اس لیے ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آ جائیں، پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو، اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

آیت شریفہ میزان جنگ سے ہے جس میں دونوں فریقوں میں سخت مقابلہ ہوتا ہے اس طرح کہ ایسے دشمنوں سے کوئی بھی تعلق نہ رکھا جائے جو اسلام اور مسلمانوں کو اکھاڑ پھنکنا چاہتے ہیں، اسی طرح میزان جنگ کے اعتبار سے سخت قوت وطاقت کا استعمال بھی ہے، دشمنوں کی کوئی مدد نہ کرنا، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اسی طرح شدت وقتال کا جواز فتنہ وفساد اور مسلمانوں کو دوبارہ کافر بنانے کی کافروں کی مسلسل کوشش ہے، اس لئے جہاد کے علاوہ کوئی راستہ زیادتی کو روکنے اور مؤمنین کی حفاظت کے لئے نہیں ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّ مَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا (نساء:۹۱) ترجمہ: ایک اور قسم کے منافق تم دیکھو گے جو چاہتے ہیں تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی، جب کبھی وہ فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں، پھر اگر وہ تم سے ہٹ کر نہ رہیں اور تمہارے آگے صلح پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور مار ڈالو، اور ان پر ہاتھ اٹھانے کے لیے ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے

یہ آیت سابقہ آیت کا حصہ ہے جس میں قتال کی شرطیں ہیں:

(الف) کفار عہد و پیمان کا استعمال مسلمانوں میں فتنہ پھیلا کر کرتے ہیں یا جنگ کے اگلے مرحلے کی تیاری کرتے ہیں

(ب) عہد و پیمان کو توڑنا، بلکہ ان کے کسی عہد کی کوئی قیمت نہیں

اس کے باوجود اگر وہ جنگ نہ کریں یا صلح چاہیں یا تم سے ہاتھ روک لیں تو قرآن نے ان کے قتال سے منع کیا ہے، ان سے جنگ کی شرط ہے کہ وہ قتال کے ذرائع اور مقدمات کا استعمال کر کے جنگ کرنا چاہیں، اللہ تعالی کا فرمان: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء:۹۲-۹۳) ترجمہ: اور مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے، اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں، پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم میں تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، اور اگر وہ مقتول مسلمان کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے

تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا، پھر جو غلام نہ پائے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لیے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے

ان آیات شریفہ میں تین داروں کا تذکرہ ہے اور ان میں تفریق ہے:

(الف) دار اسلام وہجرت یا حکومت اسلامیہ کا دار، اس میں اگر کوئی مؤمن غیر مقصود طور پر قتل کیا گیا تو اس کے اہل کو مکمل دیت دی جائے گی یا وہ معاف کردے، اور ایک غلام کفارہ کے طور پر آزاد کیا جائے گا۔

(ب) دار دشمن یا دار جنگ، اس حالت میں اگر مؤمن غیر مقصود طور پر قتل ہوا تو اس قاتل پر جو دار اسلام میں رہتا ہے ایسے مقتول کے اہل کو دیت دینا جو دار حرب میں رہتا ہے واجب نہیں ہے، کیونکہ اس سے اس کی معاونت ہوگی لیکن ایک مؤمن غلام کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا واجب ہوگا۔

(ج) دار عہد ومیثاق، اللہ تعالی فرماتا ہے: وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (نساء: ۹۲) ترجمہ: اور اگر وہ مقتول مسلمان کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا

اس حالت میں پہلی حالت جیسا حکم ہوگا۔

یہ آیت دار اسلام وہجرت جس کی خاص خصوصیات ہیں اس میں اور دار حرب ودشمن جس کی خاص خصوصیات ہیں، میں تمیز کرنا ضروری وواجب قرار دیتا ہے اور دار عہد ومیثاق کی بھی خصوصیات ہیں۔

اسی طرح یہ آیت نفی کرتی ہے کہ مؤمن کا قتل عمد نہیں ہوسکتا، قتل عمد کی خطرناکی، بڑا گناہ اور خطرناک سزا قصاص کی شکل میں دنیا اور آخرت میں خلود جہنم ہے، قتل سے نفرت اور اس کے مرتکب کے گناہ عظیم کی شدت اللہ کے غضب، اس کی لعنت اور عذاب عظیم کی وعید سے ظاہر کی جارہی ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء: ۱۵۵) ترجمہ: پھر انہیں سزا ملی ان کی عہد شکنی پر اور اللہ کی آیتوں سے منکر ہونے پر اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے پر اور یہ کہنے پر کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں، (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر کفر کے سبب سے مہر کردی ہے سو ایمان نہیں لاتے مگر کچھ لوگ۔

یہ آیت اور سابقہ آیات اور لاحقہ آیات ۱۵۳ سے ۱۶۱ تک صلح اور اس کی چاہت کی طرف اشارہ کرتی ہیں، اور انفرادی غلطیوں کی وجہ سے اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، یہود نے بہت سی بڑی مخالفتیں قولاً وعملاً اپنے انبیاء کرام اور دوسروں کے ساتھ انجام دیں، اس کی باز پرس اللہ کے لئے چھوڑ دی گئی، ان وجوہات کی وجہ سے ان کے ساتھ زندگی گذارنے کی ممانعت نہیں کی گئی جب تک وہ صلح پر قائم رہیں، اسی لئے اللہ تعالی نے ان کی مذمت عامہ نہیں فرمائی بلکہ اس سورت کی آیت ۱۶۲ میں فرمایا: لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا

عَظِيمًا(نساء:١٦٢) ترجمہ:لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور مسلمان ہیں وہ مانتے ہیں اس کو جو تجھ پر نازل ہوا اور جو تجھ سے پہلے نازل ہو چکا ہے، اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں صلح اور آپسی زندگی ساتھ گذارنے کی شدت سے چاہت کا اظہار ہے اور عام حکم لگانے کی مخالفت ''لیسوا سواء'' سب ایک جیسے نہیں ہیں اور زیادتیوں کے علاوہ گناہوں کا علاج دوسرے طریقوں سے کیا جاسکتا ہے اور اس کی میزان جہاد وقتال کے علاوہ دوسری ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ(المائدة:٢٧ - ٣٠) ترجمہ:اہل کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دے، جب ان دونوں نے قربانی کی ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی، اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا، اس نے جواب دیا اللہ پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن جائے، اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پھر اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے خون پر راضی کرلیا پھر اسے مار ڈالا پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا

یہ تینوں آیتیں درج ذیل امور پر دلالت کرتی ہیں:

قتال کا ایک سبب حسد ہے، اس کا میزان بہت بھاری ہے۔

مکمل مؤمن کشادہ سینہ والا ہوتا ہے وہ دوسروں کے برخلاف مناقشہ وگفتگو کرنا پسند کرتا ہے۔

مکمل مؤمن ظلم وزیادتی وقتل نہیں کرتا، وہ صبر کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ مظلوم رہ کر قتل ہونے کو ظالم ہونے کے مقابلہ میں بہتر سمجھتا ہے، رسول صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے مقتول بندے بن جاؤ قاتل نہ بنو (امام مالک نے روایت کی ہے، سخاوی نے ۳۸۸ (صحیح)، بویصری نے اتحاف الخیرۃ المھر ۃ (۵۴/۸) میں فرمایا (اس کی اسناد صحیح ہے) اور یہ بھی (۲۶۷/۵) بھی (اس کی مثال موجود ہے) ابن حجر نے المطالب العالیۃ (۸/۵) میں کہا (اس کی اسناد صحیح ہے) اور فتح الباری میں (۳۱۰/۱۲) میں کہا (اس کی اسناد صحیح ہے)

اللہ تعالی کا فرمان ہے:مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (مائدة:٣٢) ترجمہ:اسی سبب سے، ہم نے بنی اسرائیل پر لکھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے کے بغیر یا زمین میں فساد (روکنے) کے علاوہ قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا، اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کی زندگی بخشی، اور ہمارے رسول ان کے پاس کھلے حکم لا چکے ہیں پھر بھی ان میں بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

یہ آیت قتل کی خطرناکی کو واضح کرتی ہے اور اس کا ارتکاب اس آیت کے مطابق دو حالتوں میں کیا جاسکتا ہے

اول: قصاص

دوم: زمین پر فتنہ وفساد

اللہ تعالی کا فرمان ہے:اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (مائدۃ:۳۳) ترجمہ:ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں یہ کہ انہیں قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں، یہ ذلت ان کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے

اس آیت میں شدید سزا اور مختلف قسم کے بدلے زمین پر فساد پھیلانے والوں کے لئے جو کہ دراصل سوسائٹی کی سلامتی کے لئے ہیں جو شریعت اسلامی کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سزاؤں کی میزان ان جرموں کے مطابق ہے جو انجام دیئے گئے، تو جب جرم بڑا اور اس کے اثرات خطرناک تو سزا اور بدلہ سخت ہوگا، یہ جرم فساد فی الارض، حرابہ اور پرامن لوگوں کو ڈرانے کا ہے، جس کا تعلق سوسائٹی کی بنیادی سکوریٹی سے ہے اور نتیجہ میں سیاست اور معاشیات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، اس لئے اس کی سزا مطلق طور پر سب سے بڑی ہوگی۔

اللہ تعالی کا فرمان:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَہٗ مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ ھَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَۃِ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (مائدۃ:۹۵) ترجمہ:اے ایمان والو! شکار کو نہ قتل کرو جب تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو کوئی اسے جان بوجھ کر مارے تو پھر بدلے میں اس مارے ہوئے کے برابر مویشی لازم ہے جو تم میں سے دو معتبر آدمی تجویز کریں بشرطیکہ قربانی کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ کا کھانا مسکینوں کو کھلانا ہو یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے، اللہ نے اس چیز کو معاف کیا جو گزر چکی، اور جو کوئی پھر کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

یہ آیت شکار کی دولت کے بارے میں اسلام کی شدید فکرمندی، اسکی حفاظت، اور اس کے لئے محمیہ (Protected Area) بنانے کی ہے، احرام باندھنے والوں کو شکار کے قتل سے منع کیا، اسی طرح لوگوں کو حرم کے شکار سے منع کیا، اس پر بدلہ اور کفارہ مقرر کیا، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جانوروں کے رزرو قائم کرنے کے سلسلہ میں اسلام تمام نظاموں سے آگے ہے، اور یہ بھی اس کا امتیاز ہے کہ اس کو دینی شعائر میں داخل کر دیا، نتیجتاً اس پر ماحول کا میزان منطبق ہوگا۔

دوسری طرف یہ آیت مسلمان احرام والے پر مختلف قسم کی پابندیاں لگاتی ہے، ان میں سے حالت احرام میں شکار کے قتل کی مناہی ہے، اس میں عادتیں تبدیل کرنے کی مشق ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:وَکَذٰلِكَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِھِمْ شُرَکَآؤُھُمْ لِیُرْدُوْھُمْ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْھِمْ دِیْنَھُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ (انعام:۱۳۷) ترجمہ:اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں مبتلا کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے، سو چھوڑ دو انہیں اور اس افتراء کو جو وہ کرتے ہیں۔

یہ آیتیں بتلاتی ہیں کہ شرک کے موازین صرف اللہ تعالی کے حق پر ظلم نہیں ڈھاتیں "ان الشرك لظلم عظيم" (لقمان:۱۳) ترجمہ: بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے بلکہ بندوں پر بھی بنیادی طور پر ظلم ہے بلکہ ان کے خلاف جو سب سے زیادہ معصوم ہیں یعنی بچے، اس طرح کہ مشرکین کے شرکاء ان کی اولاد کے قتل اور زندہ درگور کرنے کو بے کار شبہات کے ذریعہ مزین کرتے ہیں، اسی طرح یہ مشرکین خود اپنے پر بعض چیزیں اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتے ہوئے حرام قرار دیتے ہیں، اسی طرح یہ آیات شرک، قتل اور کئی طرح کے مظالم کے درمیان تعلق بتاتی ہے۔

اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ شرک انسان کو خفیف العقل بنا دیتا ہے، اس طرح کہ شیاطین مشرک کی عقل سے کھیلتے ہیں، اور خرافات میں مبتلا کر کے اس کو اولاد کے قتل پر آمادہ کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں اللہ واحد جو تمام صفات کمال سے متصف ہے اس پر ایمان لانے سے عقل انتہائی جمال وجلال وکمال اور توازن سے متصف ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (انعام:۱۵۱) ترجمہ: کہہ دو آؤ میں تمہیں سنا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور تنگدستی کے سبب اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں اور انہیں رزق دیں گے، اور بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کے قریب نہ جاؤ، اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، (اللہ) تمہیں یہ حکم دیتا ہے تا کہ تم سمجھ جاؤ۔

اس کے بعد کہ اللہ تعالی نے شرک کے موازین جو ظلم، نقصان اور مضرت، طیبات کی تحریم، جہالت، بیوقوفی اور خرافات پر مشتمل ہیں، اسلام کا میزان بیان فرمایا جو اللہ کے ساتھ عدل وانصاف، علم، ہدایت، طیبات اور منفعتوں کے جواز اور ان خبیث اور مضرت رساں اور فساد والی چیزوں کی حرمت جن سے سلیم فطرت اباء کرتی ہے، پر قائم ہے۔

اسلام درحقیقت منفعتوں، مصلحتوں اور طیبات کی حلت اور خبائث، فساد اور مضرت رساں چیزوں کی حرمت کا قائل ہے، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جواز، وجوب اور مستحب کا میزان مصلحتوں پر ان کی قوت کے اعتبار سے قائم ہے، اور تحریم اور کراہت مفاسد اور خبائث پر اس کی قوت کے اعتبار سے قائم ہے جیسا کہ العز بن عبد السلام نے کہا (القواعد: العز بن عبد السلام طباعت قطر کی وزارت اوقاف (۱/۱۷ اور اس کے بعد)

اللہ تعالی کا فرمان: وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَه لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ (اعراف:۱۲۷) ترجمہ: اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسٰی اور اس کی قوم کو چھوٹ دیتا ہے تا کہ وہ ملک میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے، اس نے) کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں۔

اس آیت میں ظالموں کی دوسری میزان آزادی سے خوف پر قائم ہے اور ان کا سینہ دلیل وحجت کے سامنے تنگ ہو جاتا ہے، وہ دلیل کا مقابلہ دلیل سے نہیں کر سکتے، اس لئے وہ آزادیوں پر پابندی لگاتے ہیں اور اس کا قتل کرتے ہیں، بلکہ وہ ان بچوں کو بھی قتل کرتے ہیں جن کا انہوں مستقبل میں سامنا کرنا پڑتا۔

اللہ تعالی کا فرمان: وَاِذْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (اعراف:۱۴۱) ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کا بڑا احسان تھا

وہ بڑوں کے قتل پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ وہ ہر اس شخص کو جو ان ظالموں کی مخالفت کرے مکمل طور سے ہلاک کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال ۱۷) ترجمہ: سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور تو نے مٹی نہیں پھینکی جبکہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی، اور تا کہ ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

یہ آیت میزان جنگ سے متعلق ہے جس میں جہاد کا بلند مقصد واضح کیا گیا ہے، اس کو ہمیشہ اللہ کے لئے ہونا چاہئے اور دنیا کے لئے نہیں، اس وقت اللہ تعالی ان سچے فی سبیل اللہ مجاہدین کے ساتھ ہوگا۔

یہ آیت اللہ تعالی کی قدرت مطلقہ بتاتی ہے، مؤمن کو چاہئے کہ ہر امر کو اللہ کی طرف لوٹا دے، اسباب کو اختیار کرنا اور مسئولیت ہونا بھی ہے، اس لئے دوسری آیات میں جن میں افعال کو انسان سے منسوب کیا گیا ہے تا کہ دوسرا پلڑا مکمل ہو جائے اور وہ ہے مسئولیت، جزاء وثواب کا پلڑا جو ارادہ اور اختیار پر قائم ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (انفال: ۳۰) ترجمہ: اور جب کافر تیرے متعلق تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں دیس بدر کر دیں، وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا، اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے

یہ آیت رسول اللہ صلعم کی بشریت کی میزان ہے جس کے تحت آپ کو قتل یا گرفتار کیا جا سکتا ہے، لیکن اللہ تعالی نے آپ کی حفاظت فرمائی، رسالت ونبوت کی میزان عصمت پر قائم ہے، اسی طرح یہ آیت ان مشرکین کی بری نیتوں کی تاکید کرتی ہے جنہوں نے حقیقتاً آپ کو قتل کرنے، قید کرنے، مکہ سے نکالنے کی کوشش کی اور آخری کام کو انجام دیا، ان خطرات سے زوال کے لئے جہاد ضروری ہے۔

اسی طرح اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حق کا ہی مستقبل ہے، باطل کتنا ہی زور مار لے لیکن انجام متقیوں کے ہاتھ ہے، اور مکرو شر کتنا ہی بڑا اور خطرناک ہو جس سے پہاڑ بھی ہل سکتے ہوں لیکن وہ اللہ کی قدرت وتدبیر پر غالب نہیں آ سکے۔

اللہ تعالی کا فرمان: وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (الحج:۵۸) ترجمہ: اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کیے گئے یا مر گئے البتہ انہیں اللہ اچھا رزق دے گا، اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

یہ آیت شہیدوں کا خاص میزان ثابت کرتی ہے، ان کو رزق حسن دیا جاتا ہے اور وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، یہ اللہ تعالی کی قدرت کا خاص میزان ہے، یہ دنیوی میزان نہیں ہے، اس میں اللہ تعالی کے لئے ہجرت کے ساتھ خالص نیت کو بڑا وزن دیا گیا ہے ان دونوں کو شہید گردانا گیا ہے چاہے ان کی موت اپنے بستر پر ہی کیوں نہ ہو، ان کے اپنے رب کے پاس اجر کریم ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (عنکبوت: ۲۴) ترجمہ: پھر اس کی قوم کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ اسے مار ڈالو یا جلا ڈالو پھر اللہ نے اسے آگ سے نجات دی، بے شک اس میں ان کے لیے نشانیاں ہیں جو ایماندار ہیں

یہ آیت ان ظالموں کے بارے میں ہے جو آزادی نہیں دیتے نہ گفتگو پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اللہ کی طرف دعوت کی اجازت دیتے

ہیں، گفتگو چاہنے والوں کا قتل اوران کو جلانا جانتے ہیں، اس بیانیہ میں ان ظالموں کی نفسیات اور تاریخی اعتبار سے ان کی حالت کی تفصیل ہے۔

اسی وقت یہ آیت ان ظالموں اور جنگ چاہنے والوں سے جہاد وقتال کے جواز کے بارے میں بھی ہے یہاں تک کہ آزادی مل جائے اور لوگوں کو امن وحفاظت اور دعوت دینے کی اجازت مل جائے۔

اللہ تعالی کا فرمان: قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (احزاب:١٦) ترجمہ: کہہ دو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس وقت سوائے تھوڑے دنوں کے نفع نہیں اٹھاؤ گے۔

آیت مذکورہ میں تیاری اور عقیدہ قضاوقدر پر ایمان کی تربیت، اجل ایک اور معین ہے، اس میں کامیابی اور قوت کی میزان ہے بھاگ جانے سے حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ وہ تو معرکہ آزادی وبقاء میں شکست کے مترادف ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا (احزاب ٢٦) ترجمہ: اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرلیا۔

یہ آیت جنگ کی میزان ہے جس میں قتل وقید ہوتی ہے اور زمانہ بھر میں جنگ کا یہی رنگ رہا ہے، اس کے باوجود اسلام نے اس کے لئے اہم اخلاقی قواعد وضع کئے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان: مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (احزاب:٦١) ترجمہ: مگر بہت کم لعنت کیے گئے ہیں، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔

یہ جنگ کے خاص احکام ہیں اور میزان جنگ کے تابع ہیں، خاص طور پر مسلمانوں سے جنگ کرنے والوں کے لئے جو کہ اسلام اور مسلمانوں کو اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے، اسی وجہ سے مسلمان ان سے شدت وقوت کے ساتھ جنگ کرتے ہیں قتل وقتال اور گرفتار کرتے ہیں اور ان کو کسی طرح موقع نہیں دیتے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَه وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّه اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ (غافر: ٢٥-٢٦) ترجمہ: پس جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے سچا دین لائے تو کہنے لگے ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کردو جو موسٰی پر ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو، اور کافروں کے داؤ تو محض غلط ہوا کرتے ہیں۔ اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو میں موسٰی کو قتل کردوں اور وہ اپنے رب کو پکارے، میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا یہ کہ زمین میں فساد پھیلائے گا

یہ دونوں آیتیں ظالموں کی صفات اور حق وصلح جو اہل حق کے ساتھ ان کا تعامل جس میں وہ بغیر حق کے ان کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور عورتوں کو لونڈیاں بناتے ہیں اور ان ظالموں کی خدمت پر ان کو مأمور رکھتے ہیں، اس دعوے کے ساتھ کہ صلح جو داعی اصل مفسد اور دہشت گرد ہیں اور وہ سوسائٹی کا دین بدل کر رکھ دیں گے۔

اسی طرح ان دونوں آیتوں میں قتال کا جواز بھی دیا گیا ہے اور وہ ہے نفس، اہل اور اولاد کا دفاع اور ظلم وجبروت کے خلاف اقدام۔

یہ دونوں اور ان جیسی آیتیں تاکید کرتی ہیں کہ ظلم وجبروت اور خودرائی کی روشنی میں آزادی ممکن نہیں اور مخالف پروپیگنڈہ مصلحین کی

صورت کو داغدار کرتا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (غافر:۲۸) ترجمہ:اور فرعون کی قوم میں سے ایک ایمان دار آدمی نے کہا جو اپنا ایمان چھپاتا تھا کہ کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس وہ روشن دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے لایا ہے، اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اسی پر اس کے جھوٹ کا وبال ہے، اور اگر وہ سچا ہے تو تمہیں کچھ نہ کچھ وہ (عذاب) جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے پہنچے گا، اور اللہ اس کو راہ پر نہیں لاتا جو حد سے بڑھنے والا بڑا جھوٹا ہے۔

یہ آیت درج ذیل برحق موازین کی حامل ہے۔

۱۔ سوسائٹی بعض نیکوکاروں سے خالی نہیں رہتی، اس لئے عام حکم لگانا جائز نہیں جیسا کہ فرعون کی سوسائٹی میں صالح اور جری شخص کھڑا ہوا اور حکمت اور اچھی نصیحت سے حق بات کہی۔

۲۔ ظالم و جابر کتنے ہی سخت دل ہوں مصلحین کو انہیں استطاعت کے مطابق حکمت و نرمی سے نصیحت کرتے رہنا چاہئے، رجل مؤمن نے فرعون کو نصیحت کی تا کہ وہ اس کو مصلحین میں سے سمجھیں اور تلوار، ہتھیار کے بجائے دلیلیں اور حجت پیش کیں۔

۳۔ یہ دعوت حق فرعون اور ان کے حواری نہیں قبول کرنے والے، بلکہ جس نے اظہار کیا اس کے قتل کے درپے ہو گئے۔

یہ آیت حکمت، اچھی نصیحت اور احسن طریقے سے حجت والی دعوت کے میزان میں داخل ہے، اور اس میں پوری سوسائٹی کو شامل ہونا چاہئے، داعی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظالم حکام کو دعوت نہ دے اور اپنی توجہ صرف عوام پر مرکوز رکھے۔

اللہ تعالی کا فرمان:فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (محمد :٤) ترجمہ:پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کر لو تو ان کی مشکیں کس لو، پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی والے اپنے ہتھیار ڈال دیں، یہی (حکم) ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے، اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا

یہ آیت کافروں اور اللہ کے رسول صلعم سے جنگ کرنے والوں کی میزان ہے، کیونکہ جنگ میں خوب قتل اور قیدی بنانا ہوتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے قیدیوں کو بغیر کسی مقابل کے چھوڑ دینے کی اجازت دی۔

اس آیت میں قیدی کا حکم احسان کرنے پر محصور کر دیا یعنی بغیر کسی بدلہ کے اس کو رہا کیا جائے اگر اس نے کوئی جرم نہیں کیا ہے، یا مسلمان قیدیوں یا مال سے اس کا تبادلہ کر لیا جائے گا، قیدی کے قتل کا یا غلام بنانے کا حکم نہیں دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں مذکور اصل کلی اصول ہے، اور اس سے استثنیٰ صرف عام مصلحتوں کی رعایت وغیرہ کے تحت ہوگا جیسے جنگی مجرموں کا قتل وغیرہ۔

تیسری عملی تطبیق

وہ آیات جن میں لفظ جہاد وارد ہوا ہے ان پر میزان کی تطبیق

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ لفظ جہاد اور مشتق الفاظ قتال کے لئے خاص نہیں ہیں بلکہ وہ اسلام کو پھیلانے اور اس کی خدمت کے لئے ہر بڑی مادی یا معنوی جدو جہد پر مشتمل ہیں، ذیل میں ہم ان آیات کا ذکر کریں گے جن میں جہاد یا اس کے مشتق الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور معنی کی وضاحت کے لئے نوٹنگ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے:اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بقرہ:۲۱۸) ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے

یہ آیت امت کا میزان ہے جس میں مختلف قسم کے مجموعے شامل ہیں اور جس میں مؤمنین اور ان کی مختلف قسموں کا بیان ہے، چند مؤمن ایسے ہیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی، کچھ وہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی، ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں اور مال سے یا کسی ایک سے جہاد کیا، یا دونوں کے بغیر جہاد کیا، یہ تمام گروہ اللہ سے رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ غفور اور رحیم ہے، لیکن یہ اعمال ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھے جائیں گے تو وہ سب سے بھاری ہوگا جس میں تینوں صفتیں یعنی ایمان، ہجرت اور جہاد جمع ہو جائیں، پھر ہجرت اور ایمان کا درجہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان:اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۲) ترجمہ: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور (حالانکہ) ابھی تک اللہ نے نہیں ظاہر کیا ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور ابھی صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر نہیں کیا۔

آیت شریفہ بہت بڑے ثواب کی میزان ہے جس میں ذیل کی باتیں متحقق ہوتی ہیں:

(الف) اللہ کے راستہ میں ہر چیز کی قربانی کی تیاری

(ب) مجاہدین اور صابرین وغیرہ کی معرفت کے لئے آزمائش و امتحان اور اقتدار امتحان اور جھٹنی کے بعد ہوگا

اللہ تعالیٰ کا فرمان:لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء:۹۵) ترجمہ: کسی عذر کے بغیر گھر بیٹھے رہنے والے مسلمان ان کے برابر نہیں جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا بیٹھنے والوں پر درجہ بڑھایا دیا ہے، اگرچہ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے۔

یہ آیت عمل، جدو جہد اور قربانی کی بنیاد پر اجر و ثواب کے لئے مؤمنون کی مختلف موازین کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام سے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے اس میں سب کے لئے بشارت ہے، اور اس میں آمادہ کرنا ہے کہ ان لوگوں سے قریب ہوں جنہوں نے مال یا جان یا دونوں سے جہاد کیا ہے، ان میں سے بیٹھے رہنے والے کا میزان مجاہدین کے میزان سے الگ ہے، پھر مال و جان سے جہاد کرنے والوں کا میزان دوسروں سے جدا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ:۳۵) ترجمہ:اے ایمان والو!اللہ سے ڈرواور اللہ کا قرب تلاش کرواور اللہ کی راہ میں جہاد کروتا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

یہ آیت تقوی کے بنیاد پر مؤمنین کی تیاری کے لئے نازل ہوئی،ان کی کوشش وجہد ایسے خاص نفع بخش اعمال کے ذریعہ ہونا چاہئے جس کا نفع عام ہو،اوراس کے راستہ میں مختلف طریقوں سے جہاد ہو۔

اورآیت میں یہ بات شامل ہے کہ جہاد میں ایمان،تقوی،اللہ کی مرضی کی تلاش اور یہ کہ صرف اس کے راستہ میں ہو،مال وجاہ کا حصول مقصد نہ ہوتا کہ کامیابی متحقق ہو۔

یہ آیت مؤمنوں کومتوجہ کرتی ہے کہ وہ میزان جو بھاری ہواس کوچنیں جواللہ کی رضاء تک پہنچنے کا سب سے اچھاوسیلہ ہویَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (مائدہ:٥٤) ترجمہ: اے ایمان والو!جوکوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کولائے گا کہ جن کواللہ چاہتا ہےاوروہ اس کو چاہتے ہیں،مسلمانوں پر نرم دل ہوں گےاور کافروں پرزبردست،اللہ کی راہ میں لڑیں گےاورکسی کی ملامت سےنہیں ڈریں گے،یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے، اوراللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ کی سنت وقوانین کا بیان ہے کہ اگرکسی قوم نے اسلام میں دلچسپی کم دکھائی تو اللہ تعالی ان سے بہتر دوسری قوم کھڑی فرمادیں گے،اس میں تہذیب وتمدن کی بڑھوتری کا قانون پنہاں ہے کہ وہ بچپن،جوانی،طاقت وکمزوری اور بڑھاپے کے مختلف مراحل سے گذرتی ہےلیکن یہ قانون مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے،اسلام پرنہیں کیونکہ وہ توہروقت تروتازہ اورطاقتور ہے گویا آج ہی اترا ہے،لیکن مشکل و پریشانی مسلمانوں کی ہے۔

آیت میں امتوں اورقوموں کے درمیان تبادلے کا میزان ہے کہ جب ایک قوم کمزور ہوجاتی ہےتو اللہ تعالی دوسری قوم کواٹھادیتا ہے۔

آیت اللہ تعالی سے محبت،مسلمانوں سےتواضع اورمحبت وتعلق پرقائم ایمانی بھائی چارہ کا میزان ہے،اورمیزان جنگ جوقوت وطاقت دشمنوں کےخلاف استعمال کرنے کا نام ہے،مؤمنین کی صفات کا بیان کہ بہت زیادہ تواضع مسلمانوں کے سامنے کرتے ہیں یہاں تک کہ زلت کا لفظ استعمال کیا گیااوردشمنوں کے سامنےعزت یعنی کافروں کے سامنےاپنے دین پرفخروافتخارجس میں کوئی کمزوری،ذلت اورجھکنے کا اثر نہ ہو، اس طرح کا افتخار جنگ کے وقت مقابل کوتوڑدیتااورشکست میں مبتلا کردیتا ہے۔

کافروں سے عام صلح کے حالات میں نیکی اوراحسان پرمنحصر رہے گا جیسا کہ دوسری محکم آیات میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ (انفال:۷۲-۷۵) ترجمہ: بے شک جولوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں، اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہیں ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر سوائے ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو، اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم یوں نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ پھیلے گا اور بڑا فساد ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے سو وہ لوگ بھی تمہیں میں سے ہیں، اور رشتہ دار آپس میں اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، بے شک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

آیت نے امت مسلمہ کو لفظ ''جاھدوا'' سے جہاد کا حکم دیا، ایسا جہاد جو دوسروں کے جہاد کو مغلوب کر لے، اس آیت نے امت کی بزرگی والی تاریخ اور بہت پرانی اصل بیان کی جس کی جڑیں حضرت ابراھیم علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام سے لے کر تمام انبیاء تک پھیلی ہوئی ہیں، اور ''اسلام'' کا نام تو یہ دین حق کا قدیم نام ہے ابراھیم علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ کی رسالت کے زمانہ سے، اور یہ کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو عزت بخشی اس طرح ان کے رسول صلعم کو امت پر گواہ بنایا اور پھر امت کو دنیا اور آخرت میں تمام لوگوں پر گواہ بنا دیا۔

یہاں جہاد میں ہر قسم کی مادی، معنوی، فوجی، علمی، معاشی اور اجتماعی کوششیں شامل ہیں، یہ دین آسانی اور بشارت کا دین ہے نا کہ تنگی اور نفرت پھیلانے والا، تنگی اس امت سے اٹھالی گئی ہے، اور اس دین و جہاد کی بنیادی غرض عدل وانصاف کا قیام اور ایسی امت کی بناوٹ جو تمام لوگوں پر گواہ بنے۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے تہذیبی وجود و بقاء کے میزان پر جو مکمل جہاد وانصاف پر قائم ہے اور اس کو تمام دنیا میں قائم کرنے کا ارادہ ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان: فَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ جَاھِدۡھُمۡ بِہٖ جِھَادًا کَبِیۡرًا (فرقان:۵۲) ترجمہ: پس کافروں کا کہنا نہ مان ان کے ساتھ بڑے زور سے ان کا مقابلہ کر۔

اس آیت شریفہ نے قرآن کے ذریعہ جہاد یعنی دعوت، نشر واشاعت و بیان کو بڑا جہاد کہا، اس میں اس بات پر دلالت ہے:

(الف) جہاد کبیر یہ جہاد ہے اس کے بعد بقیہ قسم کے جہاد آتے ہیں۔

(ب) نشر واشاعت کی بنیادی غرض وغایت رحمت، خیر اور حق کو پھیلانا ہے، اور قتال کا درجہ آخر میں ہے جب کہ تمام راستے مسدود ہو جائیں اور تمام کوششیں ناکام ہو جائیں۔

آیت دلالت کرتی ہے کہ اس جہاد کا وزن بہت زیادہ اور بنیادی ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَمَنۡ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفۡسِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ (عنکبوت:٦) ترجمہ: اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے، بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

یہ آیت نفس کے مجاہدہ اور اس کے تزکیہ کے بیان میں ہے، عمل کا نتیجہ اس کے کرنے والے پر ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

ان مذکورہ آیات نے جامع جہاد، نفس کا مجاہدہ، کافروں اور منافقوں سے جہاد اور نشر واشاعت کا جہاد اور اس کی بقیہ اقسام سب کا

احاطہ کرلیا ہے، اور ہر قسم کے جہاد کی خاص میزان ہے، قتال والے جہاد کا خاص میزان مجاہدہ نفس کا خاص میزان، دعوتی واشاعتی جہاد کا خاص میزان ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ (عنکبوت:۸ -۱۵) ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک بنائے جسے تو جانتا بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ مان، تم سب نے لوٹ کر میرے ہاں ہی آنا ہے تب میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم انہیں ضرور نیک بندوں میں داخل کریں گے۔ اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں، اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے، اور کیا اللہ جہان والوں کے دلوں کی باتوں سے اچھی طرح واقف نہیں ہے۔ اور البتہ اللہ انہیں ضرور معلوم کرے گا جو ایمان لائے اور البتہ منافقوں کو بھی معلوم کرکے رہے گا۔ اور کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریقہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے، حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اور البتہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ اور کتنے بوجھ، اور البتہ قیامت کے دن ان سے ضرور پوچھا جائے گا ان باتوں کے متعلق جو وہ بناتے تھے۔ اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا پھر وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے، پھر انہیں طوفان نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور ہم نے کشتی کو جہان والوں کے لیے نشانی بنادیا۔

یہ آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مجاہدہ میں قول وعمل اور جس بات پر انسان ایمان رکھتا ہے اس کی طرف دعوت سب کچھ شامل ہے، اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد میں دعوت وبیان کے تمام وسائل شامل ہیں، اس کا وزن بھاری ہے اور اس کی خاص میزان ہے،

اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (عنکبوت:٦٩) ترجمہ: اور جنہوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنی راہیں سمجھا دیں گے، اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

یہ آیت اللہ تعالی کی سنتوں کا میزان ہے، اور اسباب کو مسببات سے جوڑنے اور شامل وکامل جہاد کا بیان ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی جہد وعمل کی بناء پر اللہ تعالی راستے کھولتا ہے، ایسے ہی مجاہدین کے لئے اللہ تعالی بہت سے راستے کھولتا ہے صرف ایک راستہ نہیں۔

اس آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالی تک پہنچنے کے عملی راستے فرضوں کی ادائیگی کے بعد بہت سے ہیں، صرف ایک راستہ نہیں ہے، کوئی ہے جو اللہ کی رضا فوجی جہاد سے حاصل کرسکتا ہے، کوئی ہے جو اس تک جہاد بالنفس سے اور کوئی علم کے جہاد سے، اور بعض لوگوں کے درمیان اصلاح کراکر، اور اس جیسے طریقوں سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے، اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کوئی کسی پر اعتراض نہ کرے، وہ

رضا کے جس راستہ پر اور جائز طریقے پر چل رہا ہے، ضرور کامیاب ہوگا، اس لئے اللہ تعالی نے جنت کے آٹھ دروازے بنائے ہیں، ہر دروازے کے وارد ہونے والے جن کو قیامت کے دن پکارا جائے گا۔

لیکن اہم بات جس پر آیت نے اپنی توجہ مرکوز کی ہے وہ احسان اور کام کو خوبی اور اچھی طرح کرنا ہے۔

اللہ تعالی کا قول ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَ اَخْبَارَكُمْ (محمد: ۳۱) ترجمہ: اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔

اس آیت میں اللہ کی اپنے بندوں کی آزمائش سے متعلق سنتوں کے میزان کا بیان ہے، جس کا مقصد سچوں کو جھوٹوں سے الگ کرنا ہے، اس میں اللہ تعالی کے مکمل عدل وانصاف کی بڑی دلیل ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کے بجائے انسان کے عمل کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے۔

اللہ تعالی کا قول ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ (حجرات: ۱۵) ترجمہ: بے شک سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے (مسلمان) ہیں

یہ آیت ایمان کی حقیقت سے متعلق ہے جو نہ متحقق ہوتا ہے نہ مکمل مگر اسے یقین کے ذریعہ جس میں ذرہ برابر شک نہ ہو، اور مال وجان سے جہاد، نیک اعمال، خرچ، سخاوت اور فدائیت سے، ایمان تمنا کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں جم جائے اور حسن عمل اس کی تصدیق کرے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (ممتحنة: ۱) ترجمہ: اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں، رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو، اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو، اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستہ سے بہک گیا۔

یہ آیت ان اعداء کے ساتھ خاص ہے جو اللہ اس کے رسول اور مؤمنین سے جنگ کرتے ہیں، اس لئے ان پر میزان جنگ ومقابلہ آرائی نافذ ہوگا، انہوں نے غزوہ بدر کے معرکہ سے جنگ کا اعلان کیا ہوا ہے، پھر احد وخندق وغیرہ سے ان کی دشمنی اور عداوت ظاہر ہے، رسول صلعم اور صحابہ کرام کو صرف ایمان باللہ کی وجہ سے اپنے دیس سے نکالا، ان سے مسلمان کس طرح محبت ودوستی کر سکتے ہیں اور پھولوں سے ان کا استقبال کر سکتے ہیں۔

اس جیسی حالت میں دشمن سے میل ملاقات، محبت ودوستی کا اظہار تمام آسمانی ادیان، دستوروں اور انسانی قوانین میں اس کو خیانت عظمیٰ گردانا گیا ہے، اس لئے اس سورت کی آٹھویں آیت میں ان لوگوں کے بارے میں حکم نازل ہوا ہے جو مسلمانوں سے دشمنی نہیں رکھتے، ان کے لئے عدل وانصاف، نیکی اور احسان کے ذریعہ صلح کا میزان نافذ ہوگا، اللہ تعالی فرماتا ہے: لَّا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (ممتحنة: ۸) ترجمہ: اللہ تمہیں ان

لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

بلکہ اسلام نے اس حالت میں بھی دوستی کی رسی کو مکمل طور سے نہیں کاٹا، بلکہ خیر کی دوستی کی طرف موڑ دیا، اللہ کا فرمان ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ممتحنة:۷) ترجمہ: شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تمہیں دشمنی ہے دوستی قائم کر دے، اور اللہ قادر ہے، اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

اس لئے دوستی شرعی و بنیادی مقصد ہے لیکن قتال، جنگ اور دشمنی کے علاوہ اوقات میں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (صف:۸-۱۳) ترجمہ: وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں، اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اگر چہ کافر برا مانیں۔ وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے، اگر چہ مشرک ناپسند کریں۔ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کے باغوں میں یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور دوسری بات جو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد ہے اور جلدی فتح، اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔

پہلی اور دوسری آیت میں بشارت اور اللہ کے رسول صلعم اور امت کی ثابت قدمی کی میزان ہے، اس طرح کہ اللہ تعالی نے بشارت دی کہ یہ جاہل دشمنان اسلام اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، لیکن وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے، اس لئے کہ یہ نور اللہ کی طرف سے ہے اور میزان منہ سے نہیں بجھ سکتا تو اللہ کے نور کو کیسے بجھا سکتے ہیں۔

اسی طرح اس میں بشارت ہے کہ اس نور کو اللہ تعالی پورا کرے گا، اور اس کا یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے گا، مشرکین کتنا ہی نہ چاہیں۔ بقیہ آیتیں فوجی تربیت، مثبت روحانی و نفسیاتی تیاری، مال و رجال سے جہاد کے ساتھ میزان جنگ میں داخل ہیں، اس طرح ان آیتوں میں عظیم بشارتیں مجاہد امت کے لئے ہیں جس کے ذمہ زندگی کے تمام میدانوں میں مکمل و جامع جہاد ہے، اور جہاد کے مقاصد اساسیہ درج ذیل ہیں۔

(الف) اللہ تعالی کی رضا اور حصول جنت

(ب) زمین پر اسلامی عقیدہ و شریعت اور منہج زندگی کی اسلامی بنیاد پر زمین میں منصفانہ سوسائٹی کا قیام

(ج) آزادی کو متحقق کرنا اور ظلم و خودرائی کو ختم کرنا

(د) ظالموں، زیادتی کرنے والوں، متکبروں اور قابضوں سے نجات دلانا

(ھ) اس ذلت سے نجات دلانا جس کو ظالموں، متکبروں نے ضعفاء پر مسلط کر رکھا ہے

(و) زیادتی کرنے والے ظالموں کے سامنے ڈٹ جانا جو قوت و جنگ کی زبان کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے

اسی طرح یہ آیتیں باور کراتی ہیں کہ اسلام میں جہاد زیادتی کے خلاف ہے اور ان ظالموں کے سامنے صف آراء ہونا ہے جو اللہ کے نور اور آزادی کے نور کو بجھانے میں کوئی کسر نہیں رکھتے۔

اللہ تعالی کا قول: يَـآ اَيُّـهَـا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْـهِـمْ وَمَاْوَاهُـمْ جَهَنَّـمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْـرُ(تحریم:۹)

ترجمہ: اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

یہ آیت جنگ کے ساتھ خاص ہے، اس پر جنگ کی میزان منطبق ہوگی جس میں معرکہ میں کامیابی کے لئے شدت وسختی ضروری ہوتی، جنگ میں نرمی عقل وسلیم فطرت کے خلاف ہے چہ جائیکہ شریعت کا معاملہ ہو، شریعت نے اس کو بہت واضح کیا ہے، ہر جگہ کی بات الگ ہوتی ہے، اور ہر موقع کے احوال الگ، کیا ایسا ممکن ہے کہ جنگ لڑنے والا حالت جنگ میں ہنسے اور مسکرائے، بلکہ جنگ کی خصوصیات تیاری سے لے کر گفتگو، مظہر حتی کہ لباس تک الگ ہوتا ہے، یہ اس کی خصوصیت ہے، جنگ کا لباس جلسوں اور ولیموں کے لباس سے الگ ہوتا ہے، جنگ لڑنے والے کی گفتگو صلح کی بات کرنے والے سے مختلف ہوتی ہے، اسلام تمام صلح کے وسیلوں گفتگو اور مذاکرات کے بعد جنگ شروع کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس لئے اس کو سخت اور فیصلہ کن ہونا چاہئے، اس بات کے لحاظ کے ساتھ کہ ظلم نہ ہو اور حالت جنگ میں معلوم اسلامی اصول نہ ٹوٹیں۔

میرا مقصد اس مختصر روداد سے یہ ہے کہ یہ آیات شریفہ قتال، شدت، سختی، بغض وعداوت کے جنگی سیاق وسباق میں وارد ہوئی ہیں اور جنگی میزان کے مطابق ہیں، ان آیات کے مفہوم کو تمام حالتوں جیسے صلح، آپسی رہن سہن یا معاہدوں اور میثاق کے حالات پر منطبق نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کی میزان الگ ہے اور وہ ہے صلح دعوت اور ساتھ رہنے کی میزان۔

چوتھی عملی تطبیق

وہ آیات جن میں شدت، سختی اور قساوت ہے ان پر میزان کی تطبیق

ہم یہاں ان آیات کی تطبیق کا ذکر کریں گے جن میں شدت، سختی اور قساوت کے الفاظ یا ان کے مشتقات قرآن پاک کے تسلسل کے حساب سے وارد ہوئے ہیں، اور ان پر نوٹنگ کریں گے تاکہ میزان کی وضاحت ہو سکے۔

اللہ تعالی کا فرمان: ثُـمَّ قَسَـتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِـنَ الْـحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْـهَـارُ وَاِنَّ مِـنْـهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْـهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰـهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ:۷٤)

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں، اور بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

یہ آیت حالت بیان کرنے کے میزان میں داخل ہے، عام حکم کے میزان اور سبب کے میزان میں داخل نہیں، اس میں یہود کی وضاحت بیان کی گئی جنہوں نے پہلے اپنے انبیاء ورسولوں کی مخالفت کی پھر دل کی قساوت مادیات اور زندگی سے لگاؤ کی وجہ سے رسول اللہ صلعم سے جنگ کی، اس لئے اللہ تعالی نے اسلام کو نازل فرمایا تاکہ دل نرم ہوں ان کا تزکیہ ہو، اور دلوں کو رحمت والا، لطیف اور سلامتی والا کر دیا، اسی طرح برے اعمال جو انہوں نے پرانے زمانے میں اپنے انبیاء اور رسولوں کے خلاف انجام دیئے اور موجودہ شدید قساوت کے درمیان ربط پیدا کیا، یہ قساوت قدیم دور میں مکمل نظر آتی ہے اور پھر ہمارے موجودہ دور میں بھی جب انہوں نے فلسطین کی طرف ہجرت کی تو ان کے گروہوں نے امن پسند

فلسطینیوں کے ساتھ ایسی سفاکی کی جس کے سامنے انسانیت کی پیشانی شرم سے جھک گئی، صبرا شاتیلا اور قانا کے قتل عام ہم سب جانتے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان: ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسَارٰى تُفَادُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ:۸۵)

ترجمہ: پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو اپنے میں سے ان کے گھروں میں سے نکالتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو ان کا تاوان دیتے ہو حالانکہ تم پر ان کا نکالنا بھی حرام تھا، کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو، پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں، اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

یہ آیت دوہرے معیاروں اور اعمال سے متعلق ہے جس کو زیادہ تر یہودی آپس میں انجام دیتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نکالتے ہیں، یہ ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ دیتے ہیں اور بعض کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، تو یہ آیت دوہرے معیار کی خطرناک بدلہ والے میزان سے منسلک ہے، اسی طرح جرم اور بدلہ میں دوہرے پن کا وزن بہت بھاری ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ (بقرہ:۸۵) ترجمہ: دنیا میں ذلیل ہوں اور قیامت کے دن بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں

اللہ تعالی کا فرمان وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (بقرہ:۱۶۵) ترجمہ: اور ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیے، اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت کا تعلق عقیدہ سے ہے اور جذبات واحساسات کے میزان سے متعلق ہے، اگر ان کو شریعت کے تابع نہیں کیا جائے تو ان کا راستہ بھٹک سکتا ہے، اس طرح کہ بت پرست اپنے بتوں سے اللہ کی طرح محبت کرتے ہیں اور مؤمن کی محبت اللہ کے لئے بہت زیادہ اور طاقتور ہے، اس لئے کہ وہ حقیقت اور عقل کے مقتنع ہونے کی وجہ سے ہے۔

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حق وحقیقت پر قائم محبت باطل پر قائم محبت سے زیادہ شدید اور طاقتور ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ (بقرہ:۱۹۱) ترجمہ: اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے، اور غلبہ شرک قتل سے زیادہ سخت ہے، اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تم بھی انہیں قتل کرو، کافروں کی یہی سزا ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ فتنہ وفساد کا وزن قتل سے بھی زیادہ وزنی ہے، جیسا کہ پہلے گذرا اور جنگ کے میزان میں داخل ہے، جس میں شدت اور فیصلہ کن انداز ہوتا ہے ان مشرکین کے خلاف جنہوں نے مسلمانوں پر زیادتی کی اور ان کو گھروں سے نکالا اور کمزوروں کے دین وعقیدہ میں بڑا

فتنہ وفساد کیا، اس طرح آزادی سے روکنے کے لئے تشدد، جبر، سختی اور ایذاء کا استعمال کیا، اس طرح انہوں نے شخصی آزادی کو ٹارگیٹ کیا، اس لئے ان کا شمار اس فتنہ وفساد پر ہوگا جو قتل سے زیادہ سخت ہے اور جس کی سزا قتل ہے، سوائے ایک شکل کے اور وہ ہے صرف دفاع نفس سے متعلق۔

اللہ تعالی کا فرمان وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (بقرہ:۱۹۶) ترجمہ: اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو، پس اگر روکے جاؤ تو جو قربانی سے میسر ہو (دو)، اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے فدیہ دے، پھر جب تم امن میں ہو تو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے تو قربانی سے جو میسر ہو (دے)، پھر جو نہ پائے تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب تم لوٹو، یہ دس پورے ہو گئے، یہ اس کے لیے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

یہ آیت مقدس آزادی کے میزان سے ہے جبکہ ان مشرکوں نے احرام باندھے ان مسلمانوں کو عمرہ اور کعبہ کے طواف سے منع کر دیا جس کو اللہ نے سب کے لئے کھولا ہوا ہے حالانکہ وہ لوگ عام لباس سے بھی برہنہ تھے (ان کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہ تھے) اس طرح اس آیت میں مشرکین کے جرائم اور دینی آزادی کے ساتھ ان کی زیادتی سے متعلق گفتگو ہے، ان جرموں کا وزن زیادہ ثقیل ہے اس لئے ان کی سزا بھی سخت ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: سَلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ كَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ وَمَنۡ يُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (بقرہ:۲۱۱) ترجمہ: بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں دیں، اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دیتا ہے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس آ چکی ہو تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت کا اختتام ''ان اللہ شدید العقاب'' ترجمہ: اللہ سخت بدلہ دینے والا ہے، اس طرح کے الفاظ مختلف صورتوں میں درج ذیل سورتوں میں ہیں مثلاً آل عمران آیت (۴، ۱۱، ۲۵۶) نساء میں آیت (۱۶۶ اور ۸۴) مائدہ میں آیت (۲، ۸۴، ۹۸) انعام میں آیت (۱۲۴، ۱۵۲) اعراف میں آیت (۱۳، ۱۶۴) انفال میں آیت (۲۵، ۴۸، ۵۲) توبہ میں آیت (۶۹) یونس میں آیت (۷۰، ۸۸) ھود میں آیت (۱۰۲) رعد میں آیت (۶، ۱۳) ابراھیم میں آیت (۲، ۷) اسراء میں آیت (۵۸) طہ میں آیت (۱۲۷) حج میں آیت (۲) سبأ میں آیت (۴۶) فاطر میں آیت (۱۰، ۱۷) ص میں آیت (۶۱) ق میں آیت (۲۶) حدید میں آیت (۲۰) مجادلہ میں آیت (۱۵) حشر میں آیت (۴، ۷) اور طلاق میں آیت (۱۰) میں وارد ہوئے ہیں

یہ تمام آیات برے اعمال، ظلم وزیادتی پر عدل کی بنیاد پر بدلہ کا میزان ہے، اور یہ جرائم فقہ المیز ان میں داخل ہیں، اس طور پر کہ یہ جرائم بھاری اور خطرناک ہیں اس لئے ان کا بدلہ بھی سخت وشدید ہوگا۔

اس کے باوجود اللہ تعالی نے اس صفت ''شدید العقاب'' کے مقابلہ میں بہت زیادہ ایسی آیات درج فرمائی ہیں جن کے معنی ہیں کہ وہ پاک ذات غفور اور رحیم اور رؤوف اور لطیف ہے، اسی طرح اللہ تعالی نے کئی آیات میں عذاب کو اپنی مشئت سے معلق کیا ہے جس سے رحمت کے دروازہ کھلنے کا اشارہ ہے سوائے اس کے کہ بڑا ظلم (شرک) ہو اللہ تعالی فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ

يَّشَآءُ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰٓى اِثۡمًا عَظِيۡمًا (نساء:٤٨) ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا جو اس کا شریک ٹھہرائے اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہ جسے چاہے بخشتا ہے، اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا ہی گناہ کیا۔

یہ بات نوٹ کرنے والی ہے کہ مغفرت اور رحمت کی دونوں صفتیں جن کا ذکر کیا گیا اس میں مبالغہ ہے اس ایک صفت غضب وشدت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت غضب سے پہلے ہے، قرآن کریم میں اللہ کی صفات الرحمٰن الرحیم کا بار بار ورود ہوا ہے اور یہ وہ غفور، رحیم ودود وغیرہ صفات کا تذکرہ دسیوں بار شدید العقاب کی ایک صفت کے مقابلہ میں ہوا ہے پھر قرآن کی تمام سورتیں سوائے سورہ توبہ کے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحمٰن'' سے شروع ہوتی ہیں اور الرحمٰن الرحیم کا تذکرہ دسیوں بار ہوتا ہے۔

یہ بات کہ اللہ تعالی عذاب دے گا یا یہ کہ وہ شدید العذاب ہے عام طور پر اللہ تعالی اور بندوں کے حقوق سے متعلق خطرناک جرائم کے بعد اس کا ذکر آتا ہے اسی طرح اس قسم کی آیات ڈرانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہیں تاکہ یہ وقوع پذیر نہ ہوں۔

وہ آیتیں جن میں عذاب یا شدید عذاب کا تذکرہ ہے وہ عذاب سے متعلق اللہ کی سنتوں سے متعلق ہیں کہ جو ظلم وزیادتی کرے گا ہلاک ہوگا، اللہ تعالی فرماتا ہے: قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً هَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ (أنعام:٤٧) ترجمہ: کہہ دو اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا ظاہر آجائے تو ظالموں کے سوا اور کون ہلاک ہوگا۔

اللہ تعالی کا فرمان: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡهَدۡىَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَرَامَ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (مائدة:٢) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کو (بے حرمتی والے کاموں کے لیے) حلال نہ سمجھو اور نہ حرمت والے مہینے کو اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانور کو اور نہ ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہوں اور نہ حرمت والے گھر کی طرف آنے والوں کو جو اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی ڈھونڈتے ہیں، اور جب تم احرام کھول دو پھر شکار کرو، اور تمہیں اس قوم کی دشمنی جو کہ تمہیں حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس بات کا باعث نہ بنے کہ زیادتی کرنے لگو، اور آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو، اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

یہ آیت شریفہ اگرچہ میزان جنگ سے متعلق ہے لیکن بلند اخلاق کی حامل ہے، اور اخلاق واعلیٰ صفات میں تعاون اور زیادتی سے روکنے والی سب سے طاقتور آیت ہے، جبکہ مسلمانوں کو قطعی طور پر زیادتی سے منع کر دیا گیا ہے، خاص طور پر اللہ تعالی کے شعائر، اشہر حرام، ہدی (ذبح کرنے والا اونٹ) اور قلائد (اس کی گردن میں ڈالا گیا پٹا) آمین البیت الحرام اور گناہوں اور زیادتی میں تعاون سے خاص طور سے روکا گیا ہے چاہے کوئی بھی وجہ ہو کسی حال میں زیادتی کی اجازت نہیں، پھر ہر اس شخص سے تعاون کا حکم دیا گیا جو نیکی اور تقوی پر تعاون کو تیار ہو۔

آیت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر نیک کام کے لئے تعاون کا میزان بہت وسیع ہے، آیت سے یہ بھی باور ہوتا ہے:

مخاطبین کو جمع کے صیغے سے مخاطب کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ شراکت کا حکم ہے

جن سے تعاون کرنا ہے ان کا عدم ذکر اس بات پر دال ہے کہ یہ شامل اور عام تعاون ہے ہر ایک کے ساتھ جو نیکی اور تقوی میں تعاون قبول کرتا ہے، اس سے قطع نظر کے شخص مقصود کا دین، فکر اور آئیڈیالوجی کیا ہے۔

آیت میں ان کا ذکر نہیں جن کے ساتھ نیکی کا حکم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ احسان عام وتام ہے ہر مخلوق کے ساتھ چاہے وہ انسان

ہو یا حیوان یا ماحول اور ایکولوجی۔

اسلام میں تعاون نیکی اور تقوی پر ہے ان دونوں لفظوں میں خیر کی تمام اقسام شامل ہوگئیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے حکم دیا: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (مائدة:۲) ترجمہ: اور آپس میں نیک کام اور پرہیز گاری پر مدد کرو

نیکی کی تفسیر اللہ تعالی نے آیت ذیل میں فرمائی ہے: لَّيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ:۱۷۷) ترجمہ: یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر، اور اس کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے، اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے، اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کرلیں، اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

یہ تعاون عقیدہ، اعلی صفات، اخلاق فاضلہ، مال خرچ کرنا، زکوٰۃ وصدقات وغیرہ رشتہ داروں اور تمام ضرورتمندوں کو دینا حالانکہ صاحب مال کو خود مال کی ضرورت ہو ان تمام اچھائیوں میں تعاون مطلوب ہے۔

یہ تعاون کسی قسم کا ہو اس میں بھی تمام ممکن طریقے استعمال ہوں گے جس کی اللہ تعالی نے صلاحیت دی ہو، یہ تعاون حسب قدرت و طاقت الگ الگ قسم کا ہے، حکام، امراء اور بادشاہوں کا تعاون دوسروں سے مختلف ہوگا، کیونکہ اس کا دائرہ وسیع ہے، اسی طرح مالداروں کا تعاون مال سے اور علماء اور مفکرین کا اپنے علم وفکر سے، میڈیا سے جڑے لوگوں کا اس طرح ہوگا کہ وہ صالح اور اچھی باتیں عام کریں اور ظلم و زیادتی کا پردہ چاک کریں، اس طرح کا تعاون پیش کیا جانا چاہئے وہ مفید ہوگا چاہے تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (مائدة:۸۲) ترجمہ: تو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا، اور تو سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں سے ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور درویش ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

یہ آیت یہود ونصاری کی عام صفات کی میزان میں داخل ہے، ان کی طبیعتوں اور اسلام کے بارے میں ان کے کیا مواقف ہیں، خاص طور پر اللہ کے رسول صلعم کے زمانے میں، اس کا مقصد یہود کے خلاف جنگ چھیڑنا یا ان باتوں کی تعمیم نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمادیا "لیسوا سواء" (آل عمران:۱۱۳) ترجمہ وہ سب ایک جیسے نہیں ہیں، اور اللہ تعالی نے فرمایا: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران:۷۵) ترجمہ: اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ایک ڈھیر مال کا امانت رکھے تو وہ تجھ کو ادا کریں، اور بعضے ان میں سے وہ ہیں اگر تو ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھے تو بھی تجھے واپس نہیں کریں گے ہاں

جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے، یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم پر ان پڑھ لوگوں کا حق لینے میں کوئی گناہ نہیں، اور اللہ پر وہ جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (مائدہ:۹۸) ترجمہ: جان لو کہ بے شک اللہ سخت عذاب والا بھی ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

یہ آیت ثواب و بدلہ میں انصاف کی میزان ہے اور اللہ تعالی کی صفات کے بیان میں ہے کہ وہ مستحق عذاب کو سخت بدلہ دینے والا ہے لیکن وہ غفور رحیم بھی ہے اور اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، اس سب کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ (ابراھیم:۷) ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے سنا دیا تھا کہ البتہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو اور زیادہ دوں گا، اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

یہ آیت بھی ثواب وعقاب میں انصاف کی میزان ہے، یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اللہ تعالی ثواب عمل کے مطابق نہیں دیتا بلکہ وہ بڑا اور زیادہ ہوتا ہے، جبکہ بدلہ کا قاعدہ ہے کہ وہ انصاف اور برابری پر قائم ہو" جزاء اً وفاقا" (نباء:۲۶) ترجمہ: پورا پورا بدلہ ملے گا

اللہ تعالی کا فرمان ہے:فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ وَشَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ (آل عمران:۱۵۹) ترجمہ: پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا، اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے، پس انہیں معاف کر دے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام میں ان سے مشورہ لیا کر، پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر، بے شک اللہ توکل کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ رسول اللہ صلعم کے عظیم اوصاف، اخلاق کریمہ اور آپ صلعم پر اللہ کے فضل کے بارے میں ہے کہ اس نے آپ کے قلب کو نرم، کریم، سلیم اور مبارک بنا دیا۔

اللہ تعالی کا فرمان:مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا سِیۡمَاہُمۡ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ذٰلِکَ مَثَلُہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَمَثَلُہُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الۡکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا (فتح:۲۹) ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع وسجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے، یہی وصف ان کا تورات میں ہے، اور انجیل میں ان کا وصف ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے قوی کر دیا پھر موٹی ہو گئی پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہو گئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے، اللہ نے ان میں سے ایمان داروں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

یہ آیت دو میزانوں پر مشتمل ہے:

(۱) ظالم کافروں سے تعامل کا میزان جس میں عدل کے ساتھ شدت وعزیمت ہے۔

(۲) مسلمانوں سے تعامل کا میزان ہے جس میں رحمت، نرمی اور تواضع ہے، اسی طرح اس میں صحابہ کرام کی صفات کا میزان بھی ہے جس میں وضاحت ہے کہ آپ صلعم کے صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے اور جنگ کرنے والے کفار سے بہت سختی سے پیش آتے تھے، وہ جامع نرمی وسختی تھے، نرمی نرمی کی جگہ پر اور سختی اور قوت سختی کی جگہ پر، یہی حکمت ہے، یہاں شدت سے مقصود صلح اور دعوت کے موقع پر نہیں کیونکہ دعوت کا میزان حکمت اور اچھی موعظت اور احسن طریقہ سے گفتگو ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (نحل:۱۲۵) ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (تحریم:۹) ترجمہ: اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے

اسی طرح یہ آیت میزان جنگ میں داخل ہے، میزان دعوت میں نہیں، یہ آیت زیادتی کرنے والے کافروں اور منافقوں کے خلاف میزان جنگ کی وضاحت کرتی ہے، ان سے سختی اور شدت کا معاملہ کیا جائے اس لئے کہ یہ جنگ کی طبیعت کا تقاضہ ہے۔

اس طرح اگر ہم مطلوبہ موازین کی تطبیق تمام قرآنی آیتوں سے کر دیں اور ایسے ہی احادیث نبوی کی بھی تو کوئی التباس، خلط مبحث اور غلط فہمی نہیں ہوگی، یہ تأویل، تفسیر اور تطبیق افراط اور تفریط دونوں سے دور ہوگی۔

اہم مراجع اور حوالوں کی فہرست

قرآن کریم:

پرانے اور قدیم مراجع وحوالے:

تفاسیر:

التفسیر الکبیر للفخر الرازی مطبوعه دار احیاء التراث العربی ، بیروت

المحرر الوجیز لابن عطیة مطبوعه دار احیاء التراث، قطر

النکت و العیون تفسیر الماوردی مطبوعه، الکویت

تفسیر القرآن العظیم للحافظ أبی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی مطبوعه دار ابن حزم ۱٤۲۳ھ

تفسیر القرطبی الجامع لأحکام القرآن مطبوعه مؤسسة الرسالة

تفسیر المنار مطبوعه الهیئة المصریة للکتاب

جامع البیان فی تفسیر القرآن لأبی جعفر محمد بن جریر الطبری مطبوعه المطبعة الکبری ببولاق ۱۳۲۸ھ

سنت نبوی کے حوالے:

السنن الکبری للبیهقی مطبوعه دار المعارف، حیدرآباد آفسیٹ طباعت دار الفکر

السنن الکبری للحافظ الفقیه أبی بکر أحمد بن الحسن البیهقی متوفی٤٥٨ھ مطبوعه دار المعارف، حیدرآباد طباعت آفسیٹ، دار الفکر

المستدرك للحاکم مطبوعه حیدرآباد، ۱۳٤۰ھ

المصنف لابن أبی شیبة مطبوعه دار قرطبة، بیروت ۱٤۲۷ھ، ۲۰۰٦م

المصنف لعبد الرزاق المکتب الاسلامی سے شائع شده، بیروت

المؤطا للامام مالك مطبوعه دار المعرفة، بیروت ۱٤۲۰ھ، ۱۹۹۹م

سنن ابن ماجه للحافظ أبی عبد الله محمد بن یزید القزوینی، متوفی ۲۷۳ھ، مطبوعه عیسی البابی الحلبی، القاهرة۱۹۷۲م تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی

سنن ابن ماجه، مطبوعه ، عیسی البابی الحلبی ۱۹۷۲م

سنن أبی داؤد مع عون المعبود، طبع و نشر المکتبة السلفیة، المدینة المنورة

سنن أبى داؤد للحافظ الحجة سليمان بن الأشعث السجستانى، متوفى ٢٧٥ه، مطبوعه مع شرحه عون المعبود، طبع و نشر المكتبة السلفية، المدينة المنورة

سنن الترمذى مع تحفة الأحوذى، طبعة ثانية، ١٣٨٥ه مطبوعه الفجالة، القاهرة

سنن الترمذى للحافظ أبى عيسى محمد بن عيسى السلمى، متوفى٢٧٩ه، المطبوع مع شرحه تحفة الأحوذى، مطبوعه الاعتماد، القاهرة

سنن الدارقطنى للحافظ أبى الحسن على بن عمر الدارقطنى، متوفى ٣٨٥ه، تحقيق السيد عبد الله هاشم اليمانى، مطبوعه دار المحاسن للطباعة، القاهرة،١٣٨٦ه

سنن الدارمى مطبوعه مصر ١٣٨٦ه

سنن النسائى للحافظ أبى عبد الرحمن بن شعيب النسائى، متوفى ٣٠٣ه، مع زهر الربى على المجتبى للحافظ السيوطى ، مع تعليقات من حاشية السندى، مطبوعه مصطفى البابى الحلبى ١٣٨٣ه

سنن النسائى مطبوعه مصطفى البابى الحلبى ، ١٣٨٣ه

شرح سنن أبى داؤد للحافظ الفقيه ابن قيم الجوزية المطبوع مع عون المعبود، نشر المكتبة السلفية، المدينة المنورة، ١٣٨٨ه

شرح صحيح مسلم للامام الحافظ الفقيه محى الدين بن شرف النووى، متوفى ٦٧٦ه مطبوعه المطبعة المصرية، القاهرة

صحيح البخارى مع شرحه فتح البارى مطبوعه السلفية القاهرة

صحيح البخارى لأمير المؤمنين فى الحديث الامام أبى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى متوفى ٢٥٦ه المطبوع مع فتح البارى مطبوعه المطبعة السلفية، القاهرة، ١٣٨٠ه

صحيح مسلم مطبوعه الحلبى، القاهرة

صحيح مسلم للامام الحجة مسلم بن حجاج القشيرى النيسابورى، متوفى ٢٦١ه تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقى، مطبوعه البابى الحلبى ١٣٧٤ه، ١٩٥٥م

فتح البارى صحيح البخارى للامام الحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى متوفى٨٥٢ه المطبعة السلفية، القاهرة، ١٣٨٠ه

مسند أحمد مطبوعه المكتب الاسلامى ، بيروت،١٣٩١ه

مسند الشافعى مطبوعه وزارت اوقاف، قطر، ١٤٢٨ه، ١٩٩٩م

لغوی حوالے:

التعريفات للجرجانی مطبوعه مكتبة لبنان ۱۹۸۵م بيروت
القاموس المحيط للفيروزآبادی مطبوعه مصطفی الحلبی ۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۲م
المصباح المنير للعلامة أحمد بن محمد الفيومی متوفی ۷۷۱ھ مطبوعه مصطفی البابی الحلبی بمصر
المعجم الوسيط
لسان العرب لابن منظور مطبوعه دار المعارف بالقاهرة
مختار الصحاح مطبوعه دار المعارف بالقاهرة

دوسرے مراجع وحوالے:

شرح العقيدة الطحاوية لصدر الدين الحنفی، تحقيق أحمد شاكر مطبوعه السعودية عام ۱٤۱۳ھ
جامع المسائل لابن تيمية، تحقيق محمد عزيز شمس مطبوعه دار عالم الفوائد بمكة المكرمة ۱٤۲٤ھ
نظرية المقاصد عند الامام الشاطبی للدكتور أحمد الريسونی مطبوعه الرباط ۱٤۱۱ھ
مقاصد الشريعة عند الامام العز بن عبد السلام للدكتور عمر بن صالح، دار النفائس بالأردن
كتاب الخراج للقاضی أبی يوسف، دار المعرفة، بيروت، لبنان
الغياثی:غياث الأمم فی التياث الظلم تأليف امام الحرمين أبی المعالی عبد الملك بن عبد الله الجوينی، بتحقيق أ.د. العظيم الديب طبع دوم قطر،۱٤۰۱ھ
شرح الكوكب المنير مطبوعه جامعه ام القری ۱٤۰۸ھ
الاجابة لايراد ما استدركته عائشة على الصحابة مطبوعه المكتب الاسلامی
رسالة العبودية لابن تيمة مطبوعه دار الايمان بالاسكندرية ۲۰۰۳م
احكام الاحكام فی أصول الأحكام لابن حزم مطبوعه دار الآفاق الجديدة، بيروت ۱۹۸۳م
أحكام القرآن لأبی بكر محمد بن عبد الله بن العربی متوفی ۵٤۳ھ، تحقيق على محمد البجاوی، مطبوعه البابی الحلبی۱۳۸۷ھ
أحكام القرآن للامام أبی بكر أحمد بن على الرازی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ، دار الفكر، بيروت
أحكام القرآن للامام الشافعی مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۳۹۵ھ
ارشاد الفحول للشوكانی مطبوعه دار الكتبی ، القاهرة ۱٤۱۳ھ
البداية و النهاية، بتحقيق الشيخ محمود عبد القادر الأرناؤوط مطبوعه وزارة الأوقاف قطر، ۱٤۳٦ھ
ارواء الغليل لناصر الدين الألبانی مطبوعه دار الفكر الاسلامی، بيروت
اعلام الموقعين لابن القيم، مطبوع فنی طباعتی فرم، القاهرة

الاحكام فى تمييز الفتاوى عن الأحكام للقرافى، تحقيق عبد الفتاح أبو غده
الاحكام للآمدى مطبوعه محمد على صبيح، القاهرة، ١٩٦٨م
الأم للامام الشافعى، مطبوعه دار الشعب القاهرة
الانصاف فى معرفة الراجح من الخلاف للعلامة علاء الدين على بن سليمان المرادى، تحقيق: محمد حامد الفقى، مطبوعه السنة المحمدية١٣٧٥ه
البحر الرائق للعلامة زين الدين بن ابراهيم بن نجيم المصرى، متوفى٩٧٦ه مطبوعه دار المعرفة، بيروت
البحر الزخار للعلامة أحمد بن يحيى بن المرتضى متوفى ٨٤٠ه مطبوعه مؤسسة الرسالة، بيروت ١٣٦٦ه طبع دوم
التاج و الأكليل لمختصر الخليل للعلامة أبى عبد الله سيدى محمد بن يوسف البهدرى المالكى بهامش مواهب الجليل، مطبوعه دار السعادة، مصر ١٣٢٩ه
التقرير و التحبير، محمد بن عبد الواحد، مطبوعه دار الكتب العلمية
التمهيد فى تخريج الفروع على الأصول للأسنوى، مطبوعه مؤسسة الرسالة، تحقيق:د.هيتو
الجامع الصغير للحافظ عبد الرحمن السيوطى، متوفى ٩١١ه مطبوعه المطبعة الخيرية ١٣٢١ه
الجامع لأحكام القرآن لأبى عبد الله محمد بن أحمد القرطبى، متوفى ٦٧١ه، مطبوعه دار الكتب المصرية ١٣٨٧ه
الدر المختار شرح تنوير الأبصار للعلامة الحصكفى، مطبوعه مصطفى البابى الحلبى، القاهرة
الذخيرة للقرافى، مطبوعه دار العرب الاسلامى
الشرح الكبير على حاشية الدسوقى، مطبوعه الاستقامة، القاهرة
القواعد الكبرى، أبو محمد عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام بن أبى القاسم بن الحسن السلمى الدمشقى، الملقب بسلطان العلماء، متوفى ٦٦٠ه، تحقيق:د.نزيه حماد، و د.عثمان ضميرية مطبوعه وزارت اوقاف، قطر ١٤٢٩ه
الفتاوى الهندية، مطبوعه دار أحياء التراث العربى، بيروت
الفروق لأبى محمد الجوينى، مخطوطة مكتبة السليمانية نمبر ١٤٦، أصول الفقه
الفروق للامام شهاب الدين أبى العباس الصنهاجى المشهور بالقرافى، مطبوعه دار المعرفة، بيروت
الفصل فى الملل و الأهواء، و الملل و النحل، للامام بن حزم الأندلسى، متوفى ٤٥٦ه، مطبوعه المطبعة الأدبية، القاهرة

القسطاس المستقيم لأبى حامد الغزالى متوفى ٥٠٥ه، تحقيق و تعليق: محمد ركابى الرشيدى محمد، مطبوعه دار الرسالة للطباعة، توزيع جديد مكتبة جعفر القاهرة
الكافى لابن قدامة، مطبوعه المكتب الاسلامى، بيروت
المبسوط للامام محمد بن أحمد بن سهل أبى بكر شمس العلماء السرخسى، مطبوعه آفسيٹ دار المعرفة، بيروت، عن طبعة مطبعة السعادة، القاهرة ١٣٣١ه
المجموع للامام محى الدين بن شرف النووى، متوفى ٦٧٦ه مطبوعه شركة العلماء
المحصول للرازى طبع سوم ، مؤسسة الرسالة، بيروت ١٩٩٧م
المحلى لابن حزم الظاهرى، مطبوعه مكتبة الجمهورية العربية، القاهرة
المدخل المفصل الى مذهب الامام أحمد بن حنبل، بكر أبو زيد، مطبوع دار العاصمة الأولى١٤١٧ه، المدينة المنورة
المدونة للامام مالك، مطبوعه السعادة، القاهرة ١٣٢٣ه
المستصفى، مطبوعه المكتبة التجارية، القاهرة، ١٣٥٦ه
المسودة فى أصول الفقه، آل تيمية، مطبوعه الكتاب العربى
المصنف للحافظ أبى بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانى، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمى، نشر المكتب الاسلامى، بيروت
المغنى لأبى محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسى، متوفى٦٢٠ه مطبوع جديد مكتبة الرياض، الرياض
المقدمات الممهدات لابن رشد، مطبوعه دار الغرب الاسلامى
المنثور فى القواعد للامام بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشى، متوفى ٧٩٤ه، تحقيق: د. تيسير فائق أحمد، مطبوعه مؤسسة الخليج، نشر وزارة الأوقاف الكويتية، ١٤٠٢ه
المهذب للفقيه أبى اسحاق ابراهيم على الشيرازى، متوفى ٤٧٦ه مطبوعه عيسى البابى الحلبى
الموافقات فى أصول الشريعة لأبى اسحاق ابراهيم بن موسى اللخمى الغرناطى المالكى المشهور بالشاطبى، متوفى ٧٩٠ه، مطبوعه دار المعرفة بيروت
ايضاح المسالك الى قواعد الامام مالك للامام أبى العباس أحمد بن يحيى الونشريسى، متوفى ٩١٢ه، تحقيق: أحمد أبو طاهر الخطابى، مطبوعه فضالة، المغرب، صندوق احياء التراث الاسلامى كى نگرانى ميں ١٤٠٠ه
بداية المجتهد للعلامة محمد بن أحمد المشهور بابن رشد الأندلسى، متوفى ٥٩٥ه، مطبوعه مصطفى

البابی الحلبی طبع چهارم، ۱۳۹۵ھ
بدائع الصنائع للامام الکاسانی، متوفی ۵۷۸ھ مطبوعه الامام ، القاهرة
بلغة السالك لأقرب المسالك الی مذهب مالك للعلامة أحمد بن محمد الصاوی علی الشرح الصغیر للدردیر، مطبوعه عیسی البابی الحلبی، القاهرة
تحفة الأحوذی علی شرح سنن الترمذی للحافظ أبی العلی محمد بن عبد الرحمن، مطبوعه الفجالة، القاهرة، طبع دوم ، ۱۳۸۵ھ
تحفة المحتاج للعلامة شهاب الدین محمد بن أحمد السمرقندی، مطبوعه دار الحدیث، مصر
تخریج الفروع علی الأصول للامام أبی شهاب الزنجان، تحقیق:محمد أدیب صالح، مطبوعه جامعة دمشق، ۱۳۸۲ھ
تلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر مطبوعه متحده فنی طباعتی فرم، المدینة المنورة
تیسیر التحریر، محمد أمین، مطبوعه مصطفی البابی الحلبی، مطبوعه القاهرة
جمع الجوامع لابن السبکی، مطبوعه دار احیاء الکتب العربیة، القاهرة
جواهر الاکلیل، مطبوعه الکویت۱٤۱۵ھ
حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر للعلامة الشیخ محمد بن عرفة الدسوقی، مطبوعه الاستقامة، القاهرة
حاشیة الروض المربع للعلامة عبد الرحمن بن محمد العاصمی الحنبلی، متوفی ۱۳۹۲ھ، مطبوعه آفسیٹ گهریلو پریس، الریاض
حاشیة عمیرة علی شرح المحلی علی المنهاج، مطبوعه عیسی البابی الحلبی، القاهرة
درر الاحکام شرح مجلة الأحکام، علی حیدر، مطبوعه دار عالم الکتب،۲۰۰۳م، الریاض
روضة الطالبین للامام أبی زکریا یحیی بن شرف النووی، متوفی ٦۷٦ھ، مطبوعه المکتب الاسلامی للطباعة و النشر، دمشق
شرح العنایة علی الهدایة للامام محمد بن محمود البابرتی، متوفی۷۸٦ھ فتح القدیر کے حاشیه پر مطبوعه، مطبوعه دار صادر
شرح الکوکب المنیر لابن نجار الحنبلی، مطبوعه جامعة الملك عبد العزیز، السعودیة
فتح العزیز شرح الوجیز للامام أبی القاسم عبد الکریم بن محمد الرافعی، متوفی٦۲۳ھ، مجموعه کے حاشیه پر مطبوعه، مطبوعه شرکة العلماء، القاهرة
فتح العلی المالك فی الفتوی علی مذهب الامام مالك لأبی عبد الله الشیخ محمد أحمد علیش، متوفی

۱۲۹۹ھ، مطبوعه مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۸ھ، ۱۹۵۸م
فتح القدیر للشوکانی، مطبوعه عالم الکتب، بیروت
فتح القدیر للعلامة کمال بن الهمام الحنفی، متوفی ۸٦۱ھ، مطبوعه المطبعة الأمویة، القاهرة ۱۳۱٦ھ
کشف الأسرار للبزدوی، مطبوعه السعودیة ۱٤۳۰ھ
مجموع الفتاوی شیخ الاسلام أحمد بن تیمیة، جمع و ترتیب عبد الرحمن بن محمد بن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی، تصویر طبع اول ۱۳۹۸ھ، سعودیه کی حکومت کے خرچه پر
مطالب أولی النهی، مصطفی السیوطی مطبوعه المکتب الاسلامی الأولی ۱۹٦۱م بیروت
مغنی المحتاج الی معرفة ألفاظ المنهاج، محمد الشربینی الخطیب متوفی ۹۹۷ھ، مطبوعه مصطفی البابی الحلبی ۱۳۷۷ھ
مواهب الجلیل طبع اول ۱۹۹۵م، بیروت
نهایة المحتاج لشمس الدین محمد بن أحمد شهاب الدین الرملی، متوفی۱۰۰٤ھ، مطبوعه مصطفی البابی الحلبی، القاهرة، ۱۳۸٦ھ
نیل الأوطار للعلامة محمد بن علی الشوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، مطبوعه ازهری کالجیز القاهرة ۱۳۹۸ھ

دوم: جدید مراجع اور حوالے:

آثار الحرب موازناتی مطالعه ، أ.د.وهبه الزحیلی، مطبوعه دار الفکر المعاصر للطباعة و النشر و التوزیع، ۱۹۸۱م
اسلام الرحمة اور تشدد کا ظاهره:حقیقت اسلام کا تجزیاتی مطالعه اس کی رحمت وسطیت تشدد کا مفهوم ، جهاد تکفیر اور خلافت و حکومت، أ.د.علی محیی الدین القره داغی، مطبوعه دار البشائر الاسلامیة، بیروت ۲۰۱۸م
حجازی فقه کے اسکول میں اجتهادی رائے، د. خلیفة بابکر الحسن، مطبوعه الزهراء بالقاهرة
الاجتهاد و الفتوی(ان دونوں کی اهمیت، شرطیں، معاصرانه تطبیقات اور مقاصدی سوچ کے ضبط و حدود کا نظام) أ.د.علی محیی الدین القره داغی، دار البشائر الاسلامیة، بیروت ۲۰۱۷م
التبیان لرفع غموض النسخ فی القرآن، أ.د. مصطفی الزلمی، مطبوعه مکتب التفسیر للطباعة و النشر ۲۰۰۰م
التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی، عبد القادر عوده، مطبوعه دار الکاتب العربی، بیروت

السياسة الشرعية، أو نظام الدولة الاسلامى، الأستاذ الشيخ عبد الوهاب خلاف، مطبوعه كتاب ناشرون، بيروت
السيرة النبوية الصحيحة، أ.د.أكرم العمرى ، مطبوعه مركز بحوث السنة و السيرة بجامعة قطر
الشخصية الاسلامية، الشيخ تقى الدين النبهانى
الشعب المختار فى الميزان، الشيخ عبد المعز عبد الستار، مطبوعه القاهرة، ١٩٩٨م
الظاهر الجغرافية بين العلم و القرآن، د.عبد العليم عبد الرحمن خضر، مطبوعه دار النشر السعودية ١٤٠٤ه
العبادة فى الاسلام ، الشيخ يوسف القرضاوى، مطبوعة مؤسسة الرسالة
المدخل الى دراسة علم الكلام، د.حسن محمود الشافعى، مطبوعه مكتبة وهبة بالقاهرة ١٤١١ه
المدخل الى دراسة علم الكلام، د.حسن محمود الشافعى، مطبوعه مكتبة وهبة بالقاهرة ١٤١١ه
المرجعية العليا فى الاسلام ، الشيخ القرضاوى، مطبوعه الرسالة
المنهج الايمانى للدارسات الكونية فى القرآن الكريم، د.عبد العليم عبد الرحمن ، مطبوعه دار النشر السعودية
الموسوعة الفقهية الكويتية، مطبوعه وزارة الأوقاف الكويتية
الناسخ و المنسوخ لابن سلامة الضرير
تحفة الحبيب على شرح الخطيب للبحيرى
حجة الله البالغة، مطبوعة دار المعرفة ببيروت
درء تعارض العقل و النقل لابن تيمية، تحقيق :د.محمد رشاد سالم، مطبوعه جامعة الامام محمد بن سعود
شفاء الغليل فى مسائل القضاء و القدرة و الحكمة و التعليل، تحقيق: سيد عمران، و د. السيد محمد سيد، مطبوعه دار الحديث بالقاهرة
فقه الأولويات، الشيخ العلامة يوسف القرضاوى، مطبوعه وهبة
فى ظلال القرآن، سيد قطب مطبوعه دار الشروق
مبدأ الرضا فى العقود ، أ.د. على محيى الدين القره داغى (شريعت و مدنى قانون كا موازنه) طبع الأولى، دار البشائر الاسلامية، ببيروت عام ١٩٨٥م
مجموعة الوثائق السياسية للأستاذ محمد حميد الله، مطبوعه دار الارشاد، بيروت ١٣٨٩ه
مجموعة بحوث فقهية، د.عبد الكريم زيدان، مطبوعه مؤسسة الرسالة للطباعة و النشر والتوزيع

مقاصد الشریعة الاسلامیة للشیخ ابن عاشور، مطبوعه مجمع الفقه الاسلامی الدولی
مقومات التصور الاسلامی، سید قطب، مطبوعه دار الشروق بالقاهرة، ۱۹۹۷م
نحن و الآخر: (کتاب و سنت اور فقه المیزان کی روشنی میں مسلم غیر مسلم کے حالت صلح و جنگ میں تعلقات پر اصولی فقهی نقطه نظر) أ.د.علی محی الدین قره داغی، مطبوعه: الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین "امت مسائل کی سیریز میں "۳" عربی میں ۲۰۰۹م میں اور انگریزی میں "ادیان کے درمیان ڈائیلاگ کے عالمی مرکز"، دوحه، قطر سے
المصطلحات الأربعة فی القرآن الکریم: الاله، الرب، و العبادة، الدین، الاستاذ السید أبو الأعلی المودودی، تعریف محمد کاظم، مطبوعه الکویت ۱۹۹۵م
نهج البلاغة تحقیق: صبحی الصالح

فہرستِ موضوعات

مترجم اور ترجمۂ کتاب "فقه الميزان" پر مصنف کے تاثرات	الف
مقدمہ مترجم مولانا پروفیسر محمد حسان خان	ب
قرآنی دستور سے	۱
سنت نبوی سے	۲
اچھے کلمات	۲
امید و آرزو	۳
انتساب	۵
مقدمہ	۶
فقہ المیزان سے متعلق مختصر رائے	۱۲
خلاصہ	۱۳
موازین اور اوزان کی تحقیق	۱۴
اس کتاب کے اغراض و مقاصد	۱۴
کتاب کا مقصد ثابت اور عادل میزان تک پہنچنا	۱۶

باب اول

فقہ المیزان کی تعریف اہمیت اس کے آثار اور ضوابط و قواعد

فقہ اور میزان کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۱۷
میزان کی تعریف	۲۰
میزان قرآن میں	۲۰
قسط اور عدل کا فرق	۲۷
قرن اول سے آج تک میزان کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال	۲۹
عدل کے معنی میں میزان کا استعمال	۲۹
حکمت کے معنی میں میزان کا استعمال	۳۰
مادی ترازو کے معنی میں میزان کا استعمال	۳۰
باقی و ثابت معنوی میزان	۳۱
کتاب اور میزان ہم معنی	۳۲

میزان کی تفسیر عقل یا اس سے جس کی گواہی عقلِ سلیم دے	۳۲
قیامت کے دن موازین قسط سے متعلق مفسرین نے اقوال	۳۲
سنت نبوی میں میزان کا تذکرہ	۳۴
میزان کے متعلق فقہائے اسلام کے اقوال	۳۷
فقہ المیزان کی تعریف کا خلاصہ اور بحث کا اصول مقصود	۳۹
فقہ میزان اور فقہ اولویات میں فرق	۳۹
فقہ المیزان اور مقاصدِ شریعت میں فرق	۴۰
فقہ المیزان اور حکمت	۴۰
حکمت کی لغوی تعریف	۴۲
مفسرین کے نزدیک حکمت کے معنی	۴۲
اصولیین کے نزدیک حکمت	۴۲
حکمت وحی سے زیادہ عام ہے	۴۲
علوم ومعارف میں فقہ المیزان کا درجہ ومقام اور فہم شریعت کے لئے ماسٹر کنجی	۴۴
فقہ المیزان کن چیزوں کی محتاج ہوتی ہے	۴۵
فقہ المیزان سے اصول میں اختلاف ختم ہوتا ہے	۴۵
فقہ المیزان کے سلسلہ میں لوگوں کی مختلف اصناف	۴۶
مجتہد مفتی اور محقق کے لئے فقہ المیزان کی اہمیت	۴۶
عامۃ الناس کے لئے فقہ المیزان کی اہمیت	۴۷
کیا فقہ المیزان جدید فقہ ہے جو سلفِ امت میں معروف نہ تھی؟	۴۸
میزان اور قسطاس مستقیم	۴۹
امام غزالی اور قسطاس مستقیم	۴۹
امام غزالی کے نزدیک شیطان کے موازین	۵۳
امام غزالی اور میری کتاب میں یکسانی ومقارنت	۵۳
میری میزان کے دونوں پلڑے کونسے ہیں؟	۵۳
امام شعرانی کی کتاب المیزان	۵۴
فقہ المیزان اور صرف کے اوزان	۵۴
فقہ المیزان اور علم منطق	۵۴

میزان اوراوزان صف بندی کا آسان چارٹ ۵۵
دونوں پلڑوں کا میزان اورتوازن ۵۶

فصل ثانی

فقہ المیزان کے ارکان اوراس کے عناصر

فقہ المیزان کے ارکان اوراس کے عناصر ۵۷
پہلا عنصر وزن کرنے والا (وازن) ۵۷
دوسرا عنصر جس کا وزن کیا جائے (موزون) ۵۷
تیسرا عنصر وہ میزان جس کے ذریعہ دوسرے عنصر کا وزن کیا جائے ۵۷
مطلوبہ موازین کی معرفت کی کیفیت ۵۷
اسلام میں تحاکم اورمرجعیت کی میزان ۶۰
چوتھا عنصر: اوزان کی فقہ ۶۱
اوزان کو ناپنے کے پیمانے ۶۷
بعض اوقات متعدد موازین ۶۹
خلاصۂ کلام ۷۰
اوزان کی معرفت کے مطابق اعمال کے مراتب ۷۱
اہم نوٹ ۷۴
لامتناہی اوزان ومعنوی مرتبے ۷۴
پانچواں عنصر: موازنہ کرنا (موازنہ کی فقہ) ۷۵
ہرامر میں توازن کی اہمیت ۸۲
کائنات، انسان اورشریعت کے درمیان توازن ۸۳
اسلام مکمل طور سے احادی نہ ہوکر ثنائی اورتوازنی فہم پر قائم ہے ۸۵
اس کا نتیجہ فقہ موزون، فکر موزون اورحکم موزون ۹۰

فصل سوم

فقہ المیزان کی مشروعیت کے دلائل

اول: فقہ المیزان چھان بین اورتحقیق کے ذریعہ اسلامی شریعت میں ثابت ہے ۹۱
دوم: سنت نبوی سے فقہ المیزان کا ثبوت ۹۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کی میزان ۱۰۴

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات میزان سیاست پر قائم تھے ۱۰۵

مصالح کی رعایت اور مفاسد سے گلوخلاصی کی دو اقسام ہیں ۱۰۵

سوم: خلفاء راشدین کے یہاں فقہ المیز ان ۱۱۰

خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ ۱۱۰

خلیفہ حضرت عمر کا زمانہؓ ۱۱۳

خلفیہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ ۱۱۷

خلفیہ حضرت علیؓ کا زمانہ ۱۱۸

چہارم: تیسرے وچوتھے ارکان سے متعلق بعض خاص دلائل ۱۱۸

فقہ المیز ان کے عملی اقدامات ۱۱۹

تمام موازین کا مرجع دو کا مجموعہ یعنی جوڑ کا میزان ہے ۱۲۰

باب دوم

فقہ المیز ان کو واقعات پر منطبق کرنا ''عملی تطبیق''

فصل اول

بالاختصار تصورات، عقائد اور عبادات کے موازین

تصرفات، علم اور عمل کی میزان ۱۲۱

عبادات کے موازین ۱۲۲

مقصود عبادت ہے اور تعمیر رسالت ہے ۱۲۲

عبادت کی جامعیت ۱۲۳

اوامر ونواہی کی اقسام ۱۲۳

نوع اول: جن کا تعلق خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے ان کی دو قسمیں ہیں ۱۲۳

نوع دوم: اللہ اور انسان کے ملے جلے حقوق ۱۲۴

نوع سوم: ایسے اوامر اور نواہی جو انسان کی بہتری سے جڑے ہیں ۱۲۴

نوع چہارم: لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ اور اس معاملہ میں تسلسل کی اہمیت ۱۲۴

نوع پنجم: لوگوں کا اپنے اردگرد رہنے والوں سے تعامل کی کیفیت اور اوامر ونواہی کا حکم ۱۲۴

نوع اول میں سے پہلی قسم کے موازین ۱۲۴

نوع اول میں سے دوسری قسم کے موازین ۱۲۵

نوع دوم کی میزان ۱۲۶

نوع سوم کی میزان	۱۲۶
نوع چہارم کی میزان	۱۲۷
نوع پنجم کی میزان	۱۲۷
عبادات کے پانچ موازین	۱۲۸
خالق ومخلوق سے متعلق خاص موازین اوران میں فساد کے اثرات	۱۲۹
تمام عقائدی انحرافات اس میزان میں خلل اوراس کی سمجھ میں کجی کی وجہ سے ہیں	۱۳۰
عقیدہ فکروتصورات کے موازین	۱۳۴
شیطان کے انحراف کی میزان	۱۴۲
فصل دوم: تعامل اقتصاداور معاملات کے موازین	۱۴۸
جنگ اورصلح کی میزان	۱۴۸
اقلیت واکثریت کے میزان	۱۵۰
اسلامی اقتصاد میں توازن کے آثار	۱۵۰
اول: تمام اقتصادی سرگرمیوں میں چھ قسم کے توازن	۱۵۰
۱۔ ملکیت میں توازن	۱۵۰
۲۔ پیداوار میں توازن	۱۵۰
۳۔ خرچ میں توازن	۱۵۱
۴۔ عہدو پیمان کے ذریعہ تبادلہ	۱۵۱
۵۔ توزیع وتقسیم	۱۵۱
۶۔ تقسیم کالوٹانا	۱۵۲
دوم: حکومت، فرداور بازار کے رول میں توازن	۱۵۲
سوم: دقیق توازن	۱۵۲
چہارم: توازن اوراولویات میں توفیق	۱۵۳
توازن میں خلل "و بئر معطلة و قصر مشيد"	۱۵۳
خلاصہ موزوں اقتصاد میں نجات	۱۵۴
انفرادی معاہدات اورامت وامام کے درمیان قائم معاہدات	۱۵۵
فصل سوم: دلائل کو سمجھنے کی موازین	۱۵۸
قرآن کریم کو سمجھنے کی موازین	۱۵۸

سنت نبویہ کو سمجھنے کی موازین بھی خاص اہمیت رکھتی ہیں ۱۶۱
خلاصۂ کلام ۱۶۶
دلائل کی ترتیب میں فقہ المیزان ۱۶۸
فصل چہارم: نصوص پر زوجیت وشفعیت کے اعتبار سے فقہ المیزان کی تطبیق ۱۷۰
قسم اول: قتال سے متعلق آیات ۱۷۱
فقہ المیزان کی روشنی میں دارالاسلام ودارالحرب یا دارالکفر ودارالعہد ۱۷۴
کیا دارالاسلام اور دارالکفر کی تقسیم شرعی ہے یا واقعی اور فقہی؟ ۱۷۵
اس تقسیم میں فقہ المیزان ۱۷۷
قسم دوم: صلح، امن اور اچھے طریقے سے دفاع وبچاؤ سے متعلق آیات ۱۷۷
فقہ المیزان مسلمان اور غیروں سے متعلق نصوص کو سمجھنے کا صحیح معیاری حل ۱۷۷

باب سوم

قرآن کریم کی ظاہری طور پر تعارض والی نصوص جو اپنے میزان اور وزن کے موافق ہیں اس پر عملی تطبیقات

پہلی عملی تطبیق: سورہ توبہ پر میزان کی تطبیق ۱۸۱
اس کی روشنی میں سورہ پر مختصر نظر ۱۸۱
ان آیات کا مجموعہ عظیم اصولوں پر مشتمل ہے ان میں سے اہم ہیں ۱۸۵
دوسری عملی تطبیق: تمام آیات جن میں قتال کا تذکرہ ہے ان پر میزان کی تطبیق ۱۹۸
تیسری عملی تطبیق: وہ آیات جن میں لفظ جہاد وارد ہوا ہے ان پر میزان کی تطبیق ۲۱۰
چوتھی عملی تطبیق: وہ آیات جن میں شدت، سختی اور قساوت ہے ان پر میزان کی تطبیق ۲۱۶
اہم مراجع اور حوالوں کی فہرست ۲۲۳
فہرستِ موضوعات ۲۳۲